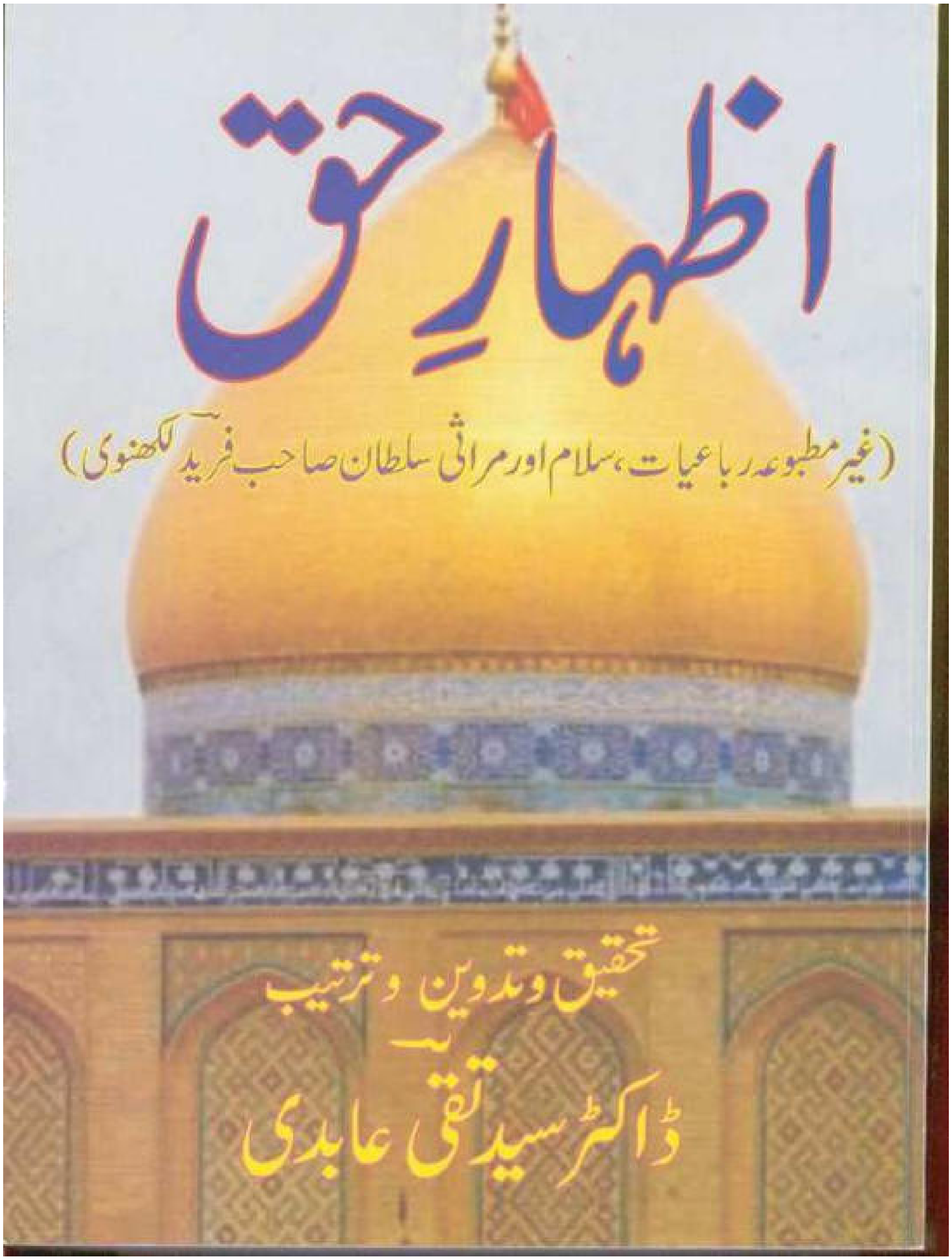
اظہارِ حق
(غیر مطبوعہ رباعیات، سلام اور مراثی سلطان صاحب فرید لکھنوی)
تحقیق و تدوین و ترتیب
ڈاکٹر سید تقی عابدی

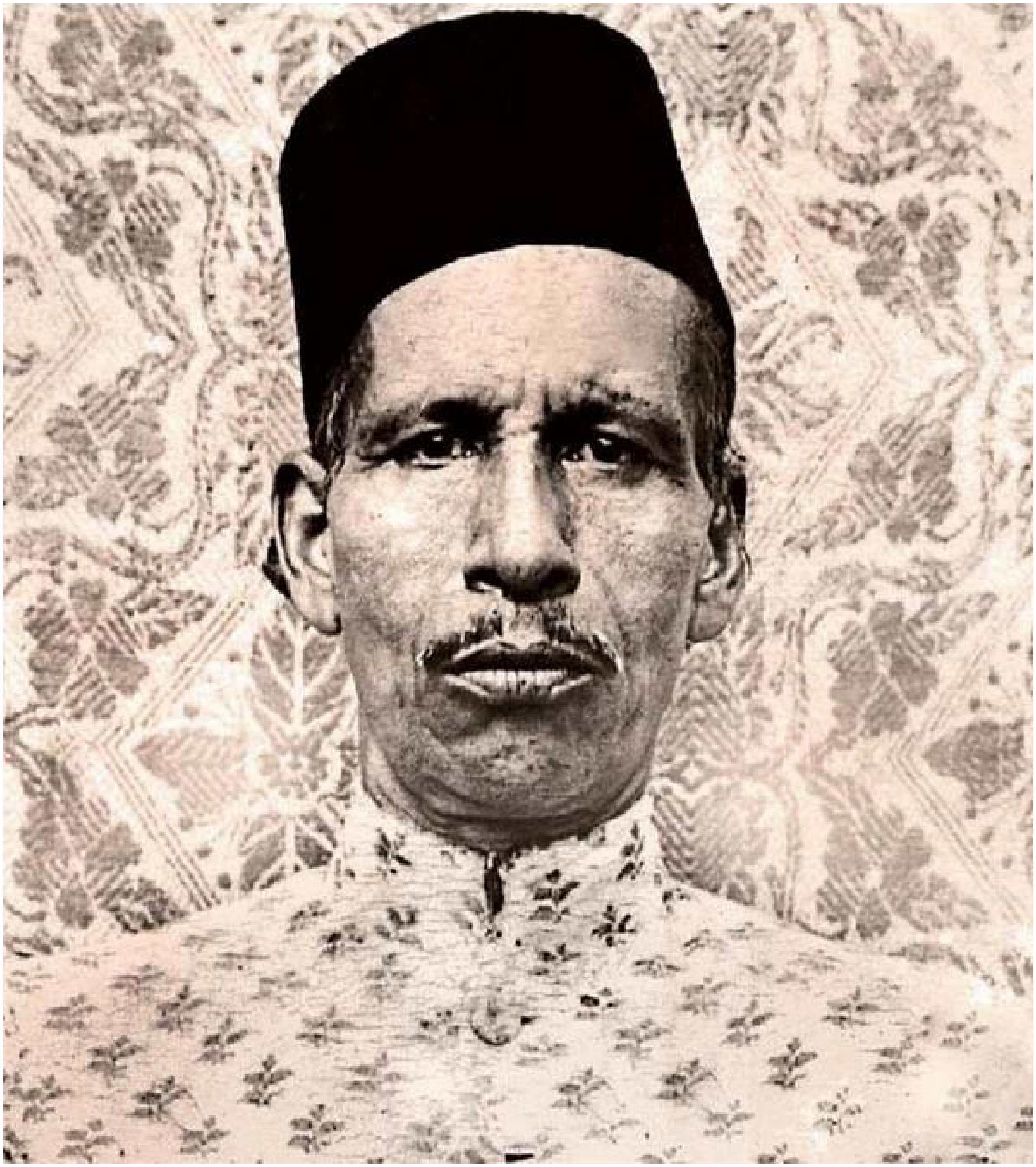

اظہارِ حق

(غیر مطبوعہ رباعیات، سلام اور مراثی سلطان صاحب فریدؔ لکھنوی)

تحقیق و تدوین و ترتیب

ڈاکٹر سید تقیؔ عابدی

کتاب	: اظہارِ حق
تصنیف	: فریدؔ لکھنوی
تعداد مراثی	: ۱۵
تعداد سلام	: ۱۵
تعداد رباعیات	: ۳۶
تحقیق و تدوین و ترتیب	: ڈاکٹر سید تقی عابدی
سنہ اشاعت	: ۲۰۰۳ء
مقام اشاعت	: ٹورانٹو۔ کینیڈا
کمپوزنگ و ناشر	: سید فیروز۔ اُردو وَرلڈ نیٹ -ٹورانٹو Tel (905) 470-2040
طباعت	: Shawn Graphics-Toronto Tel (416) 467-1517
تعداد اشاعت	: ایک ہزار (1000)
ایڈیشن	: اوّل
صفحات	: ۴۱۵
قیمت	:

زیر اہتمام

ڈاکٹر سید اختر احمد ایجوکیشنل ٹرسٹ

۱۰۷۰۵ لوریج کورٹ۔ آسٹن۔ ٹیکساس ۷۸۷۳۹۔ یو ایس اے

Dr.Syed Akhtar Ahmed Educational Trust

10705 Lovridge Court

Austin, Texas 78739 USA

جملہ حقوق محفوظ ہیں

All Copyrights reserved

رو میں ہے رخشِ عمر

نام : سید تقی حسن عابدی
ادبی نام : تقی عابدی
تخلص : تقی
والد کا نام : سید سبطِ نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام : سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش : یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش : دہلی (یوپی) ہندوستان
تعلیم : ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا)
ایم ایس (برطانیہ)
ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ)
ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ : طبابت
ذوق : شاعری اور ادبی تحقیق
شوق : مطالعہ اور تصنیف
قیام : ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کینیڈا
شریکِ حیات : گیتی
اولاد : دو بیٹیاں (معصومہ اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف : شہید (1982ء) جوشِ مودت (1999ء)
گلشنِ رویا (2000ء) رموزِ شاعری (2000ء)
عروسِ سخن (2000ء) اقبال کے عرفانی زاویے (2001ء)
انشاء اللہ خاں انشا (2001ء) تجزیہ یادگارِ انیس (2002ء)
زیرِ تالیف : ذکرِ دُر باران۔ تجزیہ شکوہ جوابِ شکوہ
دبیر کی مثنویات۔ مصحفِ تاریخ گوئی

ترتیب

انتساب	:	1
اظہار حق کی شکل نمودار ہوگئی	: ڈاکٹر سید تقی عابدی	2
قطعہ تاریخ	: جناب سید باقر زیدی	40
پروفیسر نیّر مسعود کا نامۂ گرامی	:	41
پروفیسر اکبر حیدری کا نامۂ گرامی	:	42
اظہار حق ایک اور امتحان	: جناب عاشور کاظمی۔ لندن	43
جناب باقر زیدی کا نامۂ گرامی	:	45
فریدؔ لکھنوی کے حالات زندگی	: ڈاکٹر سید افتخار احمد	47
مختصر حالات	: مرحوم سید محمد تقی محدث لکھنوی	61
سلطان صاحب فریدؔ	: مرحوم ڈاکٹر سید فدا حسین	74
میرے دادا سلطان صاحب فریدؔ لکھنوی	: ڈاکٹر سید حسن اختر یم ڈی	77
فریدؔ لکھنوی کا شجرہ	:	79
فریدؔ لکھنوی کی بائیوگرافی	:	80
فریدؔ لکھنوی کے رباعیات، سلام اور مراثی	:	83 تا 715

فہرست

مرثیہ

مرثیہ نمبر	مطلع	تعداد بند	سنہ تصنیف	صفحہ
۱	اظہار حق عبادت پروردگار ہے	213	1938-1947	85
۲	کھول اے ذہن رسا پھر در میخانہ نظم	256	1921	160
۳	داستان غم و ہم سب کو سنانا ہے مجھے	270	1922	249
۴	مملکت نظم کی ہے تابعِ فرماں کس کی	125	1917	342
۵	سب سے مل جل کے کہا آؤ سکینہؑ آؤ	104	1926	388
۶	مجبور جب جہاد پہ شاہؑ امم ہوئے	230	1926	426
۷	بخدا فرض شناسی ہے بشر کا جوہر	39	1947	506
۸	پھر آج عزم بارگہ مدح شاہؑ ہے	40	1925	522
۹	شگفتگی گل مضموں کی ہے بہار سخن	117	1916	539
۱۰	تہلکہ حملۂ عباسؑ علیؑ سے تھا بپا	29	1945	581
۱۱	نکلے شبیرؑ جو خیمہ سے غضنفر کی طرح	74	1928	595
۱۲	شوکت عجب ہے بارگہِ مدح شاہؑ کی	56	1928	623
۱۳	ناگہاں پہنچے جو میداں میں جناب عباسؑ	57	1940	645
۱۴	جلوہ گر رخش پہ عباسؑ علمدار ہوئے	80	1936	666
۱۵	اصغرؑ کو دفن کر کے جو آئے بحالِ زار	59	1931	695

سلام

سلام نمبر	مطلع	صفحہ
۱	ھم سے ساقی سے اشارے ھو گئے	84
۲	جز محمدؐ کیا علیؑ کا مرتبہ سمجھے کوئی	158
۳	طلسم عالم ھستی کا تھا شباب نہ تھا	248
۴	جو گدائے سرورؑ ہر دوسرا کے پاس ھے	341
۵	کوئی کھہ سکتا تھا اُمّت پر فدا ھو جائیں گے	386
۶	مصطفیؐ و مرتضیٰؑ کی جب ثنائیں ھو گئیں	425
۷	در احمدؐ پہ جا پھنچے رسائی ھو تو ایسی ھو	505
۸	لگایا پار بیڑا شہؑ نے پابند رضا ھو کر	521
۹	کُھلتے ھیں جوھر زباں کے مدحت شبیرؑ سے	538
۱۰	مروّت میھماں سے یوں ھر اک پیماں شکن توڑے	580
۱۱	ملی ذاکر کو رفعت فاطمہؑ کے مہ جبینوں سے	593
۱۲	دو جھاں کی جس کو زیبندہ ھے شاھی کون ھے	622
۱۳	ھر بلا پر صبر امامِ انس و جاں ایسا تو ھو	643

الوداع

۱	بادشاہِ دین و دنیا الوداع	665
۲	اے مسافر تشنہ لب نو دن کے مھماں الوداع	694

رباعیات

رباعی نمبر	مصرعہ اوّل رباعی	صفحہ
۱	لب پر جب نام احمدؐ پاک آیا	83
۲	صلوات اگر اھلِ ولا بھیجتا ھے	83
۳	کیف منے عشق بعد مُردن ھوگا	83
۴	دے جام که ھے نزع کا عالم ساقی	157
۵	اس بزمِ سخن میں کیا مرا آنا تھا	157
۶	دل سوز نه اپنا ھے نه بیگانه ھے	157
۷	منبر په جو ارباب ھنر دیکھیں گے	247
۸	ھونے کو گناھوں سے بَری بیٹھے ھیں	247
۹	ھر لفظ میں آب و تاب گوھر دیکھیں	247
۱۰	ھم ان کو نبیؐ اور نه خدا کھتے ھیں	340
۱۱	مٹی مجھے دے کے دوست غم کھاتے ھیں	340
۱۲	نقاره بجا کوچ کا دل مضطر ھے	340
۱۳	صد شکر که تقدیر رسا آج ھوئی	385
۱۴	قائم رھے سر په ذوالمنن کا سایا	385
۱۵	آئینه مملکت کے جوھر ھیں یه	385
۱۶	توصیف علیؑ کر سکیں یارا ھی نھیں	424
۱۷	گو مجرم و پُرگناه و خاطی ھوں میں	424
۱۸	ھے فخر که یه اوج مجھے آج ملا	424

رباعی نمبر	مصرعہ اوّل رباعی	صفحہ
۱۹	وہ عدل ہے مداح عدالت ان کی	504
۲۰	پردہ تجھے سو رنگ سے دکھلاتے ہیں	504
۲۱	غریق بحر اشک غم ہوا پھونچا لب کوثر	504
۲۲	کیا جانے کوئی شیر خداؐ کیسے تھے	520
۲۳	ابر غم شبیرؑ ہے چھایا دل پر	520
۲۴	جیسے تھے نبیؐ وصی بھی ویسا پایا	520
۲۵	ہر لفظ کے صرف کا سلیقہ دیکھیں	537
۲۶	تا عرش گئے بلند پایا ایسا	537
۲۷	چلتی پھرتی جو چند تصویریں ہیں	537
۲۸	دنیا میں یہ آئے تھے ہدایت کے لئے	579
۲۹	کیا کیا نہ جواہر تھے ترے سینے میں	579
۳۰	ہر درد میں دکھ میں کام آجائیں گے	579
۳۱	حیدرؑ کی دمِ نزع جو صورت دیکھی	592
۳۲	حیراں ہے عقل وصف حیدرؑ کیا ہو	592
۳۳	جو ہے غمِ شبیرؑ میں دیوانہ ہے	592
۳۴	جس جا ذکر حسینؑ ہو جاتا ہے	621
۳۵	جب کٹ گیا سجدے میں سر پاک حسینؑ	621
۳۶	یہ فیض و سخا حاتم طائی میں نہیں	621

مرحوم ڈاکٹر سید اختر احمد فرزند فرید لکھنوی

انتساب

مرحوم ڈاکٹر سید اختر احمد (جنّت مکانی)

ڈاکٹر سید افتخار احمد (مقیم کراچی پاکستان)

ثروت جہاں بیگم (مقیم حیدر آباد ہندوستان)

عالیہ رفیق رضوی بیگم (مقیم ابوظہبی)

ڈاکٹر سید حسن اختر یم ڈی اور بیگم تاج ملک (مقیم ٹکساس۔امریکہ)

فرزندان ودختران مرحوم ڈاکٹر سید اختر احمد

اظہارِ حق کی شکل نمودار ہوگئی

(ڈاکٹر سید تقی عابدی)

سلطان صاحب فریدؔ نے آج سے تقریباً ستر (70) سال قبل اپنے معروف مرثیے کے مطلع ''اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے'' میں کہا تھا

پھیلا وہ نورِ برق جو ضو بار ہوگئی
اظہارِ حق کی شکل نمودار ہوگئی

الحمدللہ آج اِس ناچیز راقم کی تحقیق تدوین اور ترتیب کی وجہ سے وہ نور جو مرثیے کے بستوں میں مخفی تھا اب سات سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی روشنی سے نہ صرف فریدؔ لکھنوی کی کاوشیں روشن ہوئیں ہیں بلکہ ان مرثیوں کی بدولت ایک اور ع۔ ''اظہارِ حق کی شکل نمودار ہوگئی''۔

ہم فریدؔ لکھنوی کا شمار بہارِ انیسؔ کے آخری پھولوں میں کرتے ہیں کیوں کہ فریدؔ لکھنوی کے بعد گلستانِ مرثیہ میں ایسے پھول نہیں کھلے جن کی رنگت، خوشبو اور شکل بالکل انیسی پھولوں جیسی ہو۔

جناب رضی حیدر سلطان صاحب فریدؔ لکھنوی طبیعت کے سلطان اور فنِ شاعری میں فرید تھے ان سے خدا اور رسولؐ راضی تھے کیونکہ وہ رضی حیدر تھے۔ چرخِ کج رفتار نے مرحوم کے ساتھ بھی کج رفتاری کی چنانچہ اس کی وجہ سے ان کی مرثیہ گوئی کی رفتار نہ صرف کم بلکہ بڑے عرصے کے لئے ختم ہوگئی۔ اس لئے فریدؔ لکھنوی نے اپنی زندگی کے آخری بیس پچیس برسوں میں شاید ہی کوئی مرثیہ کہا ہوگا یہی نہیں بلکہ موصوف نے لکھنو میں مرثیہ پڑھنا بھی بند کر دیا تھا۔ فریدؔ لکھنوی کے چھوٹے صاحبزادے جناب ڈاکٹر افتخار احمد نے جو آج کل کراچی میں مقیم ہیں اپنی تحریر میں اُس ناخوشگوار واقعہ کا ذکر کیا ہے جو ہماری نظر میں اتنا ناخوشگوار نہ تھا جس کی وجہ سے فریدؔ لکھنوی کی خوشگوار شاعری سے لوگ محروم ہو جائیں بہر حال ایسے موقع پر فریدؔ صاحب کے قریبی دوست نے بھی انھیں یہ سخت مشورہ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر فریدؔ صاحب اپنی مرثیہ گوئی جاری رکھتے تو نہ جانے دبستانِ انیسؔ میں ان کا کیا مقام اور مرثیہ گویوں میں اس کی کیا قدر و منزلت ہوتی۔ واللہ العالم۔

یہ بات بالکل سچ ہے کہ فریدؔ لکھنوی کی حیات، شخصیت، شاعری، فنی استطاعت، فکر اور تخیل پر کام نہیں ہوا۔

ایسے عظیم شاعر اور نامور فنکار پر آج تک کسی نے ڈاکٹریٹ تو ایک طرف تنقیدی، تفسیری اور تجلیلی مقالہ تک نہیں لکھا کیوں کہ ان کا سارا کلام عوام کی دسترس سے باہر رہا۔ ایک مختصر سا دو صفحات پر مشتمل تعارفی نوٹ مرحوم ڈاکٹر فدا حسین صاحب کا ہمیں ملتا ہے اور اس کے علاوہ سید محمد تقی محدث لکھنوی نے 1969ء ایک طولانی مضمون لکھا جن میں ان کے حالاتِ زندگی کے چند گوشے ظاہر ہوتے ہیں اور جس مضمون کو تقریباً بعینہٖ جناب ضمیر اختر نقوی صاحب نے 1995ء میں ''خاندان میر انیس'' میں ضم کیا ہے۔ جناب محمد تقی محدث لکھنوی رشتے میں فریدؔ صاحب کی بیگم کے بھائی تھے۔ محدث صاحب کے مضمون سے کچھ ضروری مطالب پر روشنی ضرور پڑتی ہے لیکن اس میں فریدؔ کی حیات، شاعری، فنی استطاعت اور فکر و تخیل پر مواد نہ ہونے کے برابر ہے اور جو مطالب اس میں ان کے مرثیوں کی بابت دئے گئے ہیں وہ بھی بڑی حد تک صحیح نہیں۔ اس تحریر میں مرثیوں کی تعداد غلط، مرثیوں کے سنہ تصانیف غلط، مرثیوں کے بندوں کی تعداد غلط ہے اور سلام اور رباعیات کے بارے میں کوئی اطلاعات درج نہیں ہے۔ مثال کے طور پر محدث لکھنوی لکھتے ہیں۔ ''فریدؔ صاحب نے جتنے مرثیے لکھے ان میں دو سو بند سے کم کوئی مرثیہ نہیں'' یہ بات غلط ہے۔ فریدؔ صاحب کے صرف چند مرثیے دو سو بندوں پر مشتمل ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں ''اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے'' یہ مرثیہ 60 بندوں کا ہے لیکن درحقیقت اس مرثیے میں 213 بند ہیں۔ بعض مرثیوں کے مطلع جو فہرست میں دئے گئے ہیں ایک ہی مرثیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بہر حال یہ تحریر بعض ایسے گوشوں کو واضح کرتی ہے جو ان کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے کارآمد ہوسکتی ہے۔ فریدؔ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے جناب ڈاکٹر افتخار احمد صاحب کے مضمون سے مرحوم کی شخصیت نجی زندگی اور حیات بڑی حد تک کُھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ وہ ایک نازک مزاج، حساس، باوقار، پُر شکوہ، متمدن اور مہذب شخص تھے جو مال و دولت کے لئے اپنے تہذیبی اور وراثتی اصولوں کو قربان نہیں کرسکتے تھے بلکہ وہ اُن اقدار کے محافظ تھے جو انھوں نے خاندانی وراثت اور لکھنوی تمدن میں پائے تھے۔ وہ جدید کلچر میں رہتے ہوئے بھی اپنے قدیم وضع قطع کو نبھاتے رہے اور اس طرح جدید مرثیوں کے دور میں وہ کلاسیک مرثیوں کی دھن بناتے رہے اور انیسی دبستان میں اپنے مرثیوں کی شمع جلاتے رہے۔

ہم اِس مختصر سی تحریر میں فریدؔ صاحب کے مرثیوں کا اجمالی طور پر تجزیہ کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ

فریدؔ لکھنوی کا شمار میدانِ مرثیہ کے شہسواروں میں کیا جانا چاہئے کیونکہ فریدؔ لشکرِ مرثیہ گویوں میں یکتا و فرید ہیں۔ اُن کے مرثیے کلاسیک مرثیوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں کیونکہ تقریباً ہر مرثیہ میں چہرا، ماجرا، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت اور بین یعنی تمام اجزائے مرثیہ کم و بیش شامل رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان اجزائے مرثیہ میں دبستانِ انیسؔ کا رنگ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

میر انیسؔ کی شاعری اور اس کے مضامین کا کینوس اتنا وسیع ہے کہ اس سے بالکل علیحدہ رہ کر ایک نئی راہ نکالنا بہت مشکل ہے۔ روزِ عاشور کی گرمی کو میر انیسؔ نے اپنے شاہکار مرثیہ ''جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے'' میں آٹھ بند میں بیان کیا ہے۔ فریدؔ لکھنوی نے بھی اپنے مرثیہ ''شوکت عجب ہے بارگہِ مدح شاہؑ کی'' میں گرمی کے بیان کو بھی آٹھ بند میں بیان کیا ہے۔ اگرچہ تمام بند کے اشعار تو مضمون کی طوالت کی خاطر پیش نہیں کیے جاسکتے لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے جدا جدا مضامین پر میر انیسؔ کا کتنا گہرا اثر ہے ہم میر انیسؔ اور فریدؔ لکھنوی کے اشعار کو ایک دوسرے کے مقابل لاتے ہیں تاکہ قاری کے لئے یہ جاننے میں دشواری نہ ہو۔

میر انیسؔ	سلطان فریدؔ
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا	گرمی سے تھا نہ فرق حیات و ممات میں جلتا تھا پانی آگ لگی تھی فرات میں
ع۔ پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ موم خام ع۔ ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار	لُو کے زمین دیتی تھی تپتے تھے دشت و در پتھر دہک رہے تھے تو جلتے تھے کل شجر
ع۔ پانی کنویں میں اترتا تھا سایہ کی چاہ میں	ع۔ دریا اترتا تھا کرۂ آب کے لئے
ع۔ بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں	ع۔ گردش سے بڑھ گئی یہ طپش چرخِ پیر کی خنکی نہ وہ رہی کرۂ زمہریر کی

ع۔انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
ع۔لب کھولے جس حباب نے اٹھنے لگا دھواں

ع۔گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
ع۔جوالہ شعلے کیسے بگولہ نہ تھے بلند

ع۔ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی
ع۔الٹی پڑی تھیں پانی پہ بے جان مچھلیاں

ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

کاٹ کر رخش کو جب سوئے زمیں آتی ہے
یا علیؑ کہتے ہیں طبقے تو یہ رک جاتی ہے

حضرت عونؑ و محمدؑ کی خواہشِ علم پر حضرت زینبؑ کی گفتگو کو انیسؔ نے اِس طرح سے نظم کیا

ع۔انگلی دبا کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ "ہا"

فریدؔ لکھنوی نے دوسرے مضمون میں "ہا" کو اِس طرح باندھا ہے۔

انکڑا کھڑا تھا غول میں لشکر کے حُرملا
انگلی دبا کے دانتوں میں کہتے تھے بعض "ہا"

سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس
پہنی قبائے پاک رسولؐ فلک اساس

محبوبِ حق مہک وہ عمامہ ہے زیب سر
مثلِ کفن ہے چادرِ احمدؐ بھی جسم پر

تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آب دار
یاد آگئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار

دل ہے قوی علیؑ کے تبرک ہیں ساتھ میں
پہلو میں ذوالفقار تو نیزہ بھی ہاتھ میں

اصحابِ امام حسینؑ

ع۔رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے

اصحابِ امام حسینؑ

ع۔ٹپکے کسے قباؤں پہ وہ نیمچۂ طھور

ع۔ باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
ع۔ عمامے باندھے ماتھوں پہ گٹھے رخوں پہ نور
ع۔ سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور
ع۔ سولہ پہر کی پیاس ہے گو خشک ہے گلو
ع۔ فاقوں میں دل بھی چشم بھی اور نیتیں بھی سیر
ع۔ فاقوں میں شاد شاد ہے ہر اک خجستہ خو
ع۔ حوروں کا قول تھا یہ مَلک ہیں بشر نہیں
ع۔ کہتے ہیں یہ مُلک یہ خدا کی سپاہ ہے

نئے نئے مضامین کو نت نئے انداز سے پیش کرتے ہوئے زبان برتنے کا طریقہ کار فرید لکھنوی کو انیسویں صدی کے معروف مرثیہ نگاروں کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب کسی مجلس میں لکھنو کے ایک مرثیہ گو شاعر نے فرید لکھنوی کے کچھ مصرعوں پر اعتراض کیا تو فوراً فرید صاحب نے فرمایا "مرثیہ گوئی ہماری میراث ہے۔ جیسی استخوان بندی ہم کرلینگے غیر نہیں کر سکتے" یہاں فرید لکھنوی نے ہم اور غیر کا لفظ استعمال کر کے یہ بات واضح کردی کہ

واللہ یہ خلیق کی ہے سر بسر زباں

یہ سچ ہے کہ ابتدائی دور میں شفیق استاد یعنی پیارے صاحب رشید جو رشتے میں ماموں بھی تھے فرید کو اسلاف کے مرثیوں کو پڑھنے اور اُن سے زبان برتنے کے طریقوں کو اخذ کرنے کی تاکید کرتے رہے چنانچہ پیارے صاحب رشید کے ہی نقشِ قدم پر چل کر فرید نے مرثیوں میں ساقی نامہ اور بہاریہ موضوعات کے جوہر دکھلائے۔ فرید لکھنوی کے تقریباً ہر مرثیے میں ساقی نامہ کی جھلک موجود ہے بعض مرثیوں میں بڑی تفصیل سے کئی کئی بند اِس طرح نظم کئے گئے ہیں کہ شاید ہی ایسے مضامین کسی دوسرے شاعر نے نظم کیے ہوں۔ کیونکہ پیارے صاحب رشید کا کلام دبستان انیس اور دبستان عشق و تعشق کی آمیزش سے نکھرا تھا اِس لئے فرید کے کلام میں بھی یہ عنصر نظر آتا ہے اگر چہ دبستانِ انیس کا رنگ بہت گہرا ہے۔

پیارے صاحب رشید نے کہا تھا۔

میں بھی ہوں وارثِ طرزِ سخن میر انیس
ہوں تعشق کے سبب مُلکِ مضامیں کا رئیس
مونسِ خلق ہوں میں میری زباں ہے جو سلیس
ایک ہی باغ کے دو پھول ہیں میں اور نفیس

خوب تحقیق میں بچپن سے رہی کد مجھ کو
مستند ہوں کہ ملی عشقؔ کی مسند مجھ کو

فریدؔ لکھنوی کہتے ہیں۔

یہ کہہ کے سب سے کہ ہم ہیں وحیدؔ کے پوتے
ریاضِ نظم میں تخمِ غیور کیوں بوتے
علاوہ اسکے بزرگوں کی آبرو کھوتے
مزہ تو کہنے کا جب تھا کہ ہم بھی کچھ ہوتے

نہ کہنا ہے نہ کہینگے کہ ہم ہیں جانِ وحیدؔ
زبان چاہے تو کہہ دے کہ ہیں زبانِ وحیدؔ

فریدؔ لکھنوی کو وحیدؔ لکھنوی پر بڑا ناز کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہر اک کہے یہ کیفِ کلامِ وحیدؔ ہے ۔۔۔ یکتائے دہر کیوں نہ ہو یہ بھی فریدؔ ہے

فریدؔ لکھنوی کو اپنی زبان دانی اور زبان برتنے پر بڑا ناز تھا اور جدید شاعری میں ان اقدار کو پائمال ہوتے ہوئے دیکھ کر فرماتے ہیں۔

ریاضِ نظم میں اپنا کوئی شفیق نہیں
نہ ہیں وحیدؔ جہاں میں نہ اُنسؔ با تمکیں
نہیں ہے تختِ فصاحت پہ کوئی آج مکیں
کہ ان کی مسندیں الٹی پڑی ہوئی ہیں یوہیں

یہ حال دیکھ کے با آہِ سرد بیٹھی ہے
نہیں ہے کوئی تو آ آ کے گرد بیٹھی ہے

بغیر ان کے ہے الفاظ کی یہ کیفیت
سقیم حال ہوا ہے رہی نہیں صحت

اثر سے ان کے مضامیں کی ہے بری حالت
ہوئے ہیں ست غم وہم سے سلب طاقت
عجب ہے نظم کی قوتِ شریکِ حال نہیں
بلند ہو کے نکل جائیں یہ مجال نہیں

غم و الم میں کسی کے ذرا نہیں تخفیف
ہیں ست لفظ کہ طبع رسا ہوئی ہے خفیف
اس انتشار میں جاتی ہے قوتِ تصنیف
کہ ضعف بڑھ کے گھٹا ہے نہ طاقتِ تالیف
بیان کیا ہو عجب انقلاب دیکھتا ہوں
محاورات کی حالت خراب دیکھتا ہوں

دکھائی دیتا ہے جملوں کا حال بے ترتیب
تو کوسوں بھاگتی ہے لف و نشر سے ترتیب
یہ انقلاب ہوئے ہیں فصیح لفظ غریب
بنا لیا ہے بلاغت نے اپنا حال عجیب
زمینِ نظم پہ اک شورِ آہ و زاری ہے
نشست خاک ہو لفظوں کو بیقراری ہے

اُردو شاعری میں بہار اور ساقی نامہ کے مضامین قدیم روایت شمار کیے جاسکتے ہیں لیکن مرثیہ میں بہار اور ساقی نامہ کے مضامین کو تفصیل اور تجلیل سے نظم کرنا پیارے صاحب رشید کا کارنامہ ہے۔ بعض مرثیوں میں ساقی نامہ کے بند انیسؔ، دبیرؔ، مشیرؔ اور نفیسؔ کے ہاں نظر آتے ہیں لیکن مفصّل طور پر مختلف پیراؤں میں اس کو ایسا ترتیب دینا کہ مرثیہ کا ایک حصّہ اس کی نذر ہو جائے رشید صاحب کی جدّت نگاری تھی چنانچہ خود کہتے ہیں۔

؎ کثرتِ گل سے ہوا بند عنادل کا نفس   انتہا ہو گئی پھولوں کے یہاں کی بس بس

بہاریہ مضامین اور ساقی ناموں پر دبستانِ دبیرؔ کی طرف سے اعتراضات کیئے گئے چنانچہ شادؔ عظیم آبادی نے اس کے اعتراض میں لکھا۔

جب دشتِ ماریہ میں خزاں ہوگئی بہار
مرجھائے پھول گر گئے شاخوں سے برگ و بار
بے آب خشک ہو گیا زہراؑ کا لالہ زار
بچوں میں العطش کی رہی تین دن پکار
باقی نہ جان تھی نہ لہو جسمِ زار میں
کیسی بہار آگ لگا دوں بہار میں

لیکن ان اعتراضات کا اثر چنداں نہ ہوا۔ رشیدؔ صاحب کے بعد شدّت سے دوسرے مرثیہ نگاروں نے ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین کو مرثیہ کے چہروں پر غازہ کی طرح لگانا جاری رکھا۔ اور فریدؔ لکھنوی نے تو ہر مرثیہ میں سننے والے کو شرابِ طھورہ کے نشہ میں مست کر دیا۔ ہماری نظر میں پیارے صاحب رشیدؔ کے بعد فریدؔ لکھنوی وہ شاعر ہیں جنھیں دوسرا مقام دیا جائے۔ فریدؔ لکھنوی نے بہاریہ مضمون میں جنّت کا ذکر تقریباً (80) بندوں میں ایسا کیا ہے کہ اس کی اُردو نظم اور مرثیوں میں مثال محال ہے۔ ہم پہلے ساقی نامہ کے چند بند پھر جنّت کے ذکر کے بندوں کو پیش کرے کے اپنے دعویٰ کو بڑی حد تک ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

پلا دے مئے کہ نظر آئے مجکو نور ہی نور
حواس و ہوش بڑھیں عقل میں نہ آئے فتور
وہ مئے کہ ایک کرشمہ ہے جس کا جلوۂ طور
وہ مئے کہ مہرِ درخشاں ہو جس سے جامِ بلور
کہیں یہ لوگ کہ کیسا یہ انقلاب ہوا
کہ آفتاب سے طالع اک آفتاب ہوا

وہ مئے کہ پیتے ہی دھو جائے فردِ عصیانی
جو بخش دیتی ہے اک آن میں سلیمانی
بھرا ہے جس کی صفت سے کلامِ ربّانی
پلا وہ جس سے نظر آئے نورِ یزدانی
چراغِ خانۂ دل پیتے ہی منوّر ہو
وہ نور ہو کہ سویرائے قلبِ اختر ہو

ہر اک بندۂ مومن ہے جس کا دیوانہ
ہے جس کے نور پہ ایماں کا نور پروانہ
رہا زباں پہ اماموںؑ کی جس کا افسانہ
وہ مئے کہ جس سے نبیؑ نے خدا کو پہچانا
نجات جس کے سبب سے ہے سارے عالم کی
وہ مئے جو باعثِ خلقت ہوئی ہے آدمؑ کی

وہ بات کرتے ہیں جس سے کہ پختہ ہو اسلام
یہ مدّعا نہیں اپنا کہ ہو بخیر انجام
مئے ولائے علیؑ پینا صبح سے تا شام
تو گھونٹ گھونٹ پہ لینا ہمیں خدا کا نام
نہ فکرِ خلد نہ حوروں کی چاہ کرتے ہیں
ہم اس طریق سے یادِ الٰہ کرتے ہیں

اوپر کے پیش کردہ بند شگفتگیٔ گلِ مضموں کی ہے بہارِ سخن سے پیش کئے گئے ہیں۔ اگر پیارے صاحب رشیدؔ کے مراثی

میں ساقی ناموں کو پڑھیں تو مضامین بہت الگ اور جداگانہ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرید لکھنوی کے مضامین میں توارد نہیں بلکہ آمد ہی آمد ہے۔

فرید لکھنوی کا شاہکار مرثیہ "اظہارِ حق عبادت پروردگار ہے" میں فرید صاحب نے بہیئہ اشعار میں ساقی نامہ کو نظم کر کے ایک جدّت کی ہے۔

وہ مے کہ اجتناب ہے جس سے ہمیں حرام
رنگیں ہے جس کے وصف سے اللہ کا کلام
ہر اک رسولؐ کرتا رہا جس کا احترام
تھے اپنے اپنے عہد میں ساقی نبیؐ تمام
پی مصطفٰےؐ نے اتنی کہ سر تاج ہوگئی
نشہ چڑھا تو ایسا کہ معراج ہوگئی

مستی اسی شراب کی روحِ شعور ہے
جاوید زندگی بھی اسی کا سرور ہے
نشہ وہ حق پرست ہر اک چُور چُور ہے
قطرہ ہر ایک جلوہ میں صد رشکِ طور ہے
کرسی و عرش پست ہیں رتبہ کے اوج سے
حق یہ خدا ملا تو ملا اِس کی موج سے

جو ہو محل شناس وہ آٹھوں پہر پیئے
نشہ میں روز و شب رہے شام و سحر پیئے
ہو جائے گی حرام یہ بے وقت اگر پیئے
اس طرح جب حسینؑ کا رکھ کر جگر پیئے

یہ ظرف ہو تو یوں کرے جبر اختیار پر
شبیرؑ پینے والے ہیں خنجر کی دھار پر

اس بادہ کی کشش تھی جو آئے یہاں حسینؑ
جنگل یہ کربلا کا کہاں اور کہاں حسینؑ
میخانہ ساتھ ساتھ وہیں ہے جہاں حسینؑ
یہ سب ہیں مے پرست تو پیرِ مغاں حسینؑ
ساقی کے اک اشارہ پہ جانیں نثار ہیں
مقتل میں بھی یہ پیتے ہیں وہ بادہ خوار ہیں

ہم فرید لکھنوی کے مرثیوں پر ریویو کرتے ہوئے تفصیلی طور پر ساقی نامہ کے شعر اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ اس میدان میں بہت کم شہسوار کامیاب ہوئے ہیں۔

فرید لکھنوی نے ساقی ناموں کی نگارش میں اپنے فن کے مظاہرے کئے ہیں۔ مضامین نت نئے رنگ سے پیش کئے گئے ہیں۔ آپ کا ایک اور مرثیہ ''کھول اے ذہنِ رسا پھر درِ میخانۂ نظم '' میں چہرے کے تیس (30) بند ساقی نامہ پر ہیں۔ مضمون کی طوالت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم صرف چند اشعار پیش کر رہے ہیں تا کہ قاری اپنی استطاعتِ فکری سے ان کے گیرائی اور گہرائی تک پہنچ سکے۔

میکدہ وہ ہو کہ میخوار یہاں کے جھومیں
آستاں جس کا بصد فخر ملائک چومیں
کیفِ مے وہ کہ دو عالم میں ہوں جس کی دھومیں
باغِ فردوس کا اک پھول ہو رنگ و بو میں
بادہ ہو روح فزا نظم کے پیمانہ میں
مہکیں تاحشر رہیں آج سے میخانہ میں

ساقیا جام دے اب جام کہ دل ہے بے تاب
گرم صحبت ہو کُھلے بزم میں میخانے کا باب
ایک سے ایک کھے دیکھ رہے ہیں کیا خواب
بیٹھے بیٹھے نظر آتا ہے نیا عالم آب
ہے یہ زورِ قلم فکر جسے کہتے ہیں
کھینچنا لفظوں سے تصویر اِسے کہتے ہیں

یاں کے میخانے کا دُنیا سے نرالا ہے سماں
جام الفاظ کے ہیں ذہنِ رسا پیرِ مغاں
طرز ہے پینے پلانے کا جداگانہ یہاں
قوتِ سامعہ مے نوش تو ساقی ہے زباں
رنگ اس بزم کا جمتا ہے جگر کے خوں سے
شیشے ہیں نظم کے لبریز مئے مضموں سے

دل جلے بیٹھ گئے دور چلا ساغر کا
نشہ میں آ کے کہا کچھ تو کہا صلِّ علٰے
بڑھ گیا کیف اگر چھا گئی آہوں کی گھٹا
بارش اشکوں کی ہوئی آ گیا پینے کا مزا
یاں کے ساغر جو پیئے غنچۂ دل کھلتا ہے
اِسی میخانہ سے رندوں کو خدا ملتا ہے

چھلکے پیمانے تو کوثر کا سماں دیکھ لیا
بیٹھے بیٹھے یہیں ساقی کا مکاں دیکھ لیا

مے جو طاہر ہے تو ایک ایک کو مشتاق ہے
پیتے ہیں سارے نبیؐ دستِ خدا ساقی ہے

جام ساقی ہے لئے ہیں صُلحا گھیرے ہوئے
چار جانب سے ولی راہنما گھیرے ہوئے
انبیاء اور رُسلِ ربِّ علا گھیرے ہوئے
نورِ باری کو ہیں انوارِ خدا گھیرے ہوئے
بادہ پیمانہ میں یا بادہ میں پیمانہ ہے
قدرتِ حق کی نمائش ہے کہ میخانہ ہے

اس مرثیہ کے چہرہ میں نئے انداز سے تشبیب کی گئی ہے۔شراب سے شراب ملا کر تشبیب کو دو آتشہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

آپ سمجھے بھی کہ یہ میکدۂ غم ہے کہاں
تھامئے دل کہ بتاتا ہوں میں اب نام و نشاں
دکھ بتاتے ہیں کہ یاں کوئی ولی ساقی ہے
پیاس کہتی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ ساقی ہے

ہیں وہ میخوار جو ثابت قدم آفت میں رہے
ساتھ ساقی کے ہر اک درد و مصیبت میں رہے

آنچ میں تیغوں کی اور دھوپ کی شدّت میں رہے
مر مٹے مست مگر بادۂ الفت میں رہے
عشق ساقی کا رہا خوئے اطاعت نہ گئی
گردنیں کٹ گئیں لبیک کی عادت نہ گئی

مرثیہ ''داستانِ غم وہم سب کو سُناتا ہے مجھے'' میں غدیر کی محفل سے ساقی نامہ کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

واں کی وہ بھیڑیں وہ انبوہ وہ اک جمِ غفیر
لطف یہ سب ہیں جواں ایک نہیں طفل نہ پیر
جوق جوق اُن میں نبیؐ اور رسولانِ کبیر
بیچ میں سب کے سند یافتۂ خمِ غدیر
جام بھی دیتے ہیں اعجاز بھی دکھلاتے ہیں
گو بلندی نہیں پر سب کو نظر آتے ہیں

ہاتھ لاکھوں وہ بلند اور وہ چلتے ہوئے جام
لطفِ ساقی سے کناروں تک اُبلتے ہوئے جام
بزم کے رنگ کو ہر لحظہ بدلتے ہوئے جام
بے خودی میں وہ قباؤں پہ اُنڈلتے ہوئے جام
عالمِ وجد میں خاموش نہیں رہتے ہیں
ایک اک گھونٹ پہ سب صلِّ علےٰ کہتے ہیں

ہم بھی ہیں اے مئے کوثر کے پلانے والے
دیکھ پائی ہے یہ بزم اب نہیں جانے والے

اس طرف بیٹھے ہیں سب رونے رلانے والے
سیر کردے کہ نہیں روز کے آنے والے
تیرے فرزند کا دکھ درد سنا جائیں گے
سال بھر بعد جو زندہ رہے پھر آئیں گے

بادہ کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں۔

جس کی ہر بوند ہے پاکیزہ و دُر ریز وہ مے
رنگ جس کا ہے ائمہؑ کا دل آویز وہ مے
نشہ کو جس کے رسولوںؐ نے کہا تیز وہ مے
بادۂ حُبِّ علیؑ جس میں ہے آمیز وہ مے
جب تک اس کی نہ ہو شرکت مے عرفاں نہ بنے
دردِ عصیاں کی دوا درد ہو درماں نہ بنے

جس کی تلچھٹ کو کہیں آبِ بقا وہ بادہ
نشہ جس بادہ کا ہے صبر و رضا وہ بادہ
روح اپنی جسے سمجھے صلحا وہ بادہ
جس کو پیتا تھا نصیری کا خدا وہ بادہ
بڑھ گیا کیفِ محمدؐ کے جو بستر پہ پیا
کعبہ کعبہ ہوا جب دوشِ پیمبرؐ پہ پیا

فریدؔ لکھنوی کا ایک اور مرثیہ "جلوہ گر رخش پہ عباسؑ علمدار ہوئے" میں ساقی نامہ کے مضامین بڑے خوبصورت انداز میں نظم ہوئے ہیں۔ ہم نمونتاً کچھ اشعار پیش کر کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہیں۔

روح بے چین ہے دے بادۂ عرفاں ساقی
چھوٹ سکتا نہیں مستوں سے یہ داماں ساقی
نشہ چڑھ جائے تو ہو درد کا درماں ساقی
جام دے جام ہے پڑھنا مجھے قرآں ساقی
رونقِ بزم ہوں یوں نشہ میں سر دھنتا رہوں
لبِ قدرت سے تری مدح و ثنا سنتا رہوں

پی سکا رنگ سے تیرے نہ کوئی پیغمبرؐ
کہ گیا وقتِ نماز اور نہ چھوٹا ساغر
مے گساری سے تری دونوں جہاں ہیں ششدر
جام لب پر سرِ محبوبؐ خدا زانو پر
جذب نیت میں یہ تجدید عبادت کے لئے
آفتاب آگیا مغرب سے اطاعت کے لئے

ہے وصیِ ختمِ رسلؐ کا تو ہی اے فخرِ سلف
ہاشمی مطلبیؑ مہرِ عرب دُرِّ نجف
تارا اُترا ہے سمجھ کر ترا گھر برجِ شرف
یوں رہا حق بہ طرف ہوگیا حق تیری طرف
تہمتیں رکھتے تھے جو جو انہیں جھٹلانے کو
جامہ قرآن کا پہنایا ہے افسانے کو

فرید لکھنوی نے اپنے شاہکار مرثیہ ''اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے'' میں جنت کا ذکر عجیب انداز میں کُھل کر کیا ہے اور شاید ہی کوئی مرثیہ یا اُردو نظم ایسی ہو جس میں اس تفصیل سے جنت کے حالات اور وہاں کے مناظر کو نظم کیا گیا

ہو۔ بہار یہ مضامین پیارے صاحب رشیدؔ نے اپنے مرثیوں کے چہرے میں جگہ جگہ لکھے اور فرید لکھنوی نے باغ ارم و عدن کو اپنا موضوع بنایا۔ مضمون کی طوالت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم صرف چند مصرعہ نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ہاں اے قلم مرقعِ باغِ جناں دکھا
قرآں میں جس کے وصف ہیں وہ بوستاں دکھا
وہ نقرئی مکاں روشوں کے اِدھر اُدھر
تصویر ایک قصر کی ہے ایک قصر پر
ایسے ثمر عجیب کے حیران ہو عقل
چکھنے میں پھل تو دیکھنے میں خوشنما ہیں پھول
کمھلائیں پھول پتیاں مرجھائیں کیا مجال
شاداب و سبز رہتی ہے ٹوٹی ہوئی بھی ڈال
نیت بہشتوں کی بدلتی ہے ذائقہ
جی چاہا جس ثمر کو اُسی کا مزہ ملا
جھک آئیں اونچی ڈالیاں دیکھا جو شوق سے
پھل خام پختہ ہوتے ہیں گرمیِ ذوق سے
ملتے نہیں عدو کو علیؑ و بتولؑ کے
یہ پھل ثمر ہیں الفتِ آلِ رسولؐ کے
قصرِ زبرجدی وہ طلائی وہ اُن پہ کام
ترشے جواہر اُن پہ لکھے پنجتنؑ کے نام
یوں موجیں مار کے ہے چھلکتی شرابِ ناب
جیسے کہ چاندی اُبلے پگھل کر بہ آب و تاب

اگرچہ اکثر و بیشتر مرثیوں میں فریدؔ لکھنوی کا اندازِ تکلم نرم اور صلح وصفا کا آئینہ ہے اور وہ سخت مرحلوں سے گزرتے ہوئے بھی صابرانہ شان سے گفتگو کرتے ہیں لیکن جب حق گوئی کی منزل میں قدم رکھتے ہیں تو وہ کسی قسم کی رواداری برداشت نہیں کرتے بلکہ حق بات کو صاف اور کھرے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ اُن کا دل عشق محمدؐ اور آلِ محمدؑ سے بھرا ہے وہ فطری شاعر ہونے کے ناطے احساس اور فیلنگ سے سرشار ہیں۔ مصائبِ امامِ مظلوم پر اشکباری ان کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور وہ اس کو آخرت کا توشہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ بھی علامہ اقبالؔ کے شعر کی مصداق اِسی گریہ کے فیض و برکات سے شفاعتِ ختم المرتبت کے امیدوار ہیں۔

رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیِ کوثر مجھے

(اقبالؔ)

فریدؔ لکھنوی رونے کو ایک فطرت کا عمل اور انبیاء اور اوصیاء کی سیرت بتا کر اپنا مدّعا اپنے مرثیے" جلوہ گر رخش پہ عباسِؑ علمدار ہوئے" میں اس طرح سے پیش کرتے ہیں۔

غم کا جذبہ نہ رکے جب تو ہے رونا فطرت
ایسے رونے کو سمجھ سکتا ہے کوئی بدعت
انبیاء روتے ہیں گریہ ہے اُن کی سیرت
دیکھ قرآن میں او جاہل ہے حکمِ قدرت
تو سمجھتا ہے عبث اشکوں سے منہ دھونا ہے
ہنسنا اللہ کو محبوب نہیں رونا ہے

نصرتِ سبطِ نبیؐ رحمتِ داور رونا
انتہا غم کی علاجِ دلِ مضطر رونا
تو یزیدی ہے تو بدعت نہ ہو کیوں کر رونا
ڈر یہ ہے کھولے گا ان ظلموں کے دفتر رونا
دل میں جذبہ نہیں شبیرؑ کی غمخواری کا

ہے تقاضا یہی حاکم کی طرفداری کا

بے کسی بے وطنی میں یہ جفائیں سہنا
اور اُمّت کے بہی خواہ پہ یوں چپ رہنا
حیف شاہؑ اس کی مصیبت ہوا آنسو ہونا
قابلِ شرم ہے بدعت اسے بدعت کہنا
روئے گا ان کی مصیبت پہ جسے الفت ہے
گریۂ خیر الوریٰ اپنے لئے حجت ہے

فرید لکھنوی جس دور میں اپنی مرثیہ نگاری کے نگارستان سجا رہے تھے اور کلاسیک مرثیوں کی زبان دانی کے چراغ جلا رہے تھے تو بعض افراد ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے اور آپ کے کلام پر اعتراضات اور بعض اوقات آپ کے کلام پر شک بھی کرنے لگے چنانچہ کہتے ہیں کہ سلیم پور کے نواب کی فرمائش پر جو شاہکار مرثیہ ’’کھول اے ذہنِ رسا پھر درِ میخانۂ نظم‘‘ تصنیف کیا تو اُس کی علتِ غایت بھی کچھ افواہیں تھیں کہ فرید صاحب اپنے بزرگوں کا کلام پڑھتے ہیں لیکن جب نو تصنیف مرثیے کی دھوم ہوئی اور بعد میں یہ ماجرا فرید لکھنوی کو معلوم ہوا تو انھوں نے پھر نواب صاحب سلیم پور کے پاس مرثیہ پڑھنا ترک کر دیا۔ ایسے ہی افراد نے لکھنو میں اپنے اطراف ایک مشکوک اور مجہول حاشیہ برادر اشخاص کا گروہ بھی بنالیا تھا جو معمولی شعرا کو فرید لکھنوی پر ترجیح دیتے تھے چنانچہ ایک عظیم مرثیہ ’’مملکت نظم کی ہے تابعِ فرماں کس کی‘‘ میں فرید لکھنوی نے ان افراد کی طینت اور ان کی سیاست کی نقاب کشی کی ہے جو دلچسپ اور اُس ماحول کی عکاسی کرتی ہے اِس لئے اُس کے چند بند ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

داغِ لالہ کو بھی دل کا سویدا کہہ دیں
آپ بیمار جو ہو اُس کو مسیحا کہہ دیں
لبِ ساحل کی تری دیکھیں تو دریا کہہ دیں
یہ تو یہ نکتۂ موہوم کو صحرا کہہ دیں
جو سرِ طور ہو اُس شخص کو موسیٰ سمجھیں

برقِ خرمن کو یہی برقِ تجلّی سمجھیں

زرِ گل دیکھیں تو کرلیں اُسے کندن تسلیم
جھلکیں شبنم کے بھی قطرہ تو کہیں دُرِ یتیم
جھونکے لیں تند ہوا کھا کے کہیں ہے یہ نسیم
رنگ پا کے گل میں ہوں جویائے شمیم
قصد ہوں غنچۂ پژمردہ کے مہکانے کے
دعوے ہوں بلبلِ تصویر کے چہکانے کے

ذرّۂ خاک کو یہ مہرِ درخشاں کہہ دیں
مور کو زیب دہِ تختِ سلیمانؑ کہہ دیں
کور باطن کو یہ مستِ مئے عرفاں کہہ دیں
ضد پہ آ جائیں تو انجیل کو قرآں کہہ دیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ نرالی کد ہے
سنگِ موسیٰؑ ہو تو کہہ دیں حجر الاسود ہے

خواہش اس سے یہ نہیں سمجھیں یہ یکتا ہم کو
جن کے مدّاح اُنہیں کا ہے بھروسہ ہم کو
وار دنیا میں کسی کی نہیں پروا ہم کو
فیض سے ان کے ملے مرتبہ اعلیٰ ہم کو
آج مثلِ اب و جد خلق میں نامی ہو جائیں
بگڑی بن جائے اگر اپنے یہ حامی ہو جائیں

کاوشِ اہلِ حسد سے نہیں ہوتا دل تنگ
ان کے منہ لگنا سمجھتا ہوں میں اپنے لئے ننگ
کل سے کچھ آج زیادہ ہے یونہی دل کی امنگ
جوش آ آ کے طبیعت کا ہے بدلا ہوا رنگ
رحمتِ خالق یکتا کا تماشا دیکھیں
اب میری طبع کا چڑھتا ہوا دریا دیکھیں

اس لئے فریدؔ لکھنوی کبھی یہ کہہ کر دل کو تسکین دیتے ہیں۔

فریدؔ دل کو سنبھالو کرو نہ غم بے حد   بہار آئے گی ہوگا جو فضلِ ربِّ صمد
ثنائے شہؐ میں کئے جاؤ دل سے کوشش و کد   جنھوں نے اُن کی مدد کی وہی کریں گے مدد
برا کہے جو کوئی دل نہ ٹوٹنے پائے
نبیؐ کی آل کا دامن نہ چھوٹنے پائے

اور پھر یہ آرزو کرتے ہیں۔

توفیقِ حق تمہیں بھی اثر اپنے یہ دکھائے
راہیں نئی وہ ہوں کہ نہ مضمونِ غیر آئے
وہ مرثیت ہو کوئی مسدّس نہ کہنے پائے
رنگینیاں وہ ہوں کہ حقیقت لپٹتی جائے
یوں امتزاج رنگ قدیم و جدید ہو
دنیا پکار اٹھے کہ بے شک فریدؔ ہو

اٹھارویں صدی کے دکنی مرثیہ گو شاعر سورتی عزلتؔ نے مرثیہ نگاری کے فنّی معیار کو بلند کرنے کے لئے کہا تھا۔

ع۔خام مضموں مرثیہ کہنے سوں چپ رہنا بھلا

سوداؔ نے مرثیہ نگاری کے ذیل یہ تاکید کی تھی کہ نظم کے تمام اصولوں کو پیش نظر رکھ کر مرثیہ کہنا چاہئے اور انشاؔ دورِ قدیم

کی مرثیہ گوئی سے خوش نہ تھے ورنہ وہ کبھی دریائے لطافت میں نہ لکھتے

''بگڑا شاعر مرثیہ گو، بگڑا گویا مرثیہ خواں''

فرید لکھنوی شعرا کے اُس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو مدّاحی کو عقیدتی میزان پر تولتے ہیں چنانچہ اگرچہ خود ایک عظیم مرثیہ کے فنکار ہیں لیکن دوسروں کے نقص پر نکتہ چیں نہیں ہوتے۔ایک اپنے مرثیہ ''شوکت عجب ہے بارگاہِ مدح شاہؑ کی'' میں لکھتے ہیں

شاہوں کے بزم اور وہ دربار اور ہے
بے کس غریب امامؑ کی سرکار اور ہے
واں کے طریق اور ہیں رفتار اور ہے
یاں باریاب ہونے کا معیار اور ہے

اس بارگاہِ مدح کا ہے رہنما خلوص
منزل کی ابتدا ہے خلوص انتہا خلوص
بیڑا جو پار کردے وہ ہے ناخدا خلوص
عالم یہ اور ہے، ہے یہاں کا خدا خلوص

مدّاح جو خلوص سے ہو باریاب ہے
گر یہ نہیں تو اپنے لئے خود حجاب ہے

مدحت ہو جس زبان میں تسلیم ہے یہاں
ہو نظم میں کہ نثر میں تعیم ہے یہاں
ہر مدح خواں کی قدر ہے تکریم ہے یہاں
اجر و ثواب و خیر کی تقسیم ہے یہاں

ڈر نکتہ چیں کا کچھ نہیں رشک و حسد نہیں
وہ ربط و اتحاد ہے باہم کہ حد نہیں

بندش کا حُسن لطفِ فصاحت نہ ہو نہ ہو
اغلاط ہوں کلام میں صحت نہ ہو نہ ہو
عالم کا دل کھینچے وہ طاقت نہ ہو نہ ہو
ممدوح کو پسند ہو شہرت نہ ہو نہ ہو
بے کار ہے یہ فکر کہ دنیا میں نام ہو
عقبیٰ کا کام جان کے عقبیٰ کا کام ہو

کہتی ہے کربلائے معلیٰ کی سر زمیں
ہوں صابروں کی رہ گزر اے بادشاہِ دیں
گزرا ادھر سے جو وہ گیا مضطر و حزیں
تجھ سا کوئی زمانہ میں نقشِ قدم نہیں
اب کس لئے بندھی ہوئی عیسیٰ کی دھاک ہے
قدموں سے تیرے خاکِ شفا میری خاک ہے

کلاسیک مرثیہ کا ایک اہم جزو "جنگ" ہے اور اسی جنگی مضامین کی وجہ سے مرثیہ کا ایپک (epic) سے تقابل بھی کیا جاتا ہے اگر چہ جدید مرثیہ میں آج کل یہ جزو تقریباً بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہے لیکن فرید لکھنوی کا شاید ہی کوئی ایسا مرثیہ ہوگا جس میں تلوار، گھوڑا، میدان جنگ، اور لڑائی کے موضوع پر شعر نہ ہوں۔ یہ بھی فرید لکھنوی کے عمدہ کلام کی دلیل ہے کہ اغلب مضامین جدید ہیں یعنی انیسؔ اور دبیرؔ اور دوسرے عظیم شعرا کے وسیع کینوس کے ہوتے ہوئے نئے مضمون نکالنا فریدؔ صاحب کا کمال تصور کیا جا سکتا ہے۔ اِن مضامین کی ترتیب، ترکیب، زبان بندی اور

بات برتنے کے عمل پر میر انیس کی گہری چھاپ ہے۔

فرید لکھنوی اپنے مرثیہ ''شگفتگی گلِ مضموں کی ہے بہارِ سخن'' میں تقریباً (25) بند میں تلوار پر اشعار نظم کیے ہیں۔ کچھ اشعار ذوالفقارِ حیدری پر دیکھیں۔

جب آئی تیغ لعینوں کی قسمتیں پھوٹیں
اجاڑ کر گئی جانوں کی بستیاں لوٹیں
نہالِ عمر کو اک دم میں کاٹ کر آئی
زمیں کو لاشوں سے اعدا کے پاٹ کر آئی

علیؑ کے ہاتھ میں اس نے یہ مرتبہ پایا
احد کی جنگ سے ''لا سیف'' شان میں آیا
نہ اس سے پہلے جہاں میں یہ نام دار ہوئی
علیؑ کے ہاتھ میں آئی تو ذوالفقار ہوئی

زمیں سے عرش پہ اتری ہے سب پہ ہے یہ جلی
اسی کا نام ہے قہرِ خدائے لم یزلی
حسینؑ اسکے ہیں جوہر شناس یا تھے علیؑ
یہی وہ تیغ ہے جو راہِ مستقیم چلی
زمین لاشوں سے اہلِ جفا کے پاٹی ہے
تمام عمر جہادوں میں اس نے کاٹی ہے

عدو کے دیں کے لئے قہرِ کردگار ہے یہ

خدا کے گھر سے جو آئی وہ ذوالفقار ہے یہ

مبصروں کو صدا دی یہ حُسنِ صنعت نے
لکھا ہے آیۂ لا سیف دستِ قدرت نے

اِن شعروں پر میرانیسؔ کے رنگ کی گہری چھاپ صاف ظاہر ہے۔ اگر ان بندوں کو میرانیسؔ کے مرثیوں میں ضم کیا جائے تو مشکل ہی سے یہ پتہ چلے گا کہ کہ یہ الحاقی بند ہیں اور یہ کسی اور کا کلام ہے۔

کبھی یہاں تھی تڑپ کر کبھی وہاں پہنچی
زمیں پہ گر کے اٹھی سوئے آسماں پہنچی
جہاں چھپے تھے وہیں تیغ جاں ستاں پہنچی
بچھیں صفیں کی صفیں یہ جہاں جہاں پہنچی
کہیں یہ شور اٹھا یہ کہ اس پرے پہ گری
پکارے میمنہ والے وہ میسرہ پہ گری

بڑھ آئی فوج کی بدلی اگر گھٹا آئی
دمک جو تیغوں کی دیکھی تو اور جھلّائی
گھٹا پہ ڈھالوں کی تنہائی ہر طرف چھائی
بَرس بَرس کے ہر اک سمت آگ برسائی
عجب ہر ایک کو ہے اس شرر فشانی سے
خدا کی شان نکلتی ہے آگ پانی سے

خبر کسی کو نہیں قہرِ کردگار ہے یہ

ضرور حیدرِ صفدر کی ذوالفقار ہے یہ

خوں سے رنگیں جو ہوئی تیغ پری بن کے چلی
دم میں لاکھوں کے گلے کٹ گئے جب تن کے چلی
پرزہ کرتے ہوئے گہ بکتر و جوشن کے چلی
کرکے اسوار کو دو زین پہ توسن کے چلی
کاٹ کر رخش کو جب سوئے زمیں آتی ہے
یا علیؑ کہتے ہیں طبقے تو یہ رک جاتی ہے

تلوار کے ساتھ ساتھ گھوڑے کی تعریف بھی فرید لکھنوی کے فن کا مظاہرہ ہے۔گھوڑے کی تعریف میں نئے نئے مضامین خوبصورت تشبیہات اور استعارات کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

رخش کے ٹھاٹھ وہ ہیں شیرِ نیستاں کہیے
دیکھ کر اوڑتے ہوئے تختِ سلیماں کہیے
کم سے کم برقِ مجسّم دمِ جولاں کہیے
ذہن تھک جائے اگر قدرتِ یزداں کہیے
نظریں شوقینوں کی اٹھتی ہیں جدھر پھرتا ہے
چشمۂ نور ابلتا ہے کہ کف گرتا ہے

حُسن انکھڑیوں کا یا کششِ دل کا راز ہے
سینہ کشادہ ہے کہ درِ فتح باز ہے
ہے سازگار دینِ مبین کو وہ ساز ہے
ہیں پشت پر حسینؑ سے صابر یہ ناز ہے

صدقے سبک روی پہ ہیں جھوکے نسیم کے
اس کے قدم ہیں میل رہِ مستقیم کے

رہنما خُلد کا تھا گھوڑوں کا ہر نقشِ قدم — جوں جوں بڑھتے تھے قریب آ ہی جاتا تھا اِرم
تہنیت دینے کو خوشبوئے بہشت آتی تھی — باغِ فردوس میں ٹاپوں کی صدا جاتی تھی
پیاری وہ تھوتھنیاں پھول تھے دو کھلتے ہوئے — ہر طرارہ میں وہ سینے سے قدم ملتے ہوئے
ذہن تک ان سے نہ ہنگامِ روانی نکلے — ٹاپ اگر ماریں زمیں شق ہو اور پانی نکلے

اغلب مرثیوں میں تلوار اور گھوڑے کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن فرید لکھنوی نے اپنے مرثیہ ''شگفتگی گل مضموں کی ہے بہارِ سخن'' میں ان دونوں کا ملاپ اور سوار کی تاثیر سے اس کاسہ بعدی اثر بڑے ہی دلکش انداز میں کیا ہے جو ایک جدّت کے ساتھ ساتھ فنکارانہ مہارت کی دلیل ہے۔

فرس بھی شہؑ کا کسی طرح تیغ سے نہیں کم
وہ چل رہی ہے اِسکے بھی کب رُکے ہیں قدم
بنی ہے افعی خونخوار وہ تو یہ ضیغم
وفورِ غیظ میں دونوں کا ایک ہے عالم
بسانِ برق چمکتی ہے وہ یہ کوندتا ہے
صفیں بچھاتی ہے وہ اور انھیں یہ روندتا ہے

نہ کچھ اسے ہے تفوق نہ اس کو ہے تفضیل
وہ ماہ رو یہ پری وش جمیل وہ یہ شکیل
وہ فرد اور یہ یکتا نجیب وہ یہ اصیل
حسینؑ پاس ہیں دونوں بڑی تو یہ ہے دلیل

براق و برق کو ہے رشک وہ روانی ہے
نہ اس کا مثل ہے کوئی نہ اس کا ثانی ہے

اگر وہ فردِ جہاں ہے تو یہ بھی ہے یکتا
وہ موجِ بادِ صبا ہے ہوا کا یہ جھونکا
ثنا کے وقت نہ کیوں ہو زباں پہ صلِ علیٰ
نبیؐ کی تیغ وہ ہے یہ علیؑ کا ہے گھوڑا
بلند رتبہ ہیں اور باتمیز ہیں دونوں
جب ہی تو شاہؑ کو دل سے عزیز ہیں دونوں

ہلاک اس نے کیے ہیں اگر ہزاروں یل
تو اِس نے پاؤں سے پسپا کیے قوی ہیکل
اگر ہے قوتِ بازو کے شہؑ پہ اس کو تَل
امام کو لئے پھرتا ہے یہ بوقتِ جدل
کبھی جو اس نے کہا قہرِ کردگار ہوں میں
یہ بول اٹھا اسدِ حق کا راہوار ہوں میں

رہے ہمیشہ علیؑ و حسنؑ کی خدمت میں
ملے ہیں دونوں کے دونوں انھیں وراثت میں

فرید لکھنوی کے مراثی کے مخطوطات کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ اپنے کہے ہوئے مرثیوں پر نظر ثانی کرتے تھے اور بعض الفاظ یا مصرعوں یا بندوں کو بدل دیتے تھے جس سے مرثیہ میں مضمون کی جلا ہو جاتی تھی

چونکہ فرید لکھنوی کے مراثی تین یا چار بحروں میں کہے گئے ہیں اِس لئے موصوف کو یہ سہولت بھی حاصل رہی کہ حسبِ ضرورت بعض چہرے کے بند جیسے جنت کا تذکرہ یا بہاریہ مضامین یا ساقی نامہ کو دوسرے مرثیوں میں پیوند کر کے مآلِ مجلس حاصل کریں۔ اِس کا ثبوت خود موصوف کے مختلف مرثیوں میں بندوں کی تکرار ہے جس کو راقم نے علیحدہ کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر فرید لکھنوی کے مرثیوں کے بستے میں ایک مرثیہ "تہلکہ حملۂ عباسؑ علی سے تھا پیا" کے سرورق پر فرید لکھنوی لکھتے ہیں۔ "یہ مرثیہ درمیان سے کہا گیا ہے اول اور آخر مرثیہ کے بند نظم کرنا ہے۔ یہ چوتھا مرثیہ حضرت عباسؑ کا ہے"۔ لیکن افسوس کہ فرید صاحب اس کو مکمل نہ کر سکے بلکہ اِس میں کچھ بند پیوند کر کے دوسرے مقامات پر صرف پڑھ سکے۔ یہاں یہ تذکرہ بھی بے جا نہیں کہ پیوندی مرثیوں کا رواج لکھنو اور دہلی کے مرثیہ گویوں میں قدیم ہے۔ راقم نے فرید لکھنوی کے مرثیوں کو ان کے انتقال کے تقریباً چالیس سال برس بعد تدوین اور ترتیب دینے کی سعادت حاصل کی اِس لئے ان پیوندی بندوں کو ان مرثیوں سے جدا کرنا اور اصلی مرثیہ میں اس کی جگہ تعین کرنا دشوار کام تھا اور جو تائیدِ الٰہی اور فضلِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے طفیل سے بہ طریقہ احسن انجام دیا گیا۔ اگرچہ ہم نے نفسِ مضمون کو مجروح ہونے سے بچانے کے لئے بعض مقامات پر بعض بندوں کی تکرار کو برقرار رکھا ہے جو بہت کم ہیں۔ محاسنِ زبان، علمِ بیان اور علمِ بدیع شعر و شاعری کے زیور تسلیم کئے جاتے ہیں۔ روزمرّہ محاورات زبان دانی کے جواہر ہیں جو فرید لکھنوی نے اپنے اب وجد سے حاصل کیا۔ فصاحت اور بلاغت فرید لکھنوی کے یہاں متعدال حالت میں ملتی ہے۔ آپکے اشعار سادہ صاف سلیس اور شستہ الفاظ سے بنے ہوتے ہیں۔ کوئی صنعت برائے صنعت یا برائے کسبِ شانِ استادگری نہیں بلکہ خود بخود قدرتی چشمے کی طرف لاشعوری طور پر شعر سے پھوٹ پڑتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی کہتے ہیں اچھے شعر کی شناخت یہ بھی ہے کہ اس کی نثر نہ ہو سکے یعنی اصلی شعر سے کچھ زیادہ فرق باقی نہ رہے یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اشعار میں الفاظ عام بات چیت کی طرح جمے ہوں یعنی گفتگو روزمرہ اور محاورات میں جاری رہے۔ فرید لکھنوی کے اشعار بیشتر روزمرہ میں سلیس لفظوں سے نظم کئے گئے ہیں۔ ذیل کے اشعار روزمرّہ اور محاوروں کی مثالیں ہیں۔

روزمرہ — ع۔ اللہ میری بات بُری تھی کیا اس قدر

روزمرہ — ع۔ شاہِ دیں خیمہ سے گھبرا کے نکل آئے ہیں

روزمرہ + محاورہ　　ع۔ غم سے پانی ہوا جاتا ہے کلیجہ میرا

روزمرہ 150　　ع۔ یا حسینؑ ابنِ علیؑ کہہ کے کبھی جھومتا تھا

+ محاورہ

محاورہ　　ع۔ شہ رگ کے ساتھ کٹتا ہے رستہ بہشت کا

محاورہ　　ع۔ زہرے پانی تھے تو کچھ منہ سے نہ کہہ سکتے تھے

ع۔ دم بدم خیمہ کے پردہ کی طرف تکتے تھے

محاورہ　　ع۔ بوٹیاں کاٹتا شمرِ ستم ایجاد رہے

راقم نے میر انیسؔ کے مرثیہ "جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے" کا مکمل تجزیہ کیا اور اس میں یہ بھی ثابت کیا کہ عموماً میر انیسؔ کے تمام مرثیوں میں عربی فارسی اور اُردو کے الفاظ کی تعداد تقریباً یکساں یعنی ۲۰ فیصد عربی ۲۰ فیصد فارسی ۶۰ فیصد اُردو ہندی الفاظ کی ہوتی ہے۔ یعنی خارجی الفاظ اُردو الفاظ سے کم ہوتے ہیں اور اِسی طرح تراکیب بھی کم اور حسبِ ضرورت نظر آتی ہے۔ کیونکہ فریدؔ لکھنوی دبستانِ انیسؔ کے دانش آموز ہے اور پروردۂ خانوادۂ انیسؔ ہیں اس لئے ان کی زبان بھی اسی طرح کی صاف ستھری اور شگفتہ لفظوں میں ڈھلی ہے۔ بعض ہندی الفاظ اس خوبصورتی سے مصرعوں میں جڑے ہیں جیسے کسی زیور میں قیمتی نگینے جس سے شعر کا رس زبان پر میٹھا اور ذہن کے لئے خوش ذائقہ اور ذہن کے لئے مسرت بخش بن جاتا ہے۔

علمِ بیان کے تشبیہات، استعارات، مجاز مرسل اور کنیات کی روشنی ہر صفحہ مرثیہ پر اچھی خاصی موجود ہے۔ تشبیہات زود فہم، سلیس اور شگفتہ ہیں۔ فریدؔ صاحب تشبیہات کو صنعت کے طور پر لا کر مصرعہ کو بوجھل نہیں کرتے بلکہ حسبِ ضرورت نفسِ مضمون کو چمکانے کے لئے بطور صیقل استعمال کرتے ہیں۔ اُردو اور فارسی ادب میں تشبیہات کی چالیس سے زیادہ قسمیں ہیں اگر ان مرثیوں کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تشبیہات کی اغلب معروف قسمیں مرثیوں میں نمایاں ہیں۔

تشبیہات :

ع۔ یال گردن پہ ہے یا ابر دھنک پر ہے عیاں

ع۔ مثلِ مدقوق تھے سوکھے ہوئے اشجارِ چمن

ع۔ بھائی کے بھائی ہیں اور حملوں میں مثلِ ضیغم

ع۔ یوں مطمئن ہوں جیسے سلیماں بساط پر

صنعت تکرار :

ع۔ شیرِ خدا کے شیر کے ساتھی بھی شیر ہیں

صنعت تنسیق الصفات:

ع۔ کرسی و عرش و لوح و قلم سب ہیں مدح خواں

غلماں و حور خلد و حرم سب ہیں مدح خواں

استعارات :

ع۔ اسدِ بیشہ حیدرؑ کو بھی ہے غیظِ کمال

ع۔ شان نعروں کی یہ کہتی ہو کہ شیر آتا ہے

ع۔ میرے مرقد کے چراغ آنکھوں کے تارے آؤ

استعارات شعر کی جان اور شاعر کی پہچان ہوتے ہیں یعنی یہ فنکاری کا ایک اعلیٰ معیار ہے۔ استعارہ استعمال کرنا کمال نہیں بلکہ مصرعہ میں استعارہ سے کمال پیدا کرنا کمال ہے۔ استعارہ بھی وہ مقتل ہے جہاں کمزور شاعروں کے خودکشی کردہ لاشے نظر آتے ہیں۔ لیکن باکمال شاعر اس سے مصرعہ کو آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ فرید لکھنوی کے جد میر انیسؔ نے ذیل کے مثالوں میں پہلے مصرعہ میں اٹھارہ (۱۸) بنی ہاشم اور دوسرے میں حضرت علی اکبرؑ کے لئے جو استعارے استعمال کئے ہیں ہمارے دعوی کے ثبوت میں ہیں۔

اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پر تھا (آفتابوں سے مراد بنی ہاشم ہیں)

بلبل مہک رہا تھا ریاضِ رسولؐ میں (بلبل سے مراد حضرت علی اکبرؑ ہیں)

بات جب تشبیہات، استعارات، مجاز مرسل اور کنیات میں کی جائے تو اس میں رنگینی کے علاوہ مہک اور تاثیر پیدا ہوتی ہے اور یہ کیفیت گھنٹوں یا دنوں نہیں بلکہ بعض اوقات سالوں ذہن پر طاری رہتی ہے اس لئے بعض اشعار

زبان زدہ عام اور عمر بھر یاد رہتے ہیں۔ میر انیسؔ فرماتے ہیں۔

ے یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے   چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

مضمون کی طوالت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم علمِ بدیع کی صنائع معنوی اور صنائع لفظی سے کنارہ کشی کرتے ہوئے صرف اجمالاً یہی بتانا چاہتے ہیں کہ فریدؔ کے کلام میں ان صنعتوں کی بھی اچھی مقدار موجود ہے۔

صنعتِ مبالغہ :

ع۔ دریا جو موجزن تھا وہ اک بار جم گیا

ع۔دھوپ سے عارضِ رُخ پر جو عرق آتا تھا

ع۔تھی چھری مرغِ چمن کے لئے شاخِ شمشاد

جو کہ اڑتے ہوئے بالائے ہوا آتے تھے

بھن کے سیخوں سے شعاعوں سے وہ گر جاتے تھے

ع۔فرتِ حدت سے دھواں بن کے وہ اڑ جاتا تھا

ع۔دستِ موسیٰ میں سرِ طور ہے یا شمعِ حرم

تمثیل :

رونا بے کار ہے کہہ کر ''پدرم سلطاں بود''

صنعت حسن تعلیل :

ع۔منہ چھپائے ہوئے تھیں دامنِ گُل میں کلیاں

ع۔غنچہ غنچہ طلبِ آب میں کھولے تھا زباں

ع۔منہ سے باہر نکل آتی تھی زبانِ توسن

ع۔آبلہ ڈالے جو طاؤس کے نکلے آنسو

شاعر مر جاتا ہے لیکن اُس کی حقیقی اولاد یعنی اس کے تخلیق شدہ اشعار زندہ رہتے ہیں۔ شعر زبانوں کا سفر کرتا ہوا سینہ بہ سینہ نسلوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور اگر وہ مداحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں ہو تو اس کی حفاظت خود خداوندے کریم کے فیض

سے قیامت تک ہو جاتی ہے۔ یہ بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی دین ہے کہ آج شہنشاہوں کی تخت نشینی یا جلوس کی تاریخیں معلوم نہیں اگر موجود ہیں بھی تو تاریخ کے قبرستان میں کتابوں میں دبی پڑی ہیں لیکن آج اغلب افراد یہ جانتے ہیں کہ فلاں عظیم شاعر نے فلاں شاہکار مرثیہ کہاں اور کب پڑھا تھا۔

مرثیوں کے مخطوطات کے سرورق کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فریدؔ لکھنوی ایک خاص نظام الاوقات کے تحت مرثیے پڑھتے تھے اور اس کی یادداشت پہلے ہی سے بنا لیتے تھے اور جیسا کہ دوسری تحریروں سے ظاہر ہے وہ مرثیہ پڑھنے کی مشق بھی آئینہ کے سامنے بیٹھ کر کرتے۔ بہر حال کہتے ہیں کہ مرثیہ کی پڑھت میں عروجؔ سے کوئی عروج حاصل نہ کر سکا۔ سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ مرثیہ پڑھتے وقت فریدؔ صاحب کے چہرے کے حرکات اور تاثرات عجیب تھے۔ چنانچہ ان کے پوتے ڈاکٹر حسن اختر نے کہا کہ "میں نے کسی اور کو اس طرح سے مرثیہ پڑھتے نہیں دیکھا"۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے فریدؔ لکھنوی کے پورے کلام کی مقدار ہمیں معلوم نہیں۔ جناب نقی محدث لکھنوی صاحب نے جن مرثیوں کے مطلعوں کا ذکر کیا ہے وہ ہمیں ان کے مرثیوں میں کامل طور پر حاصل نہیں ہوئے۔ مراثی کے ذخیروں کی تلاش میں کچھ نہ ملا۔ میرے ذاتی کتب خانے میں چودہ سو قلمی مرثیہ کے مخطوطات موجود ہے جن میں ایک مرثیہ "شگفتگیِ گلِ مضموں کی ہے بہارِ سخن" نکل سکا۔ ہماری قیاس آرائی یہ ہے کہ کم از کم تیس چالیس فیصد فریدؔ لکھنوی کا کلام ضائع ہو گیا۔ اس قلیل مدت میں اس قدر کلام کا ضائع ہونا ایک المیہ ہے لیکن ہمیں خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ کم از کم باقی ماندہ کلام محفوظ ہو گیا اور منظر عام پر آ گیا۔ جس کی وجہ سے فریدؔ لکھنوی کی شاعری کا مقام تعین ہو سکے گا اور اِس معجز بیاں شاعر کی شاعری سے رہتی دنیا تک لوگ مستفید ہوتے رہینگے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ فریدؔ لکھنوی عموماً اپنے سلاموں اور مرثیوں میں اپنے تخلّص کو نظم کرنے پر زور نہیں دیتے تھے چنانچہ اس وجہ سے ان کا کلام شاید دوسرے دبستانِ انیسؔ یا اسلافِ انیسؔ کے شعرا میں شامل ہو گیا ہو۔ واللہ العالم۔

فریدؔ لکھنوی اپنے اشعار میں عربی الفاظ اور فقرے ایسے جما دیتے ہیں کہ ان کی غیر مانوس حالت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ع۔ یہ وجد ہو کہ زبانوں سے مرحبا نکلے　　　بڑھے سرور تو روحی لک الفدا نکلے

ع۔وہ جو اپنے کو قتیل العمرہ کہتا ہے
ع۔جس کو مذبوحِ قفا کہتا ہے سارا عالم
ع۔بچہ ناقہ صالح سے تھا جو عمر میں کام

یہی نہیں بلکہ فرید لکھنوی ہندی قافیے بڑی خوبی سے استعمال کرتے تھے

گہ ہوا بند کبھی چلتے تھے ایسے اندھڑ
ہوتے تھے بچوں کے تھم سے کلیجے دھڑدھڑ
ناقہ بڑھتے ہوئے ڈرتے تھے وہ رستے سبڑ
محملیں لیتی تھیں جھونکے وہ ہوا کے جھکڑ

سن کے یہ ٹھاٹھ بدلنے لگے لشکر کے پھکیت
تن گئے سامنے برچھوں کو ہلا کر بربیت
ہنہنائے فرسِ ابلغ و مشکی و کمیت
جوڑ کے تیر صفیں بڑھ گئیں بولے کڑکیت
ابر ڈھالوں کا اٹھا گرز گراں تلنے لگے
پہلواں ڈٹ گئے رایات سیہ کھلنے لگے

فرید لکھنوی نے اپنے ایک معروف مرثیے میں ''اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے'' اظہارِ حق کو پچیس سے زیادہ بار استعمال کیا ہے اوراس ترکیب سے نئے نئے مضامین تراشے ہیں۔ہم کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔

اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے ۔۔۔ دیں کی بناء اِسی کے سبب استوار ہے
دیکھیں نہ ہے قصور یہ اپنی نگاہ کا ۔۔۔ اظہارِ حق ہے نام کسی جلوہ گاہ کا
تبدیل ان کے واسطے نظم و نسق کیا ۔۔۔ پلٹا جو مہر آپ نے اظہارِ حق کیا
پھیلا وہ نور برق جو ضو بار ہو گئی ۔۔۔ اظہارِ حق کی شکل نمودار ہو گئی

اسماء سُنانے پایا جو فیض اُس کی ذات سے — اظہار حق کا ہونے لگا بات بات سے
اظہارِ حق کے نام بہت ہیں اسی طرح — قدرت یہ اس کی جلوہ نما ہے سبھی طرح
اظہارِ حق کی راہ میں ہیں منزلیں کڑی — رہبر ہے کون جس پہ مصیبت نہیں پڑی
اظہارِ حق کا جلوہ زمین اور آسماں — رنگین اس نے کی ہے زلیخا کی داستاں
اظہارِ حق ہے اُس کی رضا مندیوں کا راز — خود بے نیاز دوست کا دشمن کا کارساز
لے کی کسی نے صلح سے اظہارِ حق کی راہ — خُلقِ حَسن رہا وہ کہ اب تک ہے واہ واہ
اظہارِ حق ہو یوں حق و باطل سے جنگ ہو — خونِ نبیؐ کا گھوڑوں کے نعلوں پہ رنگ ہو
عیسیٰؑ تھے دیکھ دیکھ کے حیراں بہ اشک و آہ — کٹوایا حلق چھوڑی نہ اظہارِ حق کی راہ
سمجھا یہ بندگی کو شہِؑ مشرقین نے — اظہارِ حق کیا تہِ خنجر حسینؑ نے
یہ تھے محل شناس شریعت کے ذمہ دار — اظہارِ حق کے وقت کا کرتے تھے انتظار
اظہارِ حق کے واسطے چھوڑا خدا کا گھر — کی حُرمتِ حرم کہ لعیں کاٹ لیتے سر
ساتھی بھی میرے وہ ہیں کہ اسلام جن سے ہے — اظہارِ حق کی رونق و تکمیل اُن سے ہے
کہتا ہے دل کہ آبرو اب تیرے ہاتھ ہے — اظہارِ حق کی راہ میں بچّوں کا ساتھ ہے
ہے کام ظالموں کو تشدّد سے جبر سے — اظہارِ حق یہ کر رہے ہیں حلم و صبر سے
اظہارِ حق کی راہ نہ چھوٹے گلا کٹے — محبوب کے کلام ہی سے راستہ کٹے

اس تحریر کے آخر میں ہم چند ایسے اشعار پیش کرنا چاہتے ہیں جو اس خزانہ کے بیش بہا جواہرات تصوّر کیے جاتے ہیں۔
اگرچہ ایسے اشعار کی تعداد زیادہ ہے لیکن نمونہ کے طور پر یہ چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔

میں کیا کہوں مرے ساقی کو لوگ کیا سمجھیں
امامؑ و ہادی و مختارِ دوسرا سمجھے
جو سمجھے بعدِ خدا و نبیؐ بجا سمجھے
مزا تو یہ ہے جو بہکے بھی تو خدا سمجھے
اب اور کوئی فضیلت علیؑ کی باقی ہے

نصیریوں کا خدا ہے ہمارا ساقی ہے

ننھی سی لاش کیا کہوں کس طرح گڑ گئی
بنیادِ خلد امامؑ کے ہاتھوں سے پڑ گئی

منزلِ کرب و بلا تھا ہر قدم سجادؑ کا
شام تک جانے میں کتنی کربلائیں ہو گئیں

وہ جو احمدؐ کا تھا حلالِ مہماتِ جہاد
جس کی جاں بازی و ہمت پہ پیمبرؐ کا ہے صاد

سمجھا یہ بندگی کو شہِ مشرقین نے
اظہارِ حق کیا تہِ خنجر حسینؑ نے

دیں دار گھر میں بیٹھ نہ سکتے تھے چین سے
فریاد کر رہی تھی شریعت حسینؑ سے

ہو ضرب نام سبطِ رسالتؐ پناہ کی
بڑھ جائے قدر سکۂ دینِ الٰہ کی

اسلام کلمہ گو ہے شہِ مشرقین کا
صابر سمجھ کے تھاما ہے دامن حسینؑ کا

جھنڈا اسلام کا اُس اوج پہ لہرائے گا
کہ ہر ایک گوشۂ دنیا سے نظر آئے گا

فرقِ بریدہ نوکِ سناں پر جو چڑھتا ہے
توفیق کام کرتی ہے قرآن پڑھتا ہے

ایماں کے جوش میں ہو کچھ اس شان سے جہاد
ذرے پکار اٹھیں کہ اسلام زندہ باد

ہو کر شہید ظلم بڑا کام کر گئے
اسلام کو حسینؑ ہی اسلام کر گئے

کھنچ گئیں تیغیں ہزاروں ہوئے اعدا حائل
سامنے شیر کے تھا لوہے کا دریا حائل

اس ظلم اس جفا پہ صبر و ثبات ہے
کونین میں حسینؑ کی ذات ایک ذات ہے

کرکے جہاد لشکرِ خانہ خراب سے
کوثر کی لہریں دیکھنا تیغوں کی آب سے

خم صورتِ کماں جو تھے وہ جاں نثار پیر
یہ ولولے یہ جوش کہ سیدھے ہیں شکلِ تیر

تلوار کے بارے میں شعر ملاحظہ ہوں۔

جنوں کو مار کے بیرالعلم کو پاٹ گئی
رواروی میں پر جبریلؑ کاٹ گئی

اماں اماں تھی وہاں پہ جہاں جہاں پہنچی
جہاں جہاں تھی اماں یہ وہاں وہاں پہنچی

ساقی نامہ کے کچھ شعر

ساقی تجھے پسند خدا ہی کا گھر ہوا — کعبہ میں در ہوا کبھی مسجد میں در ہوا

اٹھوں لحد سے تیرے قدم چومتا ہوا — گزروں پلِ صراط سے میں جھومتا ہوا

عشق ساقی کا رہا خوئے اطاعت نہ گئی — گردنیں کٹ گئیں لبیک کی عادت نہ گئی

سبھی نے پی ہے کسی سے نہیں یہ چھوٹی ہے — نہ کیوں پیوں کہ یہ پیغمبروںؑ کی جھوٹی ہے

یوں چلا کلک چلے جیسے کوئی مئے پی کر — دی صریروں نے صدا کُھل گیا میخانہ کا در

مئے وہ عمارؓ نے مختارؒ نے بوذرؓ نے جو پی — مومنِ پاک ہوئے مالکِ اشترؒ نے جو پی

اوصیا سے نہ چھٹی جملہ پیمبرؐ نے جو پی — ساقیا کعبہ میں خود رحمتِ داور نے جو پی

کچھ معجز بیاں مصرعہ ملاحظہ ہو

ع۔باغِ جناں میں آکے جوانی نہ جائے گی

ع۔سچّا اگر ہے عشق تو لذت ہے درد میں

ع۔ کونین میں حسینؑ کی ذات ایک ذات ہے

ع۔پھولی رگیں گلے کی نظر آئی قتل گاہ

ع۔معشوق ہی سے باتیں ہیں روزہ ہو یا نماز

ع۔شہ رگ کے ساتھ کٹتا ہے رستہ بہشت کا

ع۔اس پیاس میں ہر ایک قدم اک جہاد ہے

ع۔غازی بنو پسینہ سے آئے گی بوئے خُلد

ع۔گردنیں کٹ گئیں لبیک کی عادت نہ گئی

ع۔کل تھی ثواب آج خموشی گناہ ہے

ع۔دیں کے تکمیل کے پیمانے غدیری خم تھے

آج عباسؑ کو ڈر ہے قدر اندازوں کا بے بسی وہ ہے کہ دل ٹکڑے ہو جاں بازوں کا

میرے مدفن کی بھی جھوٹی نہ قسم کھائیں گے مرمٹوں جب بھی میرے غصہ سے تھرآئیں گے

گلدستۂ مراثی اور گلہائی سلام و رباعیات گلشنِ ایجاد میں اپنے رنگ اور بو کو قارئین کے ذوقِ نظر اور لطف مشام کے لئے پیش ہو رہیں ہیں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

احقر الکونین بندۂ شاہِ نجف
ڈاکٹر سید تقی عابدی
۱۰ مئی ۲۰۰۳ء
ٹورانٹو۔کینیڈا

قطعۂ تاریخ

''اظہارِ حق''

دل کی شب برات ہے آنکھوں کی عید ہے — یہ جو کتابِ نو کی تقیؔ کی نوید ہے
یہ ڈول مرثیہ پہ تقیؔ کا مزید ہے — ایسے معاملات میں فردِ وحیدؔ ہے

15+61+21+519+7+755+40+5=1424

1424 ھجری

یہ بات کچھ شنید نہیں چشم دید ہے — اظہارِ حق کا جذبہ تقیؔ کی شدید ہے
دے دینا اس کتاب کو اظہارِ حق کا نام — تصدیق میرے دعوے کی گویا مزید ہے
ہاتھ آئے کوئی نسخۂ نایاب اور پھر — رہ جائے بن چھپے یہ تقیؔ سے بعید ہے
احسان ہے ادب پہ تقیؔ عابدی کا یہ — ''اظہارِ حق'' کلامِ جنابِ فریدؔ ہے
ہر چند مرثیوں کو کہے گزری اک صدی — اظہارِ حق طباعتِ عصرِ جدید ہے
پوتے نے حق ادا کیا دادا کی ارث کا — گو یہ روش زمانہ میں اب کم پدید ہے
سچ ہے یہ بات بھی کہ عبادت سے کم نہیں — اظہارِ حق اشاعتِ حق کی کلید ہے
پائے گی اجر اس کا تو اولاد بھی ضرور — ورثہ یہ جد کا ہے تو متاعِ سعید ہے
اک اور زندگی ملی سلطانِ شعر کو — اظہارِ حق نہادِ حیاتِ فرید ہے

15+294+419+60+108+1107=2003

2003 عیسوی

کرتا ہے جمع جو جگر لخت لخت کو — باقرؔ تو ایسے شخص کا غالب مرید ہے

فریدؔ لکھنوی

(پروفیسر نیّر مسعود لکھنوی کا مکتوب گرامی)

برادرم ڈاکٹر تقی عابدی صاحب۔ آداب

آپ نے مجھ سے سلطان صاحب فریدؔ کے بارے میں معلومات چاہی ہیں۔ فریدؔ صاحب میرے سنِ شعور کو پہنچنے سے پہلے ہی غالباً لکھنؤ میں پڑھنا چھوڑ چکے تھے۔ البتہ مجھ کو خواب کی طرح مرثیہ خوانی کی ایک مجلس یاد آتی ہے جس میں والد صاحب مجھے لے گئے تھے۔ میں اُس وقت بچہ تھا۔ مرثیے کے بیچ بیچ میں اٹھنے والا تعریفوں کا شور اور تبرک کے طور پر تقسیم ہونے والا زعفران کا شربت تو مجھے یاد رہ گیا، وہ مرثیہ خوان فریدؔ تھے یا کوئی اور، یہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میرے والد صاحب اور عم محترم ڈاکٹر سید آفاق حسین رضوری فریدؔ کا اکثر ذکر کرتے تھے اور ان کے مدّاح تھے۔ خصوصاً ان کی دو بیتوں کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ ایک کا محل وہ ہے جب جناب عباسؑ نہر سے پانی کی مشک بھر کر نکلتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح مشک صحیح سلامت بچّوں تک پہنچ جائے۔ دشمن کے تیر انداز مزاحمت کرتے ہیں۔ اس موقع کی بیت ہے۔

بے بسی وہ ہے کہ دل ٹکڑے ہو جاں بازوں کا
آج عباسؑ کو ڈر ہے قدر اندازوں کا !

دوسری بیت وہ ہے جہاں حضرت عباسؑ اپنے شہید ساتھیوں کو خطاب کر کے کہتے ہیں :

خون برستا ہوا ہر تیغ دو دم سے جاتا
پانی بچّوں کا بڑے جاہ و حشم سے جاتا

گھوڑے کی تعریف میں فریدؔ کا یہ مصرع بھی وہ اکثر پڑھتے تھے :

ع= پیاسے بچوں کا خیال اس کے لئے کوڑا ہے

فریدؔ کا کلام دستیاب نہیں یا ہوگا تو میری نظر سے نہیں گذرا۔

آپ کا

نیر مسعود

حرفِ چند

(پروفیسر اکبر حیدری کشمیری)

ابھی کچھ دن ہوئے کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی جو پیشہ کے لحاظ سے معالج ہیں مغرب (کینیڈا) کی افق پر ہلالِ نو کی صورت میں نمودار ہوئے اور شہرۂ آفاق کتاب "تجزیہ یادگار انیس ؔ" جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے" مرتب کر کے آسمانِ ادب پر ماہِ کامل بن کر چمکنے لگے۔ کتاب کی پزیرائی جس پیمانے پر مغرب و مشرق میں ہوئی اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

گذشتہ جنوری و فروری میں ڈاکٹر صاحب نے برِ صغیر ہند کا دورہ کیا۔ دوبئی، ہندوستان اور پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں کتاب کی رسم رونمائی میر انیسؔ کی دوصد سالا جشنِ ولادت کی تقریبات میں قرار پائی۔ جب عابدی صاحب نے انیسؔ کے شہر لکھنو میں (جہاں کتاب کی شہرت ان کے آنے سے پہلے ہی پہنچ چکی تھی) قدم رکھا تو اہلِ لکھنو نے ان کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ وائس چانسلر لکھنو یونیورسٹی، علمائے اساتذہ، شعراء اور معززین شہر دو روزہ انیسؔ سیمنار میں عابدی صاحب کی پر مغز اور بے ساختہ (extempore) تقریروں سے محظوظ ہوتے رہے۔ موصوف نے ان تقریبات میں اپنی شیریں زبانی، اعتدال پسندی، شگفتہ روئی اور خوش اخلاقی کا سکہ شائقینِ اُردو پر بٹھا دیا۔

تقی عابدی صاحب ایک درجن معیاری کتابوں اور متعدد مضامین کے مصنف ہیں۔ وہ نظم نثر دونوں اصناف میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی جملہ تصانیف پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مشہور مرثیہ گو میر خلیق کے صاحبزادے میر انسؔ لکھنوی کے گمنام پر پوتے میر فریدؔ لکھنوی مرحوم شاگرد پیارے صاحب رشیدؔ کے مجموعہ مراثی کو دریافت کر کے ترتیب دیا جو انشاء اللہ ایک ضخیم کتاب کی صورت میں بہت جلد منظر عام آنے والا ہے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو یہ پوشیدہ خزانہ دیارِ مغرب میں کیسے دستیاب ہوسکا۔

مجھے امید ہے کہ اس عظیم کارنامہ کی بدولت اردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی عابدی صاحب کو سلامت رکھے۔ ان کے زورِ قلم میں توانائی بخشے تا کہ رثائی ادب پھلے پھولے۔ آمین۔

اکبر حیدری کشمیری
بمقام سری نگر کشمیر

''اظہارِ حق''

ایک اور امتحان

(جناب عاشور کاظمی ۔لندن)

ڈاکٹر تقی عابدی علم الابدان کے نباض و معالج ہونے سے زیادہ اب علم و ادب بالخصوص تحقیق کی دنیا کے ممتاز نباض مانے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے بیسویں صدی کے آخری دنوں میں ایک معرکتہ الآرا کتاب ''تجزیہ یادگار انیسؔ'' پیش کر کے اچھے بھلے کہنہ مشق ناقدین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ یادگار تجزیہ میر انیسؔ کے ایک معروف مرثیے ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' کا تجزیہ ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی کی اس کتاب پر تبصرہ کرتے وقت میں نے عرض کیا تھا کہ

''بیسویں صدی کے فرہاد صفت محقق ڈاکٹر تقی عابدی نے میر انیسؔ کے ایک مرثیے میں ۲۸۵۶ محاسن اور صنعتوں کی نشاندہی کر کے عالمانہ تنقید کے لئے راستے معیّن کر دئے ہیں۔ اب اس تحقیق کے بعد میر انیسؔ پر جو کام ہوگا وہ روایتی تنقید کی بجائے معنوی ہوگا''۔

اب ڈاکٹر تقی عابدی ایک دوسری کتاب ''اظہارِ حق'' پیش کر رہے ہیں۔ یہ کتاب میر انیسؔ کے پڑپوتے، پیارے صاحب رشیدؔ کے بھانجے، گلستانِ انیسؔ کے آخری پھول، ممتاز مرثیہ گو حضرت سلطان صاحب فرید (لکھنوی) کے کلام پر مشتمل ہے۔ اس میں فرید لکھنوی کے پندرہ مرثیے، پندرہ سلام اور ۳۶ رباعیات ہیں۔ یہ پورا کلام ابھی تک غیر مطبوعہ تھا۔ ۷۲۵ صفحات کی اس کتاب میں ڈاکٹر تقی عابدی نے یہ حقیقت منوالی ہے کہ عابدی کا اسلوبِ نقد و نظر عالمانہ اور مدلل ہوتا ہے۔ فرید لکھنوی پر ڈاکٹر عابدی کا یہ مضمون بہ این معانی منفرد اور جداگانہ ہے کہ ان سے پہلے کسی نے اُن پر سیر حاصل تبصرہ نہیں کیا ہے۔ یہ مضمون ناقدین رثائی ادب کے لئے بلاشبہ ایک اور امتحان کی منزل ہے کہ اکیسویں صدی میں کسی دوسرے نقاد کے جملوں کو دہرانا تنقید کا انداز نہیں رہے گا بلکہ ہر

نقاد کو اب علمی پہلوؤں پر بصیرت افروز گفتگو کرنی ہوگی۔

میری اطلاع کے مطابق فرید لکھنوی نے ۲۱ مرثیے کہے تھے۔ '' سرفراز'' لکھنو شمارہ فروری ۱۹۶۱ء میں یہ اطلاع شائع ہوئی تھی کہ اُن کے فرزند ڈاکٹر افتخار احمد کے پاس فرید لکھنوی کے جو مراثی محفوظ ہیں وہ جلد شائع کرا رہے ہیں۔ اور پھر وقت نے چپ سادھ لی۔ سناٹا انتظار کرتا رہا کہ بے اعتنائی کی چٹانوں پر کسی فرہاد کے تیشۂ عزم و عمل کی ضرب پڑے اور کوئی بلند آواز بلند ہو۔

ایک بار پھر وہ سامنے آیا جسے میں نے فرہاد صفت کہا تھا اور جسے میں آج فرہادِ عصر کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس فرہادِ عصر نے سلطان صاحب فریؔد کے پوتے ڈاکٹر حسن اختر کے توسل سے اُن کا کلام حاصل کیا۔ اس پر مضمون لکھا اور اسے اشاعت کی منزل تک پہنچا دیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی کا یہ اقدام اُن ورثا کے لئے بانگِ درا ہے جو اپنے بزرگوں کے مرثیوں کی اشاعت سے غافل ہیں اور نسلوں کی امانت اُن لوگوں تک نہیں پہنچا رہے ہیں جو ان مراثی کو عظیم سرمایہ سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر تقی عابدی کے عزم کی شمع اُن دلوں میں بھی اُجالا کر دے جہاں تغافل کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کتاب کا نام ڈاکٹر عابدی نے سلطان صاحب فریؔد کے ایک مرثیے کے اس مصرعِ اولیٰ سے لیا ہے

ع '' اظہارِ حق عبادت پروردگار ہے''۔

اللہ اُن کی عبادت کو قبول کرے اور دوسروں کو ڈاکٹر تقی عابدی کی آوازِ اذاں پر لبیک کہنے کی توفیق دے۔

سید عاشور کاظمی (جزائر برطانیہ)

۱۴ مئی ۲۰۰۳ء

مکتوب گرامی

(سید باقر حسن زیدی۔ میری لینڈ امریکہ)

برادرم ڈاکٹر سید تقی عابدی

سلام و دُعا

بھائی دیکھا تو یہ گیا ہے کہ کوئی بڑا اور اہم کام کرنے والے یا کسی شاہکار کو معرضِ وجود میں لانے والے اُس کی تخلیق کے بعد اگر بے عمل نہیں تو سُست رو ضرور ہو جاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے آپ کو اِس کمزوری سے محفوظ رکھا اور بجائے اپنی کارکردگی کے نشہ میں سرشاری کے ہمہ وقت چوکس، مستعد اور کمر بستہ رہنے کی توفیق دی۔ ''تجزیۂ یادگارِ انیسؔ'' کے بعد میر انیسؔ کے پوتے میر سلطان حیدر فرید لکھنوی کے پندرہ مراثی جو آپ منظرِ عام پر لانے والے ہیں میرے اس یقین کی دلیل ہے کہ آپ کبھی اور کہیں تھکنے والے نہیں ہیں۔

ایسا تحقیقی کام جس کے ہمقدم وہ جذبہ بھی موجود ہو جو اپنے ورثے اور آثار کی حفاظت کے اقدامات بھی کرتا جائے لائقِ صد تحسین و ہزار آفرین ہے جو بحمد اللہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کتنی محنتوں اور علمی کاوشوں کے ذخیرے نہ جانے کب سے اور کہاں کہاں بے توجہی اور بے اعتنائی کے بوجھ تلے دبے پڑے ہیں اور کتنے تلف ہو چکے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جو کچھ اور جتنا کچھ بھی تلاش کر کے محفوظ کیا جا سکے ادب، سماج اور انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ آپ کی ایسی تمام کاوشیں اور مساعی دنیائے ادب کے شکریہ کی مُستحق ہیں۔ یہ جان کر اور خوشی ہوئی کہ مرزا سلامت علی دبیر کی تینوں مثنویاں ''احسن القصص''، ''معراج نامہ'' اور ''فضائلِ چہاردہ معصومؑ'' بھی یک جا کر کے آپ ایک کتابی شکل دے رہے ہیں۔ میری دُعا ہے کہ خدا آپ کو آپ کے اِن ارادوں میں کامیاب کرے اور صحت اور توانائی کے ساتھ طولِ عمر عطا کرے۔

آپ کے انہی کاموں کی وجہ سے کینیڈا اور شمالی امریکہ کا یہ منطقہ آہستہ آہستہ اُردو ادب کا ایک اہم مرکز بنتا

جارہا ہے اور آپ تنہا وہ کچھ کر رہے ہیں جو ادارے بھی نہیں کر پاتے۔ آپ کی اہم تخلیقات آنے والی نسلوں کے لئے ایک گراں قدر تحفہ ہیں۔ اپنا فکری سفر اُسی پراگندگی کے ساتھ رکھیئے جو آپ کے مزاج کا حصّہ ہے اور جس کے لئے میرؔ نے کہا تھا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندطبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

خدا آپ کی ہمتوں میں اور بلندی عطا کرے۔

آپ کے لئے توفیقاتِ الٰہی اور آپ کی ہمہ وقت خیریت کا طالب۔

دعا گو

باقرؔ زیدی

گیتی بھابی، رویا اور بچوں کو سلام و دعا

فریدؔ کے حالاتِ زندگی

(ڈاکٹر سید افتخار احمد)

میرے والد میر انیسؔ کے منجھلے بھائی میر اُنسؔ کے پر پوتے تھے ' نام سید رضی حیدر اور فریدؔ تخلص ' عام طور سے سلطان فریدؔ کہلائے جاتے تھے۔ اُن کی پیدائش 1892ء میں ہوئی۔ فریدؔ صاحب کے والد سید عابد مجید صاحب تھے۔ والدہ پیارے صاحب رشیدؔ کی بہن تھیں۔ فریدؔ صاحب کے دادا بنے صاحب سعیدؔ تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت : خاندانی اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوا کہ فریدؔ صاحب کی تعلیم و تربیت ان کے والد سید عابد صاحب مجیدؔ کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ شروع کی تعلیم کے بعد ایک معلّم کی زیرِ نگرانی ضروری کتابیں مثلاً آمد نامہ' کریما' گلستان' اور بوستان وغیرہ ختم کروائی گئیں۔ ان کی فارسی اور عربی کی تعلیم خانہ ناصریہ کے مہتمم مولانا ناصر حسین صاحب کی نگرانی میں ہوئی۔ مزید تعلیم مولانا محمد رضا صاحب اور مولانا سید سبط حسن صاحب کی زیرِ نگرانی ہوئی۔

شاعری کی تعلیم : فریدؔ صاحب اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کر کے اپنے خاندانی فن مرثیہ گوئی کی طرف راغب ہوئے وہ اب اپنے ماموں پیارے صاحب رشیدؔ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حکم ملا کہ روزانہ ایک عدد غزل کہہ کر لاؤ۔ روزانہ کا معمول بن گیا کہ جب نئی غزل لاتے ماموں کا حکم ہوتا کہ پرانے گھڑے میں ڈال دو جو اسی کام کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس طرح غزلیں کہہ کر پورا سال گزر گیا اور مرثیہ کہنے کا موقع نہ ملا۔ جب والد صاحب نے رشیدؔ صاحب سے کہا کہ ماموں ابا گھڑا تو غزلوں سے بھر گیا' دوسرا گھڑا رکھ دیں تو انہیں کچھ رحم آیا اور کہنے لگے اچھا اب اس "طرح" میں " جام جم لیکر چلا تھا جب سکندر ہاتھ میں " ایک غزل اور کہو اور اسی "طرح" میں ایک سلام بھی کہو۔ حکم کے مطابق دوسرے دن غزل اور سلام مکمل کر کے پیش کیا گیا۔ رشیدؔ صاحب نے جگہ جگہ تصحیح کی اور اشعار کے تخیل' الفاظ اور ان کے صحیح استعمال پر ہمت افزائی کی۔ شاباشی دی اور فرمایا کہ اب تم مرثیہ کہنا شروع کرو۔

اچھا ہوگا کہ بزرگوں کے مرثیہ دیکھ لو۔ وہی میرے لئے مشعلِ راہ تھے اور وہی تمہاری رہنمائی کریں گے۔ فریؔد صاحب نے اپنا پہلا مرثیہ "شگفتگیِ گُلِ مضمون کی ہے بہارِ سخن" رشیؔد صاحب کی خدمت میں پیش کیا جسے سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ دوسرا مرثیہ ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ ماموں رشیؔد کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد ساری زندگی فریؔد اپنی صلاحیتوں اور محنت کے سہارے چلتے رہے۔ اپنے اسلاف کا نام روشن کیا اور فنی بلندیوں کو چھوتے رہے۔

فریدکی خاص مجالس : فریؔد صاحب کے زمانے میں مرثیہ کا آخری دور چل رہا تھا۔ ان کے زمانہ میں میر انیؔس کے پوتے اور میر نفیؔس کے بیٹے دولہا صاحب عروؔج بارہ رجب کی 25 تاریخ دلاارام کی بارہ دری لکھنؤ میں ہر سال نیا مرثیہ پڑھتے تھے۔ حضرت انیؔس کے پرنواسے یعنی میر عارفؔ صاحب مرحوم کے بیٹے بابو صاحب فائقؔ وغیرہ نامور مرثیہ خواں ہر سال رجب کے زمانہ میں اپنا اپنا مرثیہ پڑھا کرتے تھے اور اس طرح مرثیہ کے شائقین جمع ہوا کرتے تھے اور گہما گہمی کا ایک خاص ماحول پیدا ہو جاتا تھا۔ جناب سلطان صاحب فریؔد بھی ہر سال اپنا نیا مرثیہ 26 رجب المرجب کو ناظم صاحب مرحوم کے امام باڑے میں پڑھتے تھے اور یہ مرثیے لکھنؤ میں بہت مقبول ہوئے۔ خاندانی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس مجلس کا اہتمام سید فدا حسین صاحب مرحوم کے والد عبدالحسین صاحب ساکن بارود خانہ گولہ گنج کرواتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مجلس میں بہت مجمع ہوتا تھا اور سیکڑوں آدمی شرکت کرتے تھے۔ سنا ہے کہ جناب چکبستؔ صاحب اور کاشمیری پنڈت صاحبان اس مجلس میں خاص طور سے تشریف لاتے تھے اور اس طرح یہ مجلس بہت کامیاب ہوتی تھی اور دور دور تک اس کی شہرت پھیلتی گئی۔ خاندانی ذرائع سے ایک اور بات علم میں آئی کہ ناظم صاحب کے امام باڑے میں فریؔد صاحب کی ایک سالانہ مجلس میں عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ ایک صاحب کاغذ پنسل لے کر ممبر کے غلاف کے اندر پہلے سے چھپ کر بیٹھ گئے اور باہر کی جانب اپنے پاس داہنے اور بائیں ایک ایک آدمی بٹھا لیا۔ مرثیہ پڑھنے کے دوران اگر لکھنے سے کچھ چھوٹ جاتا تو کبھی اپنے داہنے ہاتھ اور کبھی اپنے بائیں ہاتھ پر بیٹھے آدمی کو ٹھوکا دیتے کہ تعریف کر کے دوبارہ پڑھوائے اور اس طرح چوری چوری پورا مرثیہ لکھوا لیا گیا۔ سنا ہے کہ جن صاحب نے یہ حرکت کی مفتی گنج کے رہنے والے تھے اس پورے واقعہ کی خبر فریؔد صاحب کو اپنے ایک ملنے والے کے ذریعے پہنچی جو باورچی ٹولہ ہی میں رہتے تھے جہاں

فریدؔ صاحب کی سکونت تھی۔ ان صاحب نے نقل کیا ہوا مرثیہ وقتی طور پر حاصل کرلیا اور فریدؔ صاحب کو لا کر دکھایا۔ اس واقعہ اور ایسے کچھ واقعات سے برداشتہ ہو کر فریدؔ نے لکھنؤ میں مجلس نہ پڑھنے کا تہیہ کرلیا اور ایسا ہی ہوا۔ وہ بہت حساس تھے اور ان واقعات سے انہیں بہت صدمہ پہنچا اور شاید اسی وجہ سے وہ محرم کے زمانہ میں ریڈیو لکھنؤ پر بھی اپنا مرثیہ پڑھنے سے انکار کر دیتے تھے حالانکہ ریڈیو پر پڑھنا ایک بڑی بات سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنی شاعری کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے۔ ناظم صاحب کے امام باڑے کے واقعہ کے بعد انہیں اپنے کلام کے چوری ہونے کا ڈر رہتا تھا۔ مرثیہ ان کی زندگی کا سرمایہ تھا۔

سلطان صاحب فریدؔ لکھنؤ کے علاوہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنا نیا مرثیہ پڑھنے جایا کرتے تھے وہ ہر سال محرم میں عشرہ پڑھنے عظیم آباد۔ پٹنہ جاتے تھے۔ اصغر آباد میں تین مجالس پڑھتے تھے اور اس طرح پٹنہ میں ان کو بہت شہرت ملی۔ فریدؔ صاحب اربعین میں حیدر آباد دکن جاتے تھے۔ حضور نظام بھی معہ مہاراجہ سرکشن پرشاد مجلس میں شرکت فرماتے اور کیونکہ دونوں خود شاعر تھے کلام سے لطف اندوز ہوتے اور تعریف کرتے۔ ہر سال سلیم پور اسٹیٹ میں عشرہ ثانی ہوتا تھا جس میں فریدؔ صاحب چار مجالس پڑھتے تھے۔ راجہ صاحب خود بھی کلام کے اس قدر شیدا تھے کہ فریدؔ صاحب کی جائے سکونت پر آ کر گھنٹوں تشریف رکھتے تھے۔ لوگوں کو راجہ صاحب کی فریدؔ کے کلام میں اتنی دلچسپی اچھی نہ لگی اور بات اڑادی کہ ان کے بزرگ مرثیے کہہ کر گئے ہیں جو کہ وہ اپنے نام سے مجالس میں پڑھتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات طے پائی کہ ایک عدد نیا مرثیہ مطلع تا مقطع ساقی نامے میں اور اسی ''طرح'' میں ایک سلام بھی جو آج تک کسی نے نہیں کہا تھا لکھا جائے۔

جب فریدؔ صاحب سے فرمائش کی گئی تو انہوں نے ساقی نامے میں پورا مرثیہ اور ایک سلام دوسرے سال سلیم پور میں پڑھا۔ اس مرثیہ کا چوتھا مصرعہ جو امام حسین علیہ السلام کے رفقاء کے بارے میں ہے مرثیہ کے اعلیٰ معیار کا اظہار کرتا ہے۔

ے مر مٹے مست مگر بادۂ الفت میں رہے
عشق ساقی کا رہا خوئے اطاعت نہ گئی
گردنیں کٹ گئیں لبیک کی عادت نہ گئی

کربلا کا یہ ایک سچا واقعہ جو بہت خوبصورتی سے ادا کیا گیا ہے۔ بہرحال فریؔد صاحب کو راجہ صاحب کی بات بہت ناگوار گزری تھی کہ وہ اپنی قابلیت کا امتحان مرثیہ کی شکل میں دے کر اپنی عزت وراحترام قائم رکھتے ہوئے پھر بھی سلیم پور نہ گئے حالانکہ راجہ صاحب برابر کوشاں رہے۔ فریؔد صاحب کو اپنی بات کے آگے دولت کی بالکل پروا نہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ لکھنؤ کی مجالس پڑھنا نہ چھوڑتے اور ریڈیو کے پروگراموں میں بھی حصہ لیتے تو اور بلندیوں کو چھوتے فریؔد صاحب ہر سال ایک نیا مرثیہ کہتے تھے اور ایک قد آدم آئینہ کے سامنے جوان کے دیوان خانے میں مستقل طور سے نصب تھا تقریباً روزانہ مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ اس میں خاص بات یہ تھی کہ مرثیہ کے مختلف حصوں کی ادائی کی مناسبت سے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور ہاتھوں کے اشارے، بہت اہمیت رکھتے تھے۔ مرثیہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ عوامل مرثیہ کے تاثر کو بڑھاتے تھے اور ان کی مجالس کو انتہائی پرکشش اور رقت آمیز بناتے تھے۔ ہر نیا مرثیہ مکمل ہونے کے بعد فریؔد صاحب گھر پر مختلف احباب اور اعزاء کو بلا کر سنایا کرتے تھے۔

فرید کے مرثیوں کا احوال : نقوش رسالہ کے انیتس نمبر مطبوعہ **1981** اور ضمیر اختر نقوی صاحب کی کتاب ''خاندان انیؔس کے نامور شعراء'' مطبوعہ **1994** میں فریؔد صاحب اور ان کی شاعری کا ذکر شامل ہے۔ ان کے غیر مطبوعہ مرثیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ فریؔد صاحب کے بڑے صاحبزادے یعنی میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید اختر احمد صاحب (مرحوم) مقیم حیدرآباد دکن کے پاس تھے۔ آگے کیا ہوا اور ان مرثیوں کا سفر کدھر کدھر ہوا اور اب یہ کہاں ہیں اس کا مختصر حال ضروری ہے۔ اس سے فریؔد کے مرثیوں کی طباعت میں غیر معمولی دیر کی وجوہات بھی سمجھ میں آجائیں گی۔

میں کراچی سے **1986** میں حیدرآباد دکن اپنے بڑے بھائی اور منجھلے بھائی سید احمد صاحب (مرحوم) سے ملنے گیا تو میرے دماغ میں والد صاحب کے مرثیوں کی طباعت کا خیال تھا۔ کچھ ہی دن گزرے ہونگے کہ ہمارے خالہ زاد بھائی سید فدا حسین صاحب جو اردو میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ''ڈی لٹ'' تھے اور صاحب رائے بھی تھے اپنی بہن صاحبہ یعنی ڈاکٹر اختر احمد صاحب کی بیگم سے ملنے حیدرآباد پہنچے۔ میں نے ان کی موجودگی کو غنیمت جانتے ہوئے بڑے بھائی صاحب سے مرثیوں کی طباعت کے سلسلہ سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ تمام مرثیہ ایک

صندوقچے میں محفوظ ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً 30 ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ان میں سے کچھ مرثیہ بھی چھانٹ کر طباعت کروائے جائیں تو تقریباً چھ ماہ درکار ہوں گے۔ ایک دو دن بعد میں نے مرثیوں کی صندوقچی نکلوائی اور دیکھا کہ انتہائی حفاظت سے رکھنے کے باوجود ان کا کاغذ بہت پرانا اور بوسیدہ ہو چکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کا سفید رنگ سفید سے کتھئی سا ہو گا تھا۔ تحریر خط شکست میں تھی مگر نمایاں تھی۔ اس زمانہ کے دور اور رواج کے مطابق سیٹھے کا قلم اور دیسی سیاہ روشنائی استعمال کی گئی تھی۔ ان کی طباعت کی بات آئی گئی ہو گئی اور میں حیدرآباد سے کراچی واپس آ گیا اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ ڈاکٹر اختر احمد صاحب میرے بہ نسبت زیادہ معمر ہونے کے علاوہ اپنے مریضوں میں زیادہ مصروف رہتے ہیں اس کے لئے وقت نکالنا قدرے مشکل ہے۔ اسی احساس کے تحت میں نے کوشش کی کہ کسی طرح والد صاحب کے تمام غیر مطبوعہ مرثیے کراچی منگوا لوں اور ان کی طباعت کے سلسلہ سے کوشش کروں۔ ڈاکٹر اختر احمد صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی یعنی میری بھتیجی عالیہ رفیق کافی عرصہ سے اپنی فیملی کے ساتھ ابوظہبی میں مقیم تھیں، اور اکثر وہ حیدرآباد دکن آتی جاتی رہتی تھیں۔ یہ مرثیے ان کی مدد سے حیدرآباد سے ابوظہبی اور وہاں سے مجھ تک پہونچے کیونکہ انہیں براہ راست کراچی لانے میں چند قباحتیں تھیں۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ خاندانی ذرائع سے مرثیوں کی تعداد تقریباً 30 بتائی گئی تھی مگر ضمیر اختر صاحب نے اپنی کتاب میں ان کی کل تعداد 22 لکھی ہے اور ان کی فہرست بھی دی ہے جو مرثیے مجھے ملے ان میں بعض کی نقول بھی شامل تھیں اور شاید یہی وجہ ہو کہ 22 سے زیادہ سمجھا گیا۔

میں نے بہت کوشش کی کہ یہ مرثیے کسی طرح چھپوا سکوں مگر مختلف وجوہات اور مشکلات کی بناء پر ایسا نہ ہو سکا۔ تقریباً ڈیڑھ سے دو سال کے عرصہ میں نے نہ صرف اپنے کو مرثیہ کی زمین سے واقف کروانے کی کوشش کی کیونکہ میں ہمیشہ سے سائنس کا طالب علم رہا اور شاعروں کے ماحول اور والد سے دور بڑے بھائی کے پاس حیدرآباد دکن میں رہا۔ بہر حال مرثیوں کے سلسلہ سے میں جو کچھ لٹریچر اور معلومات حاصل کر سکتا تھا وہ میں نے کی اور کئی لوگوں سے جن کا مرثیہ سے گہرا تعلق تھا رابطہ بھی قائم کیا۔ ان میں نمایاں ہندوستان سے ڈاکٹر اکبر حیدر کاشمیری صاحب، پاکستان سے سید حسین انجم صاحب، مدیر رسالہ طلوع افکار کراچی، ڈاکٹر سید ہلال نقوی صاحب کراچی اور سید اقبال

کاظمی صاحب، مرثیہ اکاڈمی کراچی کے سربراہ تھے۔ ان سب حضرات نے کسی نہ کسی صورت میں ہمت افزائی کی جس کا میں شکرگزار ہوں مگر مرثیوں کا چھپنا مجموعی حالات کے تحت ممکن نہ ہوا۔ ان کوششوں میں وقت تو کافی خرچ ہوا مگر مرثیہ کے سلسلہ میں معلومات میں کچھ اضافہ ہوا اور مرثیہ سے متعلق لٹریچر بھی اکٹھا ہو گیا۔

اس دوران ڈاکٹر اختر احمد صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر سید حسن اختر صاحب نے جو قلبی امراض کے ماہر ہیں اور امریکہ میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں اپنے دادا (فریدؔ صاحب) کے مرثیوں کی طباعت میں دلچسپی کا اظہار کیا اور مجھے لکھا کہ ڈاکٹر تقی عابدی صاحب جن سے ان کے روابط ہیں اور جو مرثیہ کی زمین سے بخوبی واقف ہیں والد کے مرثیوں پر کام کر رہے ہیں اور ان میں دلچسپی رکھتے ہیں اس طرح مجھے اپنا مقصد پورا ہوتا نظر آیا اور میں نے فریدؔ کے سارے غیر مطبوعہ مرثیہ دوبارہ ابوظہبی کے ذریعہ ڈاکٹر سید حسن اختر کو امریکہ روانہ کر دیئے۔ اللہ حسن اختر صاحب اور تقی عابدی صاحب کو ان مرثیوں کی طباعت میں کامیابی عطا فرمائے اور اس کا اجر ان حضرات کو بلا تاخیر عطا فرمائے۔ آمین۔

فریدؔ کی شخصیت اور لباس : دراز قد۔ گہرا سانولا رنگ۔ تیز آنکھیں۔ چوڑی ہڈیاں۔ پٹے رکھتے تھے اور کانوں کے بال سر کی لو تک ہوتے تھے۔ خشخشی ڈاڑھی اور مونچھیں رکھتے تھے۔ سب کچھ ملا جلا کر اپنے وقت کے بارعب اور پرکشش شخصیت تھے موسم سرما میں شیروانی اور کالے رنگ کی گول ٹوپی پہنتے تھے اور موسم گرما میں انگرکھا۔ اسی کپڑے کی دوپلی ٹوپی کے ساتھ زیب تن کرتے تھے۔ جاڑے میں موٹے کپڑے کا کرتا پاجامہ اور گرمیوں میں ململ کا کرتا اور چھالٹین کا پاجامہ استعمال کرتے تھے۔ پان کھانے کے بہت عادی تھے۔ گھر پر ہمیشہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا چوکور پاندان رکھتے تھے۔ کہیں باہر جانے پر پان کی ڈبیہ اور بٹوا ضرور ساتھ جاتا تھا۔ کھانے کے بہت شوقین تھے اور اکثر دوستوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ آم کے بہت شوقین تھے اور ان کی اقسام پر کافی معلومات رکھتے تھے۔ بچوں سے اکثر کہتے تھے کہ مختلف آموں کی پہچان رکھا کرو۔

فریدؔ کا ماحول اور رہن سہن : ویسے تو ماحول کا اثر ہر ذی شعور پر ضرور پڑتا ہے شعراء حضرات اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوتے ہیں جس کی جھلک ان کی شاعری میں بھی اکثر نظر آتی ہے۔ کیونکہ ایک شاعر کی شاعری پسند کرنے والوں کو اس کا ماحول اور رہنے سہنے کا طریقہ دلچسپی کا باعث اور ضروری معلومات کا ایک ذریعہ فراہم کرتا

ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس سلسلہ سے فریدؔ کے متعلق بھی مختصر معلومات فراہم کی جائے۔

میرا والد صاحب کے ساتھ رہنے کا کم اتفاق ہوا کیونکہ میں الہٰ آباد سے میٹرک کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر سید اختر احمد صاحب کے پاس حیدر آباد دکن چلا گیا تھا۔ بڑے بھائی کے علاوہ شروع سے میں منجھلے بھائی سید احمد صاحب اور ایک عدد بہن ثروت جہاں معہ والد اور والدہ کنیز زہرا بیگم اپنے آبائی مکان جو جوبلی کالج کی پشت پر واقع محلّہ باورچی ٹولہ میں رہتے تھے۔ یہ مکان ویسے تو بڑا تھا مگر پرانے زمانہ کے طرز پر بنا ہوا تھا۔ ایک طرف بہت بڑا سا دالان تھا اور اس کی مناسبت سے بڑے بڑے در تھے۔ اس کے آگے کچے فرش کا ایک وسیع صحن تھا اور دوسری جانب مردانہ بیٹھک' یہ دیوان خانہ پرانے زمانہ کے لحاظ سے سادہ قسم کے فرنیچر سے مزین تھا اور جس میں والد صاحب سے ملاقات کے لئے اس وقت کی بعض بڑی بڑی ہستیوں کو آتے دیکھا تھا۔ فریدؔ صاحب کی زندگی متوسط طریقہ سے گزری مگر انتہائی پرسکون تھی۔ کچھ جائداد کی آمدنی اور کچھ مجالس کی۔ اچھی خاصی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ مکان سے باہر جانے کے لئے ایک مختصر سی ڈیوڑھی تھی جو ایک گلی میں کھلتی تھی جس کا پھاٹک تحفظ کی خاطر روزانہ رات میں مقفل کر دیا جاتا تھا۔ روزانہ شام میں اس چبوترے اور اطراف کی کچی زمین پر پانی کا چھڑکاؤ ہوتا تھا۔ چبوترہ خشک ہونے کے بعد اس پر دری' سفید چادر اور ایک عدد قالین بچھایا جاتا تھا اور اس کے اطراف کرسیاں لگائی جاتی تھیں اس کے بعد چائے کا سامان آتا تھا جس میں ایک عدد سماور معہ اس کے نیچے رکھنے کی کشتی تاکہ فرش سماور کی آگ سے محفوظ رہے۔ اس کے بعد کٹ گلاس کے متعدد فنجان جن میں بغیر دودھ کی مگر زیادہ شکر کی سادی چائے پلائی جاتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چائے' آرنج پیکو' ہوتی تھی۔ مزید خوشبو کے لئے زعفران استعمال کی جاتی تھی۔ عام شکر کے بجائے اکثر شکر کے کیوبس کا استعمال ہوتا تھا۔ ہر چیز باقاعدگی اور نفاست سے انجام پاتی تھی۔

ان سب تیاریوں کے بعد صاحب ذوق حضرات روزانہ شام سے محفل سجاتے۔ ادب کے علاوہ دنیا کی تمام باتیں یہاں زیرِ غور آتی تھیں۔ بہر حال اسی طرح لکھنؤ میں محفلیں چلتی رہیں اور پھر ایک دن ہم خوشی خوشی مزید تعلیم کے لئے حیدر آباد دکن چلے گئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے 1954ء میں سائنس سے **M.Sc** کرنے کے بعد **1956**ء میں پاکستان کو ہجرت کی اور کراچی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ قومی سائنس ادار **(P.C.S.I.R)**

میں مستقل ملازمت کے دوران فیلوشپ پر ٹورانٹو یونیورسٹی سے حیاتیات میں Ph.D کیا۔ تقریباً نو سال کینیڈا، عراق اور لیبیا میں تعلیم و تدریس سے منسلک رہے۔

چند یادگار واقعات : والد صاحب اپنے سب بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ان کا خیال رکھتے تھے مگر غصہ کے تیز تھے اور پھر اصولوں پر کسی طرح کی سودے بازی کا امکان مفقود تھا۔ پھر بھی ہم کبھی کبھی ان کا اچھا مزاج دیکھ کر اور ان کی محبت کو غصہ پر غالب لا کر اپنی بات منوا لیتے تھے۔ کچھ ایسی ہی صورت میں ایک موقع پر انتہائی کوشش کے باوجود ناکامی ہوئی اور وہ واقعہ اب تک یاد ہے۔ یہ تقریباً 1947ء کی بات ہے کہ ہم گورنمنٹ حسین آباد ہائی اسکول لکھنؤ میں زیر تعلیم تھے۔ اس زمانہ میں اکثر لڑکے ان طالب علموں کو سیدھا بلکہ بے وقوف سمجھتے تھے جو شیروانی کا کالر مستقل طور پر پورا بند رکھتے اور ٹوپی پہنتے تھے کھلا کالر اور ٹوپی نہ پہننے والے لڑکے زیادہ ہوشیار اور فیشن ایبل سمجھے جاتے تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ ٹوپی پہننے نے کام بگاڑ دیا اور بلا جواز بے وقوف سمجھا جا رہا ہوں۔ لہٰذا کوشش کرنا چاہئے کہ کسی طرح اسکول کی حد تک ٹوپی نہ پہننے کی اجازت والد صاحب سے مل جائے۔ دوسرے ہی روز والد صاحب کو اچھے موڈ میں دیکھ کر بات چھیڑی اور کہا کہ ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ غصہ سے کام نہ لیا جائے۔ کہنے لگے "ٹھیک ہے" اور ہم سے ساری ہوشیاری بروئے کار لاتے ہوئے بہت نپے تلے الفاظ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ میں نے کہا کہ لوگ ٹوپی عزت بڑھانے کے لئے پہنتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے معاشرے کا حصہ ہے اور ہماری تہذیب میں ضروری سمجھا جاتا ہے مگر آج کل اسکولوں اور کالجوں میں یہ عزت بڑھانے کے بجائے خفت کا باعث بن رہی ہے کیونکہ اکثر لڑکے ٹوپی پہننے والے طالب علموں کو اچھا نہیں سمجھتے اور طرح طرح کی پھبتیاں کستے ہیں اور چڑاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر آپ اجازت دیں تو میں اسکول کی حد تک ٹوپی نہ پہنوں۔ اسکول پہنچنے پر ٹوپی اتار لوں اور اسکول سے آتے وقت پہن لوں۔ اسکول کے علاوہ جہاں بھی جاؤں خاص طور سے آپ کے ساتھ قصیدہ خوانی، مجالس اور مشاعروں وغیرہ میں تو پابندی سے ٹوپی پہنوں میں نے زور دے کر کہا کہ جہاں ٹوپی پہننے سے عزت نہ ملے بلکہ تسخیر بنے تو اچھا ہے کہ ایسی جگہ ٹوپی نہ پہنی جائے والد صاحب نے کچھ دیر سوچا۔ میرے خیال میں وہ محبت اور اصول کی کشمکش سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہر حال آخر مجبوراً کہنے لگے "تمہارا استقلال اپنی جگہ درست معلوم ہوتا ہے"۔ میں نے وقت ضائع کئے

بغیر جلدی سے کہا کہ کل سے میں جیسا طے ہوا ہے اس کے مطابق کروں گا۔

دوسرے روز جب میں اسکول کے لئے روانہ ہوا پھاٹک سے نکلتے ہی میں نے اپنی رام پوری ٹوپی طے کر کے شیروانی کی جیب میں رکھی اور شیروانی کا کالر کھولنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی ''ادھر آؤ'' یہ والد صاحب کی آواز تھی۔ میں ڈرتا ڈرتا جب ان کے پاس پہونچا تو کہنے لگے ''میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔ میں تمہارا باپ ہوں'' زور دے کر کہا۔ میری اتنی ہمت نہ تھی کہ ان سے کچھ اور کہتا لہذا ٹوپی پہن کر اسکول چل پڑا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ تہذیب اور رواج کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ والد صاحب اصولوں کو زندگی کا اہم جز سمجھتے تھے اور عملی طور سے اس پر کاربند تھے۔ میرے خیال میں یہی وجہ تھی کہ اصولوں کی خاطر وہ ضدی بھی ہو جاتے تھے۔ ساری صفتیں ان میں ایک گہری سوچ والے ایماندار آدمی کی تھیں۔ ہمیں اب ان کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم ان سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

ایک اور واقعہ سے ان کی محبت اور حساس طبیعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اب تک تفصیلاً یاد ہے۔ میں تقریباً 10 سال کا ہوں گا کہ مجھے بخار آ گیا اور کھانا پینا بند کر دیا گیا۔ پرہیزی کھانا ملنے لگا' قلیہ کا شوربا پی کر اور ثابو دانہ کھا کھا کر ہم تنگ آ گئے تھے۔ کوئی سنوائی نہ تھی۔ رمضان کا مہینہ آیا اور ایک روز قسمت کھلی تو دیکھا کہ افطاری کا ایک خوان تخت پر رکھا ہوا ہے جو آسانی سے ہماری پہنچ میں ہے۔ انجام سے بے خبر آنکھ بچا کر خوب افطاری کھائی اور آرام کیا۔ بد پرہیزی سے دوسرے روز بخار اور بڑھ گیا اور آخر میں تشخیص ہوئی کہ میعادی بخار ہو گیا ہے۔ والد صاحب بہت پریشان تھے اور انتھک کوشش کی کہ ڈاکٹر پر ڈاکٹر اور دوا پر دوا بدلی مگر بخار نہ اترا اور اسی طرح تقریباً چھ ماہ گزر گئے۔ اس وقت تک ہم اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ خود سے چل نہیں سکتے تھے۔ کبھی کبھی ہمیں اٹھا کر صحن میں لایا جاتا تھا کہ ہماری طبیعت بہل جائے۔ ہم آسمان پر منڈلاتے ہوئے کنکوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ والد کی طبیعت بہت حساس اور جذباتی تھی اور چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہم سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس کا اندازہ لگاتے ہوئے ہم نے ان کا کنکوے اور ڈور لانے کا وعدہ اس طرح یاد دلایا اور کہا آپ ہمارے مرنے کے بعد کنکوے اور ڈور لانے کا اپنا وعدہ پورا کریں گے۔ اس جملہ نے والد صاحب کو جھنجھوڑ دیا اور والدہ سے کہنے لگے، ''بیگم میری شیروانی اور چھڑی لاؤ'' میں بھیا کے لئے سامان لینے جا رہا ہوں۔ اس واقعہ سے ان کے حساس

ہونے کا اور بچوں کی محبت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔آج بھی جب مجھے یہ قصہ یاد آتا ہے میں ان کو بہت یاد کرتا ہوں۔

فرید کی قریبی رشتہ داریاں : فرید کی شادی ادلا بدلی کی ہوئی تھی۔والد کی بہن رشک جہاں بیگم صاحبہ ہماری والدہ صاحبہ کے بھائی نواب سید علی قدر صاحب کو بیاہی تھیں۔ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ پھوپھی اماں کا مکان بارود خانہ گولہ گنج میں تھا اور اسی محلّہ میں اور رشتہ دار بھی رہتے تھے لہذا ہم لوگوں کا آنا جانا زیادہ تر یہیں رہتا تھا۔والد صاحب بھی کبھی کبھی اپنی بہن کے گھر جاتے تھے۔وسط میں پھوپھی صاحبہ کا مکان تھا اور اس کے چاروں طرف تین عدد خالاؤں کے مکانات تھے جن کے چھوٹے چھوٹے دروازے پھوپھی کے مکان میں کھلتے تھے۔اس طرح ان سارے مکانات کے لوگ تقریباً روزانہ ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے اور آنا جانا لگا رہتا تھا۔ہر وقت اچھی خاصی رونق رہتی تھی۔جب ہم لوگ بھی گولہ گنج چلے جاتے تھے تو اور بھی چہل پہل ہو جاتی تھی۔باورچی ٹولہ سے گولہ گنج کا راستہ 3-2 میل سے زیادہ نہ تھا۔اکثر مرد حضرات پیدل یا سائیکل پر آتے جاتے تھے۔ادھر باورچی ٹولہ سے نکل کر آغا میر کی ڈیوڑھی آئی۔تھوڑا چلنے کے بعد ریل کے چھتے کے نیچے سے گزرتے ہوئے وزیر گنج پہنچے اور کچھ دور چلے تو گولہ گنج آگیا۔امین آباد اور حضرت گنج جانے کے لئے بھی یہیں سے گزر ہوتا تھا اور اس طرح بھی وہاں جانے کا جواز بن جاتا تھا۔زندگی پر سکون تھی اور آرام ہی آرام تھا۔عام طور سے جائیدادوں کی آمدنی پر انحصار کیا جاتا تھا اور نوکری مجبوری میں کی جاتی تھی۔وہ زمانہ اتنا سکون اور خوشیوں کا تھا کہ کچھ نہ ہونے پر بھی بہت کچھ تھا اور اب سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں اور ہر انسان سکون کی تلاش میں دکھائی دیتا ہے۔

والد صاحب اپنی بہن سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی بات کو بہت اہمیت دیتے حتیٰ کہ سارے خاندانی معاملات میں ان کی رائے ضرور شامل ہوتی تھی۔والد صاحب سے جب بھی کوئی مشکل بات منوانا ہوتی تھی تو وہ پھوپھی اماں ہی کر سکتی تھیں۔کیونکہ والد صاحب ان کا بہت لحاظ کرتے تھے۔ہمارے لئے بھی وہ فرشتہ تھیں اور آڑے وقتوں میں جب والد صاحب ہم سے ناراض ہوتے اور سزا کا ڈر ہوتا تو ہم گولہ گنج چلے جاتے تھے اور پھوپھی اماں ہمارے لئے فرشتہ ثابت ہوتی تھیں اور ہمیں سزا سے بچا لیا کرتی تھیں۔اس کے علاوہ خاطر بھی بہت کرتی تھی اور چھت پر کنکوا اڑانے کی آزادی بھی تھی۔

فریدؔ کی وفات : خاندانی ذرائع کے مطابق فریدؔ صاحب کا انتقال 26 دسمبر 1968ء میں لکھنؤ میں ہوا۔ کربلائے امداد حسین خان میں دفن ہوئے۔ ان کے مرثیے اب ایک طویل سفر کے بعد (لکھنؤ سے حیدرآباد دکن، ابوظہبی، کراچی، ابوظہبی، امریکہ) اب ڈاکٹر سید اختر احمد صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر سید حسن اختر کے پاس ہیں جن کی سکونت امریکہ میں ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔ مرثیوں کے علاوہ انہوں نے سلام بھی کہے جس کی صحیح تعداد کا علم نہیں۔

ضمیر اختر نقوی صاحب کی کتاب کے مطابق فریدؔ نے جو مرثیے تصنیف کئے ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

	مطلع	سن تصنیف
1	شگفتگیٔ گُلِ مضمون کی ہے بہارِ سخن	1916ء
2	حکمران وہ ہے کہ ہو فیض رساں جس کا وجود	1917ء
3	صف بستہ آگے پیچھے ہیں سب بانیانِ شر	1920ء
4	دے دی جہاد کی جو اجازت امامؑ نے	1921ء
5	یارب غمِ سفر میں کوئی مبتلا نہ ہو	1922ء
6	شہؑ جو خیمے سے برآمد ہوئے اکبرؑ کو لئے	1922ء
7	پھر ضو فگن آئینۂ عنوانِ سخن ہے	1923ء
8	باتیں جو غم انگیز ہیں دل سب کے بھر آئے	1924ء
9	پھر آج عزمِ بارگہِ مدحِ شاہؑ ہے	1925ء
10	تیغِ عباسؑ کھنچی رن میں ہوئی ایک ہلچل	1926ء
11	جلوہ گر رخش پہ عباسِؑ علمدار ہوئے	1928ء
12	شوکت عجب ہے بارگہِ مدحِ شاہؑ کی	1929ء
13	دی رن کی رضا ہو گئے مجبور جو سرورؑ	1930ء

14	صدقے ماں، پہلے تو زخموں کا گلستان دیکھو	1932ء
15	ناگہاں پہنچے جو میداں میں جناب عباسؑ	1933ء
16	کھول اے ذہنِ رسا پھر درِ میخانہ نظم	1934ء
17	اصغرؑ کو دفن کر کے جو آئے اشکبار	1935ء
18	مجبور جب جہاد پہ شاہِؑ امم ہوئے	1936ء
19	سب سے مل جل کے کہا آؤ سکینہؑ آؤ	1937ء
20	بخدا فرض شناسی ہے بشر کا جوہر	1938ء
21	اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے	1938ء
22	جانے کو قتل گاہ میں تھے سرورؑ امم	1939ء

فریدؔ کے چہلم کی مجلس ناظم صاحب کے امام باڑے میں منعقد ہوئی تھی۔ اس مجلس میں مولانا سید ابن حسن صاحب نونہروی نے فریدؔ کی شاعری اور مرثیہ گوئی کی خوبیوں کو بیان کیا تھا اس سے پہلے لائق علی ہنر لکھنوی اور سید محمد تقی محدث نے قطعات تاریخ پیش کیے تھے سید محمد تقی محدث نے قطعات میں فریدؔ کا تعارف بھی پیش کیا جو حسب ذیل ہے۔

آج بھی کہتا ہے ہم سے کربلا کا ہر شہید
پیش کر اشکوں کے موتی آ ادھر جنت خرید

مجلسِ چہلم ہے جن کی ہے یہ ان کا خاندان
انسؔ کے بیٹے تھے دو اور ان میں اکبر تھے وحیدؔ

ان وحیدؔ عصر کے اک چھوٹے بھائی اور تھے
ننّے صاحب جن کو کہتے تھے تخلص تھا سعیدؔ

اور سعیدؔ باصفا کے ایک ہی فرزند تھے
نام جن کا سید عابد اور تخلص تھا مجیدؔ

فخر کے قابل نہ کیوں ہوں یہ سعیدؔ خوش خصال
ان کے ہی فرزند عالی تھے، رضی حیدر فریدؔ

اپنے ورثہ میں تھا پایا ' مرثیہ گوئی کا فن
آپ کے ماموں تھے استادِ زماں حضرت رشیدؔ

آپ کے غم میں ہے یوں تو ہر شناسا سوگوار
آپ کے مرنے کا اہلِ فن کو ہے صدمہ شدید

فیضِ خالق سے ملا تھا ان کو یہ تازہ کمال
آپ نے بخشا ہے ساقی نامہ کو طرزِ جدید
مدح خوانِ پنجتن تھے ہو یقین ان کے لئے
لطفِ خالق سے بنے گا روزِ محشر روزِ عید
آپ کے اشعار ہیں آئینۂ اظہارِ حق
ہوتا ہے جس سے نمایاں صرِ شۂ ظلمِ یزید
پیروے شبیرؑ تھے بس صابر و شاکر تھے وہ
خالقِ اکبر سے وابستہ تھی ان کی ہر امید
قبر کے پردے میں خوابیدہ ہیں وہ آرام سے
مصلحت قدرت کی تھی ہم ہو گئے محرومِ دید
آئے ہوں گے خیر مقدم کو ملک کہتے ہوئے
الفتِ آلِ نبیؐ ہے بابِ جنّت کی کلید
پاس ہیں شبیرؑ وہ شبّرؑ کے ارم میں اے نقیؔ
آج کل آرام سے سید رضی حیدر فریدؔ

294+222+1010+74+70+243+50+5=1968

محسن الملّت مولانا سید محسن نواب رضوی اعلیٰ اللہ مقامہ نے بھی فریدؔ کی وفات پر قطعہ تاریخ لکھا تھا جو حسب ذیل ہے۔

عبث ہے عیشِ دو روزہ کا آسرا اے دل
نہ جوڑ زیست سے الفت کا سلسلہ اے دل
فلک ستانے سے ہم کو نہ باز آئے گا!
ہوئی ہے صبر و تحمّل کی انتہا اے دل
وہ جانشین وحیدِ زماں و انسؔ و انیسؔ
کہوں تو کیسے کہ وہ آہ مر گیا اے دل
جو منبروں پہ گل افشاں رہا کیا برسوں
وہ آہ راہیِ خلدِ بریں ہوا اے دل
جو کل تھا رونقِ بزمِ حسینؑ غریب
وہ آج خاک کے بستر پر سو گیا اے دل
ہزار حیف وہ قحط الرجال میں اٹھا
کہے گا کون اب اس طرح مرثیہ اے دل
خطاب ہاتفِ غیبی میں سال رحلت ہے
فریدِؔ عصر وہ شاعر کہاں گیا اے دل

فریدؔ کی مرثیہ نگاری

فریدؔ کی شاعری کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں جس سے ان کے معیار کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے مکمل مرثیے پڑھنے پر تاثر میں اکثر کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

ساقی نامہ کا ایک بند

مے وہ عمارؓ نے مختارؓ نے بوذرؓ نے جو پی مومن پاک ہوئے مالکِ اشترؓ نے جو پی
اوصیا سے چھٹی ، جملہ پیمبرؑ نے جو پی ساقیا کعبے میں' رحمتِ داور نے جو پی
جس کے یہ نشے جمع تھے ترے میخواروں میں منہ سے ساغر نہ چھٹے چن گئے دیواروں میں

بچوں کی ہمت افزائی کے لئے جناب زینبؑ فرماتی ہیں

جنت پہ جن کو رشک ہو ایسے چمن بنے زخموں کے اتنے گل ہوں کہ گلزار تن بنے
دولہا جہاد کے بنو گل پیرہن بنے کپڑے ہوں خوں میں ڈوب کے خونی کفن بنے
نانی بلائیں لیتی ہوں وہ آن بان ہو جاؤ جو خلد میں تو شہیدوں کی شان ہو
جو ساتھ دے حسینؑ کا جنت سے ہو قریب رویا کرے گی بے کسی ایسے ہیں یہ غریب
قربان ہو جو راہِ خدا میں ہو خوش نصیب یہ دکھ' یہ غم' یہ رنج اٹھانا کسے نصیب
اک دن محبِ حسینؑ کے جاں اپنی کھوئیں گے ہم کاش ساتھ ہوتے یہ کہہ کہہ کے روئیں گے

حضرت عباسؑ کے گھوڑے کی تعریف

رخش کے ٹھاٹھ وہ ہیں شیرِ نیستاں کہیے دیکھ کر جاہ و حشم تختِ سلیمانؑ کہیے
کم سے کم برقِ مجسم رمِ جولاں کہیے ذہن تھک جائے اگر قدرتِ یزداں کہیے
نظریں شوقینوں کی اٹھتی ہیں جدھر پھرتا ہے چشمۂ نور ابلتا ہے' ادھر پھرتا ہے
عاشقِ آلِ نبیؐ' بغض ہے بے پیروں سے کوششوں میں نہیں غافل نہیں تدبیروں سے
جاتا ہے بچتا ہوا نیزوں سے شمشیروں سے برچھوں سا اڑتا ہے مشکیزہ بچے تیروں سے
رحمت اللہ کی ہو ساتھ میں وہ گھوڑا ہے پیاسے بچوں کا خیال اس کے لئے کوڑا ہے

حضرت علی اکبرؑ کے رجز کا اثر پیش کیا ہے

ناگہاں نعرۂ شیرانہ سے گونجا جنگل فرطِ ہیبت سے ہوئی چار طرف اک ہلچل
ہو کے گھوڑے الف اسوار گرے منہ کے بل صف وہ آخر ہوئی تھی جو تھی صفوں میں اول

جن کو لائے تھے لڑائی کے ارادے بھاگے پاؤں رکھ رکھ سواروں پہ پیادے بھاگے

مختصر حالات زندگی

(مرحوم سید محمد نقی محدث لکھنوی)

ترسے گی اب نگاہِ نقیؔ اُن کی دید کو
چھینا ہے یوں فلک نے جنابِ فریدؔ کو

خاندانِ انیسؔ کی ضوبار شمع جناب سید رضی حیدر عرف سلطان صاحب فریدؔ کی موت سے بجھ گئی۔ اور ہم ایک مہذب، سنجیدہ، حلیم، صاف گو اور حق پسند بزرگ کی شفقت سے محروم ہوگئے۔ مرحوم رشتے میں میرے بہنوی تھے۔ بھائی صاحب مرحوم مجھ سے عمر میں ۱۳ سال بڑے تھے۔

آپ کی ولادت ۱۸۹۲ء اور وفات ۱۹۶۸ء میں ہوئی۔ اس حساب سے مرحوم نے تقریباً عمر کی ۷۵ بہاریں دیکھیں۔ اچکن اور انگرکھے کی جگہ شیروانی، شیروانی کی جگہ کوٹ اور کوٹ کی جگہ بش شرٹ نے حاصل کی مگر مرحوم نے آخر عمر تک اپنی وضع بدلی نہ لباس نہ تہذیب اور نہ زبان۔ آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کی تعلیم یوں شروع ہوئی کہ آپ کے والد ماجد سید عابد صاحب مجیدؔ مرحوم نے آپ کو قرآن پڑھا کر ایک معلّم کے سپرد کیا۔ جس نے آمدنامہ، کریما، گلستان اور بوستان ختم کرائی۔ مولانا حامد حسن عرف میر سید صاحب مرحوم جو کتب خانہ ناصریہ کے مہتمم تھے ان سے فارسی کے ساتھ عربی پڑھی اور مزید تعلیم خطیبان مصر، مولانا محمد رضا مرحوم اور مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم سے حاصل کی۔ آخر میں جناب ناصر الملت کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے فارغ التحصیل ہو کر اپنے آبائی فن مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے ماموں پیارے صاحب رشیدؔ کی خدمت میں پہنچے۔ مرحوم نے حکم دیا کہ روز ایک غزل کہہ کر لاؤ۔ فریدؔ غزل کہہ کر لیجاتے اور رشیدؔ صاحب اپنے فرش کی دری کے نیچے رکھ دیتے۔ کچھ دنوں کے بعد رشیدؔ مرحوم نے فریدؔ صاحب کی لکھی ہوئی غزلوں کو ایک مٹی کے پرانے گھڑے میں منتقل کیا اور جب فریدؔ صاحب غزل لیجا کر پیش کرتے اُدھر سے حکم ہوتا کہ گھڑے میں ڈال دو۔ اسی طرح ایک سال اور فریدؔ صاحب اپنے صبر کا امتحان دیتے رہے۔ آخر ایک دن آپ نے کہدیا "ماموں ابا یہ گھڑا تو بھر گیا اب دوسرا

رکھوا دیجئیے''۔ رشیدؔ صاحب نے سمجھ لیا کہ بھانجے کا پیمانہ صبر چھلکنے کو ہے۔ مرحوم نے مشفقانہ انداز میں کہا'' اچھا فریدؔ اس طرح میں۔

'جامِ جم لے کر چلا تھا جب سکندر ہاتھ میں'

ایک غزل اور کہہ لو اور اسی طرح میں ایک سلام بھی اور ہر قافیہ میں رُخ بدل کر چار چار شعر کہنا''۔

فریدؔ صاحب آداب کہہ کر رخصت ہوئے۔ رات بھر جاگے دوسرے دن غزل اور سلام حسبِ حکم ماموں صاحب کی خدمت پیش کیا۔ رشیدؔ صاحب نے قلم اٹھایا کسی مصرع میں لفظ بدلا، کہیں شعر پر 'ص' بنایا کسی تخیل کی تعریف فرمائی کہیں الفاظ کی باسلیقہ بندش پر پیٹھ ٹھونکی۔ فریدؔ مرحوم کہتے تھے کہ اس دن پچیس تیس مرتبہ کھڑے ہوکر اپنے ماموں جان کو مودّبانہ تسلیم کی۔ جناب رشیدؔ مرحوم نے غزل اور سلام واپس کرتے ہوئے فرمایا'' فریدؔ اب تم مرثیہ کہنا شروع کرو تمہاری مشق بڑھانے کے لئے تم سے اتنی غزلیں کہلوالیں۔ کیونکہ مثلث ، رباعی ، خمسہ اور بند میں شاعر اپنے جذبات ، احساسات ، خیالات اور واقعات کو تین چار ، پانچ اور چھ مصرعوں میں نظم کرتا ہے اور غزل میں جملہ مطالب صرف دو مصرعوں میں نظم کرنا پڑتے ہیں''۔ یہ فرما کر مرحوم نے مرثیہ کے نکات سمجھائے اور کہا فریدؔ اب اپنے بزرگوں کے مرثیے دیکھ لو۔ وہی میرے لئے مشعلِ راہ تھے اور وہی تمہاری بھی رہنمائی کریں گے۔
اب فریدؔ صاحب نے جملہ ہدایات پر عمل کرتے ہوئے انیسؔ ، مونسؔ ، وحیدؔ ، جلیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مرثیہ گوئی کے میدان میں قدم رکھا اور پہلا مرثیہ جس کی ابتدا اس مصرعہ سے ہوتی ہے۔

ع ۔ شگفتگیِ گُلِ مضموں کی ہے بہارِ سخن

نظم فرما کر رشیدؔ کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے سن کر مرحوم بہت خوش ہوئے۔ کامیابی کی دعائیں دیں اور یہ انہیں دعاؤں کا اثر تھا کہ اپنے عہد میں فریدؔ فردِ فرید تھے۔ دوسرا مرثیہ فریدؔ صاحب نظم کر رہے تھے کہ جناب رشیدؔ کا انتقال ہوگیا اب فریدؔ صاحب نے اپنے قوّتِ علم وفن کے سہارے اپنے اسلاف کی بنائی ہوئی شاہراؤں پر چلنا شروع کیا۔ ہر سال نیا مرثیہ کہتے اور ۲۳ رجب کو ناظم صاحب کے امام باڑے میں پڑھتے۔ مرثیے مقبول ہوتے گئے اور شہرت بڑھتی گئی۔ اب مرحوم مستقل عشرہ محرم میں پٹنہ اور اربعین میں حیدرآباد دکن جانے لگے۔ اس حقیقت کا ظاہر کرنا بیجا نہ ہوگا کہ لکھنؤ کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن میں کچھ معمولی اردو جاننے والے اور کچھ ان پڑھ، لیکن شرکتِ

محفل ومجالس اور خدمتِ اہل عزا کی بنا پر کافی شہرت رکھتے تھے۔ اگر ان میں سے اس وقت ایک بھی زندہ ہوتا تو میں سب کے نام ظاہر کر دیتا مگر یہ واقعہ ہے کہ ان شہرتِ عامہ رکھنے والے حضرات سے ذاکرین اپنے کو وابستہ رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کی توجہ کامیاب اور عدم توجہی ذاکر کو ناکام بنا دیتی تھی۔ صرف فریدؔ صاحب ہی ایسے تھے جو ان حضرات سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حضرات نے جناب سلیسؔ کی زوجہ ثانی کے فرزند جناب علی نواب قدیمؔ کو مدّ مقابل بنا کر اس طرح پیش کیا کہ اب کہ سالانہ مجلس کی تاریخ اور وقت پر سید تقی صاحب قبلہ مرحوم کے امام باڑے میں قدیمؔ صاحب پڑھنے لگے۔ پھر طویل خاموشی کے بعد قدیمؔ صاحب کی مجلس کا پوسٹر اس سرخی کیساتھ نمودار ہوا۔

"قدیمؔ کا دورِ جدید"

ابھی یہ کاغذی ناؤ چل ہی رہی تھی کہ گولہ گنج میں اپو صاحب بیانؔ مرحوم کے وہاں فریدؔ صاحب نے مجلس پڑھی۔ اس مجلس میں ایک مرحوم شاعر صاحب بھی شریک تھے۔ ختم مجلس کے بعد ان بزرگ نے فریدؔ صاحب کے مرثیہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ فریدؔ صاحب آپ کے مرثیہ میں دو بند ایسے ہیں جن میں اوپر کے مصرعے بدلنے والے ہیں۔ فریدؔ صاحب نے جواب دیا قبلہ یہ غزل نہیں مرثیہ ہے۔ شاعر موصوف نے فرمایا کہ میں مرثیہ بھی کہہ لیتا ہوں۔ فریدؔ صاحب یہ کہتے ہوئے اٹھے میں مانتا ہوں کہ آپ نے مرثیہ کہا ہوگا آپ سے پہلے دوسروں نے کہا اور آئندہ بھی کہیں گے لیکن مرثیہ گوئی ہماری میراث ہے۔ جیسی استخوان بندی ہم کر لینگے غیر نہیں کر سکتے۔ بات بظاہر ختم ہوگئی لیکن اسکا ردِ عمل یہ ہوا کہ محترم شاعر صاحب مرحوم نے اپنے ایک شاگرد کو مرثیہ گوئی پر آمادہ کیا اور فریدؔ صاحب کے لئے دوسرا محاذ تیار ہو گیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے فریدؔ صاحب کے مخلص دوست مولانا حیدر حسین نکہتؔ نے مرحوم کو یہ مشورہ دیا کہ وہ لکھنؤ میں پڑھنا ترک کر دیں۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ فریدؔ صاحب کے گوشہ نشین ہونے کے بعد وہ دونوں حضرات جو فریدؔ صاحب کے مقابلہ پر لائے گئے تھے انہیں بہ حیثیت مرثیہ گو پھر ممبر پر نہیں دیکھا گیا۔ لیکن فریدؔ صاحب ہر سال نیا مرثیہ کہتے اور گھر پر اپنے مخصوص احباب اور اعزّا کو بلا کر سنایا کرتے۔ ۱۹۶۸ء یوم پنجشنبہ کو دس بجے مرحوم اپنے ممدوح کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۵۰ء تک مرحوم نے جو مرثیے تصنیف کئے ہیں اسکی فہرست اور ہر مرثیہ کا ایک بند بہ احتیاط پیش کروں گا۔ مومنین مرحوم کو سورہ فاتحہ سے

یاد فرمائیں۔

مرحوم فخریہ سرممبر کہا کرتے تھے کہ بہ عیوض برکات مولانا سید محمد رضا صاحب اور مولانا سید سبط حسن صاحب کے ہیں جن کی برسوں جوتیاں سیدھی کر کے ان حضرات سے میں نے علوم حاصل کئے ہیں۔ فریدؔ صاحب مرحوم نے ۱۹۱۶ء میں مرثیہ خوانی کے میدان میں قدم رکھا۔ اور ہر سال ۲۳ رجب کو امام باڑہ ناظم صاحب مرحوم میں اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھتے رہے۔ اس دور کے وہ ادب نواز سامعین وہ تعلیم یافتہ مہذب وہ وضع دار اور اخلاق کے پیکر جن کا اندازِ نشست مشعلِ ہدایت۔ وہ اخلاق کی جیتی جاگتی تصویریں اب کہاں! اس وقت کی یہ تہذیب تھی کہ کوئی خود اپنے بزرگ سے آگے بیٹھنے کی جسارت بھی نہیں کرتا تھا۔ برابر والے کی اگر کسی کی طرف پشت ہو جاتی تو معافی کے طالب ہوتے تھے۔ چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے تھے۔ بڑے چھوٹوں سے شفقت ومحبت سے پیش آتے۔ آہ وہ نظارے جو یہ آنکھیں دیکھ چکی۔ آج ان مناظر کو ترستی ہیں۔ اگر کسی بزرگ نے کسی بند یا بیت کی تعریف کر دی یا مکرّر پڑھنے کی فرمائش کی تو فریدؔ صاحب بیحد ادب وانکساری سے سلام کر کے فرماتے کہ آپ کی تعریف میرے لئے سند ہے۔ کیونکہ آپ نے میرے بزرگوں کو بھی سنا ہے۔ بہر حال یہ قدیم لکھنؤ یا مرحوم لکھنؤ کی ایک جھلک تھی جو چند لفظوں میں پیش کی۔ کیونکہ اب نہ وہ سامع ہیں اور نہ وہ ذاکر۔ فریدؔ صاحب کے لکھے اور کہے ہوئے ۲۳ مرثیے میرے زیر نظر ہیں۔ ہر مرثیہ کا پہلا مصرع سنہ تصنیف کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

۱	شگفتگیٔ گلِ مضموں کی ہے بہار سخن	۱۹۱۶ء
۲	حکمراں وہ ہے کہ ہو فیض رساں جس کا وجود	۱۹۱۷ء
۳	صف بستہ آگے پیچھے ہیں سب بانیانِ شر	۱۹۱۸ء
۴	دے دی جہاد کی جو اجازت امامؑ نے	۱۹۲۱ء
۵	یارب غمِ سفر میں کوئی مبتلا نہ ہو	۱۹۲۲ء
۶	ایک مظلوم کا دکھ درد سنانا ہے مجھے	۱۹۲۱ء
۷	شہؑ جو خیمے سے برآمد ہوئے اکبرؑ کو لئے	۱۹۲۲ء
۸	پھر ضو فگن آئینۂ عنوانِ سخن ہے	۱۹۲۳ء

۹	باتیں جوغم انگیز ہیں دل سب کے بھر آئے	۱۹۲۴ء
۱۰	پھر آج عزمِ بارگہہ مدح شاہؑ ہے	۱۹۲۵ء
۱۱	تیغ عباسؑ کھنچی رن میں ہوئی ایک ہلچل	۱۹۲۶ء
۱۲	جلوہ گر رخش پہ عباسؑ علمدار ہوئے	۱۹۲۸ء
۱۳	شوکت عجب ہے بارگہہ مدح شاہؑ کی	۱۹۲۹ء
۱۴	دی رن کی رضا ہو گئے مجبور جو سرورؑ	۱۹۳۰ء
۱۵	صدقہ ماں پہلے تو زخموں کا گلستاں دیکھو	۱۹۳۲ء
۱۶	ناگہاں پہنچے جو میداں میں جناب عباسؑ	۱۹۳۳ء
۱۷	کھول اے ذہن رسا پھر درِ میخانۂ نظم	۱۹۳۴ء
۱۸	اصغرؑ کو دفن کر کے جو شہؑ روئے اشکبار	۱۹۳۵ء
۱۹	مجبور جب جہاد پہ شاہِؑ امم ہوئے	۱۹۳۶ء
۲۰	سب سے مل جُل کے کہا آؤ سکینہ آؤ	۱۹۳۷ء
۲۱	بخدا فرض شناسی ہے بشر کا جوہر	۱۹۳۸ء
۲۲	جانے کو قتل گاہ میں تھے سرورِ اممؑ	۱۹۳۹ء
۲۳	اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے	

مرحوم نے جتنے مرثیہ لکھے اس میں دو سو بند سے کم کوئی نہیں ہے۔ ''مجبور جب جہاد پہ شاہِؑ امم ہوئے'' یہ مرثیہ دو سو ستائیس بند کا ہے اور'' کھول اے ذہنِ رسا پھر درِ میخانۂ نظم'' ۲۶۵ بند کا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں مرحوم کو یہ خیال ہوا کہ اب طولانی مرثیوں کا وقت ختم ہو چکا ہر شخص فکر معاش میں مبتلا ہے۔ قوم کی اقتصادی حالت کمزور ہو رہی ہے اور لوگوں میں جذبہ قدر وقت بڑھ رہا ہے اور بر بنائے طول عوام مرثیہ خوانی کی مجلسوں پر حدیث خوانی کو ترجیح دینے لگے ہیں جو ایک گھنٹے میں فضائل و مصائب پر ختم ہو جاتی ہیں۔ لہذا مرثیہ میں بھی اختصار ہونا چاہیئے۔ اس خیال کے

پیشِ نظر آپ نے مختصر مرثیے لکھنا شروع کیے۔ اس رنگ میں اسکا پہلا مرثیہ ''اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے'' اور صرف ساٹھ بند میں چہرہ، رخصت، تلوار اور گھوڑے کی تعریف، رزم، ساقی نامہ آخر میں حالِ شہادت پر مرثیہ ختم کیا ہے۔ اس سلسلہ اور اس عنوان کے چھ مرثیے تصنیف کر کے وقت کے تقاضے کے مطابق یہ نیا راستہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کو دکھا کر آپ ابدی نیند سو گئے۔ مرحوم کی مجلس چہلم امام باڑہ ناظم صاحب میں ہوئی۔ جہاں نادر الدین مولانا سید ابن حسن صاحب نے مرحوم کی شاعری اور مرثیہ گوئی کی خوبیوں کو اس عنوان سے بیان کیا کہ آپ کی نثر میں سننے والوں کو نظم کا لطف حاصل ہو رہا تھا۔ موصوف کی ذاکری سے قبل پہلی تاریخ وفات عالیجناب ڈاکٹر ہنر صاحب نے اور دوسری تاریخ میں نے پڑھی چونکہ مرحوم سے قرابت رکھتا ہوں۔ میں نے اپنی تاریخ میں مرحوم کی نسبتی حیثیت کو نظم کیا ہے۔ تاکہ اس مضمون کے پڑھنے والے فریدؔ صاحب کے خاندان سے بھی واقف ہو جائیں۔ قطعہ تاریخ۔

آج بھی کہتا ہے ہم سے کربلا کا ہر شہید　　پیش کر اشکوں کے موتی آ اِدھر جنت خرید
مجلس چہلم ہے جن کی ہے یہ اسکا خاندان　　اُنسؔ کے بیٹے تھے دو اور اس میں اکبر تھے وحیدؔ
اُن وحیدِؔ عصر کے اک چھوٹے بھائی اور تھے　　ننھے صاحب جنکو کہتے تھے تخلص تھا سعیدؔ
اور سعیدؔ باصفا کے ایک ہی فرزند تھے　　نام جن کا سید عابد اور تخلص تھا مجیدؔ
فخر کے قابل نہ کیوں ہوں یہ مجیدؔ خوش خصال　　ان کے ہی فرزندِ عالی تھے رضی حیدر فریدؔ
اپنے ورثہ میں تھا پایا مرثیہ گوئی کا فن　　آپ کے ماموں تھے استادِ زماں حضرت رشیدؔ
آپ کے غم میں ہے یوں تو ہر شناسا سوگوار　　آپ کے مرنے کا اہلِ فن کو ہے صدمہ شدید
فیضِ خالق سے ملا تھا ان کو یہ تازہ کمال　　آپ نے بخشا ہے ساقی نامے کو طرزِ جدید
مدح خوانِ پنجتنؑ تھے ہے یقین انکے لئے　　لطفِ خالق سے بنے گا روزِ محشر روزِ عید
آپ کے اشعار ہیں آئینہ اظہارِ حق　　ہوتا ہے جس سے نمایاں صبرِ شہؑ ظلمِ یزید
پیروئے شبیرؑ تھے بس صابر و شاکر تھے وہ　　خالق اکبر سے وابستہ تھی انکی ہر امید
قبر کے پردے میں خوابیدہ ہیں، وہ آرام سے　　مصلحت قدرت کی تھی ہم ہوگئے محرومِ دید

الفتِ آلِ نبیؐ ہے بابِ جنت کی کلید　　آئے ہوںگے خیر مقدم کو ملک کہتے ہوئے

پاس ہیں شبیرؑ وشبرؑ کے ارم میں اے نقیؔ

آج کل آرام سے سید رضی حیدر فریدؔ

294+222+1010+74+70+243+50+5 = 1968

اقتباسات مراثی فریدؔ مرحوم

انصارِ حسینؑ کے حال کا مرثیہ۔ چہرے کے پہلے بند:

ہا ں بس اے طبع رسا تیزیٔ جودت دکھلا　　گرم زندانِ وفا کیش کی صحبت دکھلا

گردشِ ساغر و پیمانہ بہ عجلت دکھلا　　بزم مشتاق ہے میخانۂ جنّت دکھلا

عالم اک وجد کا طاری ہو وہ نظارہ ہو

برسوں نظروں میں رہے ایسا سماں پیارا ہو

انصارِ حسینؑ جنّت میں باہم گفتگو کر رہے ہیں:

پیاسے دو دن کے رہیں گے لب کوثر پیاسے　　جمع ہوجائیں نہ جب تک کہ بہتر پیاسے

ہے خطا لیں جو ترے ہاتھ سے ساغر پیاسے　　کہ پھڑکتے ہیں اسی جھولے میں اصغرؑ پیاسے

بے طلب ہم تو یہاں بادۂ کوثر پائیں

اور وہاں مانگے سے پانی بھی نہ سرورؑ پائیں

جناب علی اکبرؑ کے حال کے مرثیہ میں:

مہک وہ جسم کی وہ رخ کی ضیا صلِ علیٰ　　زلفیں مس کرتی ہے کہہ کہہ کے ہوا صلِ علیٰ

گونج کر کہتی ہے ٹاپوں کی صدا صلِ علیٰ　　چار سو دشت میں ہے صلِ علیٰ صلِ علیٰ

گرد اٹھتی ہے جو تحصیلِ سعادت کے لئے

اونچے ہوجاتے ہیں ذرّے بھی زیارت کے لئے

جناب علی اکبرؑ کی ہیبت کا منظر ایک بند میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

ناگہاں نعرۂ شیرانہ سے گونجا جنگل　　فرطِ ہیبت سے ہوئی چار طرف اک ہلچل

ہوتے گھوڑے الف اسوار گرے پشت کے بل صف وہاں آخر ہوئی تھی جو صفوں میں اوّل
جن کو لائے تھے لڑائی کے ارادے بھاگے
پاؤں رکھ رکھ کے سواروں پہ پیادے بھاگے

اسی مرثیہ میں جنابِ علی اکبرؑ کے گھوڑے کی تعریف:

رخش وہ رخش ہے بچپن سے جو ہمراہِ رکاب اس قدر تیز قدم ہے کہ ہوا نام عقاب
بنتا ہے گرمئ میدانِ جدل سے سیماب سن کے تکبیر کی آواز پھر آیا ہے شباب
وصف جتنا بھی نزاکت کا ہو وہ تھوڑا ہے
کہ ہوا تیغ کے دامن کی اسے کوڑا ہے

اس مرثیہ میں ساقی نامہ کا ایک بند:

مے وہ عمار نے مختار نے بوذر نے جو پی مومنِ پاک ہوئے مالکِ اشتر نے جو پی
اوصیا سے نہ چھٹی جملہ پیمبرؐ نے جو پی ساقیا کعبہ میں خود رحمتِ داور نے جو پی
جسکے یہ نشے جمع تھے ترے میخواروں میں
منھ سے ساغر نہ چھٹے چُن گئے دیواروں میں

ایک مرثیہ ''مجبور جب جہاد پہ شاہِؑ امم ہوئے'' میں جناب زینبؑ اپنے بچوں سے جنت کا نقشہ بیان کر رہی ہیں:

جس سمت دیکھو قدرتِ خالق ہے جلوہ گر حوریں ٹہلتی ہیں روشوں پر اِدھر اُدھر
تم سے گنی نہ جائیں گی نہریں ہیں اس قدر وہ صنعتیں عجیب کہ حیران ہو بشر
بجلی کی آب و تاب ہے ہر ایک لہر میں
چاندی گلی ہوتی ہے کہ پانی ہے نہر میں

کوثر کے ارد گرد درختوں کی وہ قطار مستوں کی طرح جھومتی شاخیں وہ میوہ دار
ضو دے رہے ہیں رنگ برنگی جو برگ و بار روشن چمن کا عکس ہے پانی میں آشکار

تا دور طرفہ کیف یہ ہے آب و تاب میں
اک آگ ہے لگی وہ چراغاں ہے آب میں

بچّوں سے جنّت وکوثر کا حال ماں یوں کہتی ہیں:

بچّے ہو اپنے ماموں کا کیا جانو مرتبہ یہ وہ ہیں جن کے نور سے باغِ جناں بنا
سردار، اہلِ خلد ہیں مظلومِ کربلا جد انکے مصطفیؐ جو ہیں سرتاجِ انبیاء
زہراؑ کے لعل ختمِ رُسل کے نواسے ہیں
ساقی ہیں ناناان کے یہ دودن کے پیاسے ہیں

جنابِ زینبؑ بچّوں کی ہمت افزائی کے لئے مزید فرماتی ہیں:

جنّت پہ جنکو رشک ہو ایسے چمن بنے زخموں کے اتنے گل ہوں کہ گلزار تن بنے
دلھا جہاد کے بنو گل پیرہن بنے کپڑے ہوں خوں میں ڈوب کے خونی کفن بنے
نانی بلائیں لیتی ہوں وہ آن بان ہو
جاؤ جو خلد میں تو شہیدوں کی شان ہو

جو ساتھ دے حسینؑ کا جنّت سے ہو قریب رویا کرے گی بیکسی ایسے ہیں یہ غریب
قربان ہو جو راہِ خدا میں ہے خوش نصیب یہ دکھ یہ غم یہ رنج اٹھانا کے نصیب
اک دن محبِّ حسینؑ کے جاں اپنی کھوئیں گے
ہم کاش ساتھ ہوتے یہ کہہ کہہ کے روئیں گے

اسی مرثیہ میں ساقی نامہ کے بند:

پئیں بادہ جو ہے بادۂ عرفانِ خدا جسکے ہر قطرے سے آتی ہے نظر شانِ خدا
جسکے پینے سے بڑھے وقعتِ فرمانِ خدا مے وہ ہے جس سے کہ مانا گیا قرآنِ خدا
جو محمدؐ کی رسالت کے لئے تاج ہوئی

نشہ جب اور بڑھا عرش پہ معراج ہوئی

جسکی تلچھٹ کو کہیں آبِ بقا وہ بادہ نشہ جو بادہ کا ہے صبر و رضا وہ بادہ
روح اپنی جسے سمجھے صُلحا وہ بادہ جس کو پیتا تھا نصیری کا خدا وہ بادہ
بڑھ گیا کیف محمدؐ کے جو بستر پہ پیا
کعبہ کعبہ ہوا جب دوش پہ احمدؐ کے پیا

خوبیاں بڑھتی ہیں یوں بادہ کی تاثیروں میں کوئی تلواروں میں پیتا ہے کوئی تیروں میں
کیف اللہ کی باتوں کا ہے تقریروں میں پی رہا ہے کوئی جکڑا ہوا زنجیروں میں
مست ہو قید یونہی عمرِ رواں کی کاٹی
موت نے جام دیا پاؤں کی بیڑی کاٹی

جنابِ عونؑ محمدؑ کے حال کے تیسرے مرثیہ کے چند بند:

کونین میں جواب نہیں جسکا وہ شراب عصیاں ہیں بے شمار پیوں کیوں نہ بے حساب
مستی میں ہو سوال نکیرین کا جواب مرقد سے تا بہ خلد بنے جادۂ ثواب
اٹھوں لحد سے تیرے قدم چومتا ہوا
گزروں پُلِ صراط سے میں جھومتا ہوا

سمجھا تجھے جو وہ ترا دیوانہ بن گیا انساں تو کیا فرشتہ بھی دیوانہ بن گیا
رحمت کا دل ترے لئے کاشانہ بن گیا جلوہ جہاں ہوا وہیں میخانہ بن گیا
ساقی تجھے پسند خدا ہی کا گھر ہوا
کعبہ میں در ہوا کبھی مسجد میں در ہوا

حضرتِ عباسؑ کے حال کے مرثیہ کے چند بند۔ پسر سعد جناب عباسؑ سے کہہ رہا ہے

شمر بھی آپ کا کوئی ہے یہ بھائی ہیں اگر　　جنگ کرنا نہیں زیبا ہے مخالف ہو کر
اک طرف سے ہوں بُرے جان کا ہو مفت ضرر　　یہی انسب ہے کہ لڑیئے نہ اِدھر اور نہ اُدھر
شاق رنج ان کا بھی ہو بار ملال ان کا بھی
پاس ان کا بھی رہے اور خیال ان کا بھی

شہؑ سے یا کہیئے کریں بیعتِ حاکم منظور　　دخل کچھ اس میں نہ دیں سلطنتی جو ہیں امور
ڈالنا تہلکہ میں جان کا ہے عقل سے دور　　ورنہ لکھ لیجیئے یہ ہوگی شکست آج ضرور
دیکھیے سیکڑوں جرّار ہیں اور صفدر ہیں
اس طرف کون ہے اب آپ ہیں یا اکبرؑ ہیں

سُن کے احوال یہ فرمایا کہ بس روک زباں　　رحم کھا شمر کے باعث سے نہ تو او شیطاں
پاسِ ملحد سے میں چھوڑوں شہِ دیں کا داماں　　دوں نجس ہاتھوں میں کفّار کے ناطق قرآں
بیٹھ کر کھاؤں پیوں چین سے غدّاروں میں
اور پیمبرؐ کا کلیجہ رہے تلواروں میں

ہیں یہ آثارِ غضب فتح کا عنواں نہ سمجھ　　دوزخی شعلے سمجھ بزمِ چراغاں نہ سمجھ
قتل کو حضرتِ شبیرؑ کے آساں نہ سمجھ　　عرصۂ حشر سمجھ جنگ کا میداں نہ سمجھ
آخری دین کے تکمیل کی منزل ہے آج
صبرِ شہؑ ظلمِ یزیدی کے مقابل ہے آج

آزمائش تو کرے گھیر کے لشکر مجھ کو　　کس لئے کہتے ہیں سب ثانیِ حیدرؑ مجھ کو

کثرتِ فوج پہ دھمکاتا ہے خود سر مجھ کو　　　شیر سے بڑھ کے سمجھتے ہیں غضنفر مجھ کو
مرنٹوں جب بھی میرے غصّے سے تھرائینگے
میرے مدفن کی بھی جھوٹی نہ قسم کھائینگے

حضرتِ عباسؑ کے گھوڑے کی تعریف:

رخش کے ٹھاٹ وہ ہیں شیرِ نیستاں کہیئے　　　دیکھ کر جاہ و حشم تختِ سلیمانؑ کہیئے
کم سے کم برقِ مجسّم رمِ جولاں کہیئے　　　ذہن تھک جائے اگر قدرتِ یزداں کہیئے
نظریں شوقینوں کی اٹھتی ہیں جدھر پھرتا ہے
چشمۂ نور اُبلتا ہے جدھر مڑتا ہے

عاشقِ آلِ نبیؐ بغض ہے بے پیروں سے　　　کوششوں میں نہیں غافل نہ ہی تدبیروں سے
جاتا ہے بچتا ہوا نیزوں سے شمشیروں سے　　　برچھوں اڑتا ہے کہ مشکیزہ بچے تیروں سے
رحمت اللہ کی ہے ساتھ میں وہ گھوڑا ہے
پیاسے بچّوں کا خیال اس کے لئے کوڑا ہے

اسی مرثیہ کے ساقی نامے کے بند ملاحظہ ہو:

طلبِ بادہ بھی مستِ مئے دیدار بھی ہے　　　دیکھئے جسکو وہ بیہوش بھی ہشیار بھی ہے
مے کی توصیف میں کیفیتِ اسرار بھی ہے　　　تو تو اس بادہ کا ساقی بھی ہے میخوار بھی ہے
کیوں نہ پھر پینے پلانے کا یہ پیمانہ ہو
گھر جب اللہ کا ساقی کا زچہ خانہ ہو

واقعہ کہتا ہے میں کیوں کہوں کیونکر پی ہے　　　بھرے میدان میں دن کو سرِ ممبر پی ہے

ایک ہی جام میں ہمراہِ پیمبرؐ پی ہے　　فرقِ احمدؐ سے بلند آپ نے ہو کر پی ہے
دیکھ کر ہوش و حواس اہلِ وغا کے گم تھے
دیں کی تکمیل کے پیمانۂ غدیرِ خم تھے

بارہا پی سپرِ شافعِ محشر بن کے　　کفر پسپا ہوا پی قاتلِ عنتر بن کے
پی ہے خندق پہ کبھی فاتحِ خیبر بن کے　　پی کبھی بسترِ احمدؐ پہ پیمبرؐ بن کے
معجزے بادۂ عرفان کے بھی ہوتے ہیں
کہہ دیا دیکھنے والوں نے نبیؐ سوتے ہیں

جنابِ عباسؑ مشک بھرنے کے بعد گنجِ شہیداں کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں:

کہتے ہیں کاش کہ تم سب لبِ ساحل ہوتے　　اور یہ پپڑائے ہوئے ہونٹ خنک دل ہوتے
آب کے جانے میں مانع جو یہ جاہل ہوتے　　مشک پہ سینہ سپر ہو کے مقابل ہوتے
خون برستا ہوا ہر تیغِ دو دم سے جاتا
پانی بچوں کا بڑے جاہ و حشم سے جاتا

وہ مدد چاہتا ہے تم سے وفاداروں کی　　تنِ تنہا جو لڑا فوج سے غدّاروں کی
بے دھڑک کود پڑا آنچ میں تلواروں کی　　کیا کرے، مشک ہے یہ فاطمہؑ کے پیاروں کی
بے بسی وہ ہے کہ دل ٹکڑے ہو جاں بازوں کا
آج عباسؑ کو ڈر ہے قدر اندازوں کا

☆☆☆

سلطان صاحب فریدؔ

(مرحوم ڈاکٹر سید فدا حسین)

جناب سید رضی حیدر عرف سلطان صاحب فریدؔ جو میر انیسؔ کے چھوٹے بھائی میر اُنسؔ کے پوتے ہیں۔ ان کے زمانے تک مرثیہ گوئی کا آخری دور چل رہا تھا۔ اس وقت دولہا صاحب عروجؔ (جو میر انیسؔ کے پوتے اور میر نفیسؔ کے بیٹے تھے) ماہِ رجب کی ۲۵ تاریخ دلارام کی بارہ دری لکھنو میں ہر سال نیا مرثیہ پڑھتے تھے۔ اُس زمانے میں جناب بابو صاحب فائقؔ جو عارفؔ صاحب مرحوم کے بیٹے تھے اور جناب شدیدؔ صاحب جو پیارے صاحب رشیدؔ مرحوم کے نواسے تھے یہ سب حضرات ہر سال اپنا نیا مرثیہ ماہ رجب میں پڑھا کرتے تھے اور اس طرح رجب کے زمانے میں بڑی گہما گہمی رہتی تھی۔ اور باہر سے حضرات مجالس میں شرکت کے لئے آتے تھے۔

جناب سلطان صاحب فریدؔ بھی اپنا نیا مرثیہ رجب کی ۲۶ تاریخ ناظمؔ صاحب مرحوم کے امام باڑے میں ہر سال پڑھتے تھے۔ یہ مجلس میرے والد میر عبدالحسین صاحب مرحوم کرتے تھے، جو کہ برسوں قائم رہی۔ اس مجلس میں سیکڑوں آدمی شرکت کرتے تھے۔ جناب چکبستؔ صاحب خاص طور سے یہ کشمیری پنڈت صاحبان ضرور تشریف لاتے تھے۔ مجلس خوب کامیاب ہوتی اور دور دور تک اس کی شہرت پھیلتی گئی۔

لیکن ایک سال ایسا ہوا کہ ایک صاحب کاغذ پنسل لے کر ممبر کے غلاف کے اندر چھپ کر بیٹھ گئے۔ اور اپنے پاس باہر دو آدمی دہنے بائیں بٹھا لیئے۔ اگر لکھنے سے کچھ چھوٹ جائے تو وہ کبھی اپنے دہنے ہاتھ پر بیٹھے آدمی کو اندر سے ٹھوکا دیتے کہ پھر دوبارہ پڑھوایئے اور کبھی بائیں ہاتھ پر بیٹھے آدمی کو اور اس طرح سے وہ پورا مرثیہ لکھ کر لے گئے۔ وہ صاحب مفتی گنج کے رہنے والے تھے۔ اس حرکت کی خبر فریدؔ صاحب کے ایک ملنے والے ہاشم حسین کو ملی جو اُن کے محلے میں ہی رہتے تھے۔ لہذا انہوں نے کوشش کر کے وہ مرثیہ وقتی طور پر حاصل کر لیا اور فریدؔ صاحب کو لا کر دکھایا۔ فریدؔ صاحب نے پورا پڑھا اور پھر قسم کھائی کہ میں آج سے لکھنو میں کبھی مجلس نہیں پڑھوں گا۔

سلطان صاحب فریدؔ ملک کے مختلف مقامات میں مجالس پڑھنے جایا کرتے تھے۔ وہ پٹنہ عظیم آباد ہر سال عشرہ پڑھنے جاتے۔ اصغر آباد میں تین مجالس ہر سال پڑھتے اور خوب شہرت ہوتی۔

فریدؔ صاحب حیدر آباد دکن بھی دو سال مجلس پڑھنے گئے۔ حضور نظام بھی مع راجہ کشن پرشاد مجلس میں شرکت فرماتے اور کیونکہ دونوں حضرات خود بھی شاعر تھے۔ کلام سے لطف لیتے اور تعریف کرتے۔

ہر سال سلیم پور اسٹیٹ میں عشرۂ ثانی ہوتا تھا۔ جس میں فریدؔ صاحب چار مجلس پڑھتے تھے۔ مرثیہ کی بہت تعریف ہوتی اور راجہ صاحب خود بھی کلام کے اس قدر شیدا تھے کہ فریدؔ صاحب کی جائے سکونت پر آ کر گھنٹوں تشریف رکھتے۔ لوگوں نے اُن کی طبیعت کا رجحان دیکھ کر یہ بات اُڑا دی کہ ان کے بزرگ مرثیے لکھ کر رکھ گئے ہیں جو کہ وہ اپنے نام سے مجالس میں پڑھتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات طے پائی کہ ایک نیا مرثیہ ان سے از مطلع تا مقطع ساقی نامے میں پڑھوایا جائے جو آج تک کسی نے نہیں کہا تھا۔

جب فریدؔ صاحب سے فرمائش کی گئی تو انہوں نے ساقی نامے میں پورا مرثیہ کہا اور دوسرے سال سلیم پور میں پڑھا۔ میری عمر اس وقت کم تھی اور میں بھی مجلس میں شریک تھا۔ لیکن اس کے تین مصرعے آج بھی مجھے یاد ہیں، جو امام حسین علیہ السلام کے رفقاء کے بارے میں کہے ہیں (وہ چوتھا مصرع اور بیت ہے) لیکن ساقی نامے کی رعایت موجود ہے۔ فرماتے ہیں۔

؎ مر مٹے مست مگر بادۂ الفت میں رہے
عشق ساقی کا رہا خوئے اطاعت نہ گئی
گردنیں کٹ گئیں لبیک کی عادت نہ گئی

(نوٹ) کربلا کا یہ ایک سچا واقعہ ہے جو کس قدر خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ لیکن فریدؔ صاحب مرحوم کو راجہ صاحب کی یہ بات بہت گراں گزری۔ پھر اس مجلس کے پڑھنے کے بعد سلیم پور نہیں گئے۔ ان کو اپنی بات کے آگے دولت کی بالکل پرواہ نہ تھی۔ حالانکہ راجہ صاحب برابر کوشاں رہے۔

مجھے یہاں حضرتِ حُرؑ کے حال میں فریدؔ صاحب کے ایک مرثیے کے چار مصرعے یاد آگئے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ عمرِ سعد سرادرِ فوجِ یزید کو معلوم ہوتا ہے کہ حُرؑ کا ارادہ فوجِ حسینیؑ میں شامل ہونے کا ہے تو وہ بہت سمجھاتا ہے۔

اور پھر آخر میں حُرؑ کو نتیجے سے بھی ڈراتا ہے کہ تمہارے بعد خاندان پر تباہی آجائے گی۔ لیکن اس کے جواب میں حضرتِ حُرؑ فرماتے ہیں۔

تو جانتا ہے حرب شہؑ کربلا سے ہے
ہرگز نہیں یہ جنگ و جدل مرتضےٰؑ سے ہے
گر مرتضےٰؑ سے ہے تو سمجھ مصطفےٰؐ سے ہے
ان سے لڑائی ہے تو لڑائی خدا سے ہے

حضرتِ حُرؑ دورانِ گفتگو عمرِ سعد کے ڈرانے پر فرماتے ہیں۔

ع ۔ شہ رگ کے ساتھ کٹتا ہے رستہ بہشت کا

دراصل کلام کا لطف تو پورا مرثیہ پڑھنے پر ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اِدھر اُدھر کے مصرعے پڑھنے سے وہ بات کہاں پیدا ہوسکتی ہے۔ فریدؔ صاحب نے لکھنو میں پڑھنے پر پابندی لگا کر اپنی ترقی میں رکاوٹ پیدا کردی۔ ورنہ وہ تو کہاں سے کہاں پہونچ جاتے۔ آج کل تو مجالس ٹیپ کرنے کا عام رواج ہے۔ اگر فریدؔ صاحب حیات ہوتے تو دیکھ لیتے کہ دنیا کس قدر سائنس میں ترقی کرگئی ہے۔

مجھے نہایت خوشی ہے کہ اب ڈاکٹر سید افتخار احمد جو فریدؔ صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ وہ اپنے والد مرحوم کے مراثی پاکستان میں چھپوانے جارہے ہیں۔ جو کہ فی زمانہ بہت مناسب مقام اس کام کے لئے ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں تو اب مسلمان لڑکے بھی اردو کی طرف کم توجہ دے رہے ہیں جو بہت شرمناک بات ہے۔

والسلام۔ سید فدا حسین

26 اپریل 1994

گولا گنج ۔ لکھنو

میرے دادا سلطان صاحب فریدؔ لکھنوی

(ڈاکٹر سید حسن اختر یم۔ڈی ٹکساس۔امریکہ)

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے دادا مرحوم سلطان صاحب فریدؔ کا غیر مطبوعہ سرمایۂ حیات جو کہ اُن کا مجموعۂ کلامِ مراثی ہے، اسکی اشاعت میں حصّہ لے رہا ہوں۔ یہ امر میرے لئے باعثِ اعزاز بھی ہے۔ میں دادا مرحوم کو بھائی صاحب کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ تمام بڑے اور چھوٹے خاندان کے افراد بھی اُنھیں بھائی صاحب ہی پکارتے تھے۔ میں جس وقت حیدرآباد دکن میں اپنے والد مرحوم جناب ڈاکٹر سید اختر احمد کے زیرِ سرپرستی مڈل اسکول کی تعلیم حاصل کرر رہا تھا اس وقت سلطان صاحب فریدؔ کچھ عرصہ کے لئے اپنے بڑے فرزند یعنی میرے والد کے پاس آکر مقیم ہوئے۔ سلطان صاحب کا قد لمبا بدن چھریرا اور رنگ سنولا تھا۔ وہ بڑے ہی وضع دار شخص تھے۔ وہ اپنے چھوٹوں سے نہایت شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ وہ نازک مزاج تھے انہیں جلد غصہ آجاتا تھا مگر فوری نہایت شفقت کا اظہار بھی کردیا کرتے تھے۔ صبح میں بعد نماز فجر وہ اپنے مخصوص سماور میں چائے بناتے اور چھوٹی پیالیوں ''فنجان'' میں ڈال کر تمام افرادِ خاندان کو بُلا کر محبت سے پلاتے مگر فوراً اگر چائے کی تعریف نہ کی جاتی تو بُرا مانتے اور کہتے ''پیتے جاتے ہیں مگر منھ سے کچھ پھوٹتا ہی نہیں''۔ آج بھی جب مجھے اُن کے الفاظ یاد آتے ہیں تو وہ مجھے بہت یاد آتے ہیں۔ گھر کے تمام افراد اور خصوصاً میرے والدِ مرحوم دادا کا بہت احترام کرتے تھے۔ میں نے سلطان صاحب فریدؔ کو مرحوم عنایت جنگ بہادر کی دیوڑھی میں اور اپنے گھر میں بھی مرثیہ پڑھتے سُنا ہے ان کے پڑھنے کا انداز بہت ہی مخصوص تھا۔ جب وہ مرثیہ پڑھتے تو ایسا سماں باندھتے جیسے وہ خود اُس جگہ موجود ہیں اور سُننے اور دیکھنے والے بھی ایسا ہی محسوس کرتے۔ موقع کے مطابق آواز کا اُتار چڑھاؤ چہرے کے تاثرات ہاتھ اور جسم کے حرکات مرثیہ میں عجیب اثر پیدا کردیتے۔ مثلاً امام حسینؑ علیہ السلام کی جنگ کا منظر کھینچتے تو ہاتھ سے معلوم ہوتا کہ تلوار چل

رہی ہے۔ چہرے سے غیض وغضب ٹپکتا۔ کبھی منبر سے آدھا اُٹھتے کبھی پورے اُٹھ کھڑے ہو جاتے۔ جب دشمن کی بُزدلی اور دہشت کا ذکر کرتے تو چہرے سے خوف اور ہاتھ سے تھرتھراہٹ کا اظہار ہوتا۔ اُن کے علاوہ میں نے کسی اور کو اس طریقے سے مرثیہ پڑھتے نہیں دیکھا۔

سلطان صاحب فریدؔ کا انتقال ۱۹۶۸ء میں لکھنو میں ہوا۔ اس وقت میں پڑھائی کے سلسلہ میں امریکہ میں مقیم تھا۔ اُنھوں نے ۱۹۱۶ء میں مرثیہ کہنا شروع کیا تھا۔ اس طرح اُن کے کلام کا آغاز ہو کر تقریباً 86 سال ہو چکے ہیں لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر ان کا کلام شائع نہ ہو سکا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد کلام کے نسخے پہلے لکھنو میں ان کی صاحبزادی کے پاس رہے پھر حیدرآباد اور پھر بعد میں ابوظہبی میری چھوٹی بہن عالیہ کے پاس رہے جو جناب رفیق ناصر رضوی کی شریکِ حیات ہیں۔ آخر میں یہ کلام ڈاکٹر سید افتخار احمد جو فریدؔ صاحب کے چھوٹے فرزند ہیں کے پاس کراچی، پاکستان میں رہا۔ وہاں سے کچھ عرصہ بعد پھر کلام ابوظہبی واپس ہوا۔ کہتے ہیں ہر چیز کا وقت مُعیّن ہوتا ہے چنانچہ مشیتِ الٰہی کی طرف سے اشارہ ہوا اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر سید تقی عابدی جو میرے بھائی کی طرح ہیں مجھ سے ٹیلیفون کر کے دریافت کیا کہ سلطان صاحب فریدؔ کا کلام کہاں ہے اور اگر جلد اِسے مرتب کر کے شائع نہ کریں تو ممکن ہے کلام ضائع ہو جائے۔ قصہ مختصر فریدؔ صاحب کا کلام میرے پاس پہنچا اور میں نے اُس کی فوٹو کاپی ڈاکٹر سید تقی عابدی کو ٹورانٹو کینیڈا بھیج دی۔ اصل نسخے جن میں سلطان صاحب فریدؔ کے خود ہاتھ سے تحریر کردہ مرثیے بھی شامل ہیں اور جو نہایت بوسیدہ حالت میں ہیں میرے پاس محفوظ ہیں۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے انتہائی مصروفیت کے باوجود بے حد خلوص، محنت اور مہارت سے اس کلام کو اشاعت کی منزل تک پہنچا دیا۔ یہی نہیں بلکہ اُنھوں نے سلطان صاحب فریدؔ کی زندگی شخصیت ادبی پہلو اور فن پر عالمانہ تبصرہ بھی کیا۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی مُحبِّ اہلِ بیت اور ایک نامور شاعر ہیں۔ اُنھوں نے اُردو ادب کی تحقیق اور رثائی ادب کی حفاظت کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے۔ سلطان صاحب فریدؔ کے خاندان کے افراد اِس سلسلے میں اُن کے بے حد ممنون اور مشکور ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُنھیں اِس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ان کا شمار اہلِ بیت کے مخصوص مُحبّوں اور نُصرت کرنے والوں میں کرے۔ اِلٰہی آمین۔ متمنّیِ دعا

ڈاکٹر سید حسن اختر

پریزیڈنٹ ڈاکٹر سید اختر احمد ایجوکیشنل ٹرسٹ

آسٹن ٹکساس (امریکہ)

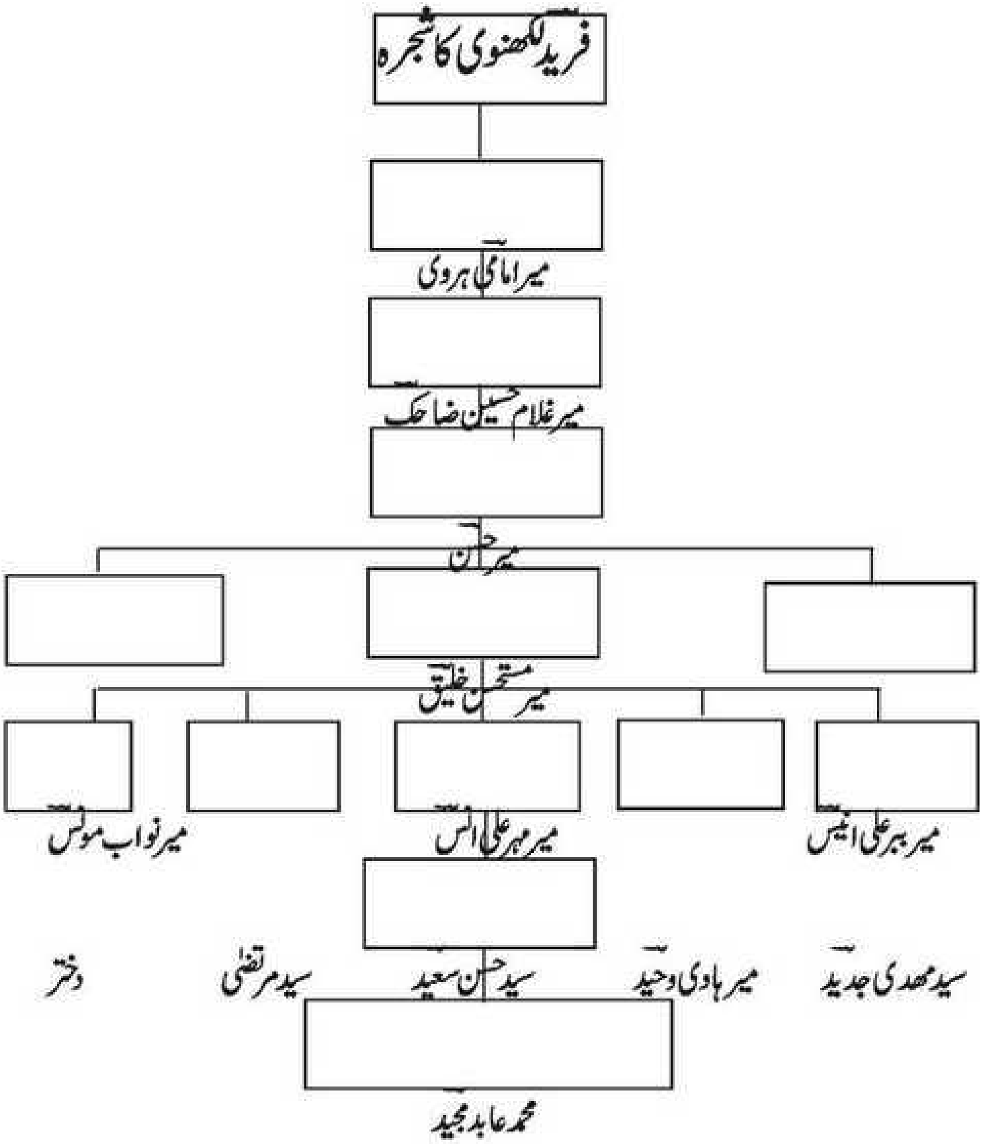

فریدؔ لکھنوی کی بائیوگرافی

مختصر سوانحی خاکہ

نام	:	سید رضی حیدر
عرفیت	:	سلطان صاحب
تخلص	:	فریدؔ
تاریخ ولادت	:	صحیح علم نہیں۔ مرحوم سید محمد نقی محدث لکھنوی نے 1892ء بتایا ہے فریدؔ لکھنوی مرحوم محمد نقی محدث کے بہنوئی تھے جناب ضمیر اختر نقوی صاحب نے سن ولادت 1882ء بتایا ہے لیکن اس کی تائید میں کوئی سند پیش نہیں کی۔ بہر حال محمد نقی محدث لکھنوی کی بتائی ہوئی تاریخ سے فریدؔ لکھنوی کی عمر 75 سال نکلتی ہے جو صحیح معلوم ہوتی ہے۔
مقام ولادت	:	لکھنو
تاریخ وفات	:	26 دسمبر 1968ء
قطعہ تاریخ وفات	:	محمد نقی محدث نے قطعہ تاریخ نکالی

؎ پاس ہیں شبیرؑ و شبرؑ کے ارم میں اے نقیؔ
آج کل آرام سے سید رضی حیدر فریدؔ (1968ء)

مقام دفن	:	لکھنو۔ کربلائے امداد حسین خاں
والد کا نام	:	سید عابد مجیدؔ

دادا کا نام : بنے صاحب سعیدؔ

پردادا کا نام : میر مہر علی اُنس (میر انیسؔ کے منجھلے بھائی)

والدہ : پیارے صاحب رشیدؔ کی بہن تھیں

اولاد : تین لڑکے اور ایک لڑکی

۱۔ ڈاکٹر سید اختر احمد مرحوم

۲۔ سید احمد مرحوم

۳۔ ڈاکٹر سید افتخار احمد (مقیم کراچی۔ پاکستان)

۴۔ ثروت جہاں (مقیم حیدر آباد۔ ہندوستان)

شغل : شاعری۔ ادب (مرثیہ نگاری)

مسافرت : عظیم آباد، اصغر آباد، سلیم پور اور حیدر آباد دکن میں مرثیہ پڑھنے جاتے تھے

سکونت : تمام عمر لکھنو میں گزاردی لیکن مختصر عرصے کے لئے حیدر آباد دکن میں مقیم رہے

تعلیم وتربیت : ابتدائی تعلیم وتربیت والد سید عابد صاحب مجیدؔ کے زیرِ نگرانی ہوئی

فارسی اور عربی تعلیم مولانا ناصر حسین صاحب کے زیرِ نگرانی ہوئی

اعلیٰ تعلیم مولانا محمد رضا اور مولانا سید سبط حسن صاحب کے زیرِ نگرانی ہوئی

شاعری : آغاز

تقریباً بیس (۲۰) سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا اور پہلا مرثیہ چوبیس (۲۴) سال کی عمر میں ۱۹۱۶ء یں تکمیل کیا۔ ابتدا میں غزلیں کہیں اور پھر سلام اور مرثیوں کا رُخ کیا۔

شاگردی

پیارے صاحب کے شاگرد ہوئے اور یہ سلسلہ ان کی وفات ۱۹۱۸ء تک جاری رہا۔

تصانیف	:	کلام پہلی بار شائع کیا جارہا ہے غزلیں = تلف ہوگئیں رباعیات = 36 سلام = 15 مراثی = 15
ہم عصر مرثیہ نگار	:	قدیم لکھنوی، فائق لکھنوی، لائق لکھنوی، ذکی لکھنوی
شکل وصورت	:	دراز قد، گہرا ساؤنلا رنگ، تیز آنکھیں، چوڑی ہڈیاں، خشخشی ڈاڑھی اور مونچھیں۔سب ملا جلا کر بارعب پُرکشش شخصیت تھی۔
لباس	:	ا۔گرما میں انگرکھا اور اُسی کپڑے کی دو پلی ٹوپی ۲۔سرما میں شیروانی اور کالے رنگ کی گول ٹوپی ۳۔جاڑوں میں موڑے کپڑے کا کرتا اور پاجامہ زیب تن کرتے ہیں
عادات واطوار	:	ا۔کھانے کے بہت شوقین تھے ۲۔آم کے بہت شوقین اور ان کی اقسام پر کافی معلومات رکھتے تھے ۳۔پان کے بہت عادی تھے اور ساتھ پان کی ڈبیہ رکھتے تھے ۴۔روزآنہ شام میں دوست احباب کے ساتھ گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھک رہتی۔سماور میں چائے تیار ہوتی اور شعروادب پر ہم عصروں سے گفتگو رہتی۔

رباعی

لب پر جب نامِ احمدؐ پاک آیا
بس سوئے مسرّت دلِ غم ناک آیا
یہ وہ ہیں بشر کہ شان میں جن کی فریدؔ
"لولاک لما خلقت الافلاک" آیا

رباعی

صلوات اگر اہلِ ولا بھیجتا ہے
اس پر صلوات مصطفیؐ بھیجتا ہے
اک بار جو بھیجتا ہے احمدؐ پر درود
دس بار درود اُس پر خدا بھیجتا ہے

سلام

ہم سے ساقی سے اشارے ہوگئے
جنّت و کوثر ہمارے ہوگئے

اپنی بخشش کے سہارے ہوگئے
مر کے اصغرؑ اور پیارے ہوگئے

جب اُڑے عونؑ و محمدؑ کے فرس
اونچے ہوتے ہوتے تارے ہوگئے

ضد پہ بچّوں کی یہ زینبؑ نے کہا
حق تلف بھائی کے سارے ہوگئے

کیا یہ کہتے ہو کہ ہم لیں گے علم
واہ یہ دعوے تمہارے ہوگئے

روئے ہم رومالِ زہراؑ تر ہوا
عرش کے اشک اپنے تارے ہوگئے

مشک بھرنے نہر پر عباسؑ آئے
رعب سے بزدل کنارے ہوگئے

جب عرق آیا جبینِ شاہؑ پر
لوح پر تابندہ تارے ہوگئے

مرثیہ

اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے

درحالِ حضرت امام حسینؑ

سنہ تصنیف

1938-1947

اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے

اظہارِ حق عبادتِ پروردگار ہے
دیں کی بناء اِسی کے سبب استوار ہے
ایماں کی روح جوہرِ عزّ و وقار ہے
بیڑا اِسی کے دم سے دو عالم کا پار ہے
حامی و دستگیر جو یہ ہو صراط پر
یوں مطمئن ہوں جیسے سلیمانؑ بساط پر

(۲)

بے جا نہ ہوگا رحمتِ یزداں کہیں اگر
زیبا ہے وجہِ خلقتِ انساں کہیں اگر
ہے کیا غلط خلاصۂ ایماں کہیں اگر
واللہ حق ہے منزلِ جاناں کہیں اگر
دیکھیں نہ ہے قصور یہ اپنی نگاہ کا
اظہارِ حق ہے نام کسی جلوہ گاہ کا

(۳)

بعثت کی وجہ سیرتِ کُل انبیاء یہی
قربِ خدائے پاک کی اصلی بناء یہی
قرآں کے لفظ لفظ کا ہے مدّعا یہی
سب اک طرف ہے مرضیِ ربِّ عُلا یہی
ظاہر اگر نہ کرتا خزانہ خدائی کا
قائل نہ ہوتا آج زمانہ خدائی کا

(۴)

اندازہ معرفت کا یہی راز بھی یہی
قدرت کا مدّعا یہی آواز بھی یہی
سمجھیں اگر تو حاصلِ اعجاز بھی یہی
انجامِ ہست و بود بھی آغاز بھی یہی
روشن ہے حشر و نشر و وجود و عدم سے بھی
آئینہ ہو رہا ہے حدوث و قدم سے بھی

(۵)

اظہارِ حق کا بزمِ ازل سے سوال تھا
''قالو بلیٰ'' ثبوت ہے قول و قرار کا
لازم ہے ہر بشر پہ کہ وعدہ کرے وفا
مستثنیٰ اس سے کون ہے ہو شاہ یا گدا
اظہارِ حق سبھی کے لئے فرضِ عین ہے
اللہ کا ہر اک پہ یہی ایک دَین ہے

(۶)

اظہارِ حق کو چاہے نہ کیوں خالقِ انام
مخفی تھا مثلِ کنز کے اب ہو رہا ہے عام
قدرت ہی پہنچ سکتی تھی یہ حدِّ احترام
تعظیم بول اٹھی کہ بس آگے خدا کا نام
آدم ہوں ایسے مظہرِ حق دم بھریں ملک
مسجودِ خلق حکم دے سجدے کریں ملک

(۷)

وہ کیا بیاں ہو قدر جو کرتا ہے ذوالجلال
قدرت کی آنکھ سے کوئی دیکھے یہ ہے محال
کرتی ہے پیش واقعہ اک قوّتِ خیال
سنئے بغور عالمِ بالا کا آج حال
رُتبے کو اپنے دیکھ کے دل باغ باغ ہوں
رحمت کا ہو وہ نور کہ روشن دماغ ہوں

(۸)

مولا کی مہر ہو تو ہے اعجاز کوئی بات
دورِ گزشتہ پیش کرے اپنے واقعات
چاہیں تو آج رات ہو دن اور دن ہو رات
یہ ساتھ حق کے ساتھ ہے اِنکے خدا کی ذات
تبدیل ان کے واسطے نظم و نسق کیا
پلٹا جو مہر آپ نے اظہارِ حق کیا

(۹)

ہاں اے قلم بلندیٔ فکرِ رسا دکھا
کس شان سے ہوئی بشری ابتدا دکھا
اک مُشتِ خاک کو جو ملا مرتبہ دکھا
رفعت دکھا عروج دکھا ارتقاء دکھا
ششدر ملک ہوں اپنے شرف کا نہ دھیان ہو
سجدے کریں بہ فخر بشر کی یہ شان ہو

(۱۰)

عالی دماغ بزم میں کہنے لگیں بہم
فضلِ خدا سے ان پہ ہے ممدوح کا کرم
حیراں ہیں دیکھتے ہیں ترقی وہ آج ہم
منبر پہ ہیں کہ عالمِ بالا پہ ہیں قدم
دربارِ حق میں ایسے سرافراز ہوگئے
کیا اٹھتیں گے حجاب عیاں راز ہوگئے

(۱۱)

اللہ یہ شرف ہے مشیت کا انتظام
یہ اِرتقا کہ عالمِ بالا پہ اہتمام
سر خم کئے ہیں درگہِ حق میں ملک تمام
قدرت زبانِ وحی سے دیتی ہے یہ پیام
آئے کئی جگہ سے جو نمناک خاک ہو
پیدا ہو خلق خاک سے اور خاک پاک ہو

(۱۲)

خاک آئی تھا جو حکم قضا و قدر کا تیر
بندوں کی خیر و شر سے وہ تھا عالم و خبیر
شیرین و تلخ آب ملا ہو گئی خمیر
کی پھر شریکِ طینتِ محبوب بے نظیر
دل کھنچے رنگ خاک کا ایسا دمک گیا
عصمت کے بخت جاگے ستارہ چمک گیا

(۱۳)

دیکھا نہ تھا فرشتوں نے ساطع ہوا وہ نور
پُتلا بنا تو قدرتِ حق کا ہوا ظہور
ایسا حسین ہٹے نہ ہٹائے نگاہِ حور
پڑھنے لگے درود ملائک بصد سرور
شامل تھی مصطفےٰؐ کی جو طینت شرشت میں
فرمانِ حق سے لے چلے باغِ بہشت میں

(۱۴)

حق بیں نظر یہ کہتی تھی خلقت ہے ساتھ ساتھ
کُل انبیاء ائمہ کی طینت ہے ساتھ ساتھ
قدرت کا ہے ظہور کہ عصمت ہے ساتھ ساتھ
معصوم ہیں لئے ہوئے رحمت ہے ساتھ ساتھ
بسنے گیا مجسمہ جنّت میں اس طرح
تعمیل کُن کی ہوگئی فی الفور جس طرح

(۱۵)

وہ قدرتی تناسبِ اعضا ہو کیا بیاں
جس کی کہ نقل اتارتا ہے آج تک جہاں
بس امرِ رب کی دیر ہے ہوتا ہے یہ عیاں
گویا زبانِ حال سے کہتی ہے یہ زباں
امرِ محال ہست بیانِ عطائے تُو

(۱۶)

معدن جو ہوگا جوہرِ عرفاں کا ہے وہ سر
آنکھوں میں روشنی ابھی آئی نہیں مگر
ہیں حق نما کہ صنعتِ صانع ہے جلوہ گر
دل ہے وہ دل کہے گی خدائی خدا کا گھر
ایسا ہے رعب حُسن کہ شانِ الٰہ ہے
ہوگا ابوالبشر یہی ہیبت گواہ ہے

(۱۷)

خاکی مجسمہ ہے نبوّت کا پیرہن
جس کی کلامِ حق کے لئے وضع وہ دہن
وہ لب کہ جن سے کھُلتے ہی ہو حمدِ ذوالمنن
وہ انگلیاں کہ جن میں رہے نورِ پنجتنؑ
انجامِ کار ہے نگہِ حق شناس میں
عصمت دکھائی دیتی ہے خاکی لباس میں

(۱۸)

ہے پشت یہ کہ آئینۂ رحمت الہٰ
ایسا ہے جذبِ حُسن کرینگے ملک نگاہ
شرمندہ ہونگے آب سے تابش سے مہر و ماہ
یہ پشت ہوگی نورِ محمدؐ کی جلوہ گاہ
لائے گا اشتیاق زیارت کے واسطے
آئینگے کُل فرشتے عبادت کے واسطے

(۱۹)

ت ہے مُشتِ خاک پہ ذرّہ نواز کی
رت نما ہو خلق سے شکل امتیاز کی
رت دکھائی دینے لگی کار ساز کی
م نے روح پڑتے ہی وہ چشم باز کی
پھیلا وہ نورِ برق تو ضوبار ہوگئی
اظہارِ حق کی شکل نمودار ہو گئی

(۲۰)

لباس خاک نے ملتے ہی جسم و جاں
ں وہ چھلکی خون رگوں میں ہوا رواں
گیا نفس حرکت اک ہوئی عیاں
خدا میں لب وہ ہلے کُھلتے ہی زباں
اسماء سُنائے پایا جو فیض اُس کی ذات سے
اظہار حق کا ہونے لگا بات سے

(۲۱)

ہارِ حق کا یوں ہوا دنیا میں انتظام
م جب آئے خلق ہوئے انبیاء تمام
م الرسلؐ پہ ختم خدا کا ہوا کلام
تھا اُسی کا فیض کہ بارہ ہوئے امامؑ
آثار نورِ حُجت حق کے عیاں ہیں آج
قائم اسی کے دم سے امامِ زماں ہیں آج

(۲۲)

کوشش نہ کی کسی نے کبھی نام کے لئے
آرام کیسا وقف تھے آلام کے لئے
یہ سب ہوئے تھے خلق اسی کام کے لئے
آغاز کے لئے کوئی انجام کے لئے
کیا حق کی منزلت ہے یہ اظہار کر دیا
آیا محل تو راہِ الٰہی میں سر دیا

(۲۳)

صدہا ہیں رنگ اور مۓ عرفاں ہے ایک ہی
درد آپ ہی دوا ہو وہ درماں ہے ایک ہی
تفسیریں کتنی ہوگئیں قرآں ہے ایک ہی
کونین جس کا جلوہ وہ جاناں ہے ایک ہی
مثلِ وظیفہ وِردِ زبان صبح شام ہیں
یکتا وہ پاک ذات کے کتنے ہی نام ہیں

(۲۴)

اظہارِ حق کے نام بہت ہیں اسی طرح
قدرت یہ اس کی جلوہ نما ہے سبھی طرح
بے اسکے خیر ہو نہیں سکتی کسی طرح
جملہ عبادتوں میں یہ ہے روح کی طرح
منشائے امر و نہی رضائے خدا یہی
ہر ایک رہنما کا ہوا رہنما یہی

(۲۵)

اظہارِ حق کی راہ میں ہیں منزلیں کڑی
رہبر ہے کون جس پہ مصیبت نہیں پڑی
عالم نیا بدلتا ہے ہر لحظہ ہر گھڑی
ہستی اگر بڑی ہے تو سختی بھی ہے بڑی
پیمانہ کہیے ظرفِ بشر کا وہ شان ہے
صبر و ثباتِ نفس کا یہ امتحان ہے

(۲۶)

طرز اس کے مختلف ہیں تو عنوان ہیں مختلف
موقع محل بدلنے سے ساماں ہیں مختلف
طاقت جو ایک سی نہیں امکان ہیں مختلف
اس امتحانِ عشق کے میدان ہیں مختلف
ہے جلوہ گر یہ بحر میں بھی اور بَر میں بھی
ہوتا ہے امتحان سفر میں حضر میں بھی

(۲۷)

خونیں ہے ذرہ ذرہ وہ پُرہول رہگزر
کہتے ہیں ڈر سے رُوئیں کھڑے ہو کے الحذر
توفیقِ حق پہ راہبروں کی رہی نظر
رکھتے ہیں حق شناس قدم پھونک پھونک کر
ہیبت وہ ہے گزرتے ہیں سب اضطراب سے
خطرہ یہ ہے ثواب نہ بدلے عذاب سے

(۲۸)

نیّت ہو پاک سالکِ راہِ اللہ ہو
موقع محل کہ تاڑنے والی نگاہ ہو
دل خانۂ خدا ہے عمل خود گواہ ہو
اُس کی گرفت سخت ہے جو دین پناہ ہو
اِس وجہ سے کہ بادشاہِ کائنات ہے
تابع ہے خلق مظہرِ حق اُس کی ذات ہے

(۲۹)

یاں نا خدائے دہر کا بیڑا جب ہی ہے پار
عزّت ہے سمجھے لاکھ ہو رسوا ذلیل خوار
مختارِ کائنات کرے جبر اختیار
شاکر ہو ہر بلا میں دو عالم کا تاجدار
مسکیں سے ہو وہ طرز نہ کچھ امتیاز ہو
ہو فقر ہی پہ فخر نہ رتبے پہ ناز ہو

(۳۰)

بیکار ہے مجاز حقیقت ہے کار ساز
معشوق ہی سے باتیں ہیں روزہ ہو یا نماز
یاں پر اُٹھائے جاتے ہیں عشاق کے بھی ناز
نوکِ سناں پہ ہوتے ہیں گہ راز اور نیاز
اظہارِ حق کی راہ نہ چھوٹے گلا کٹے
محبوب کے کلام ہی سے راستہ کٹے

(۳۱)

دنیائے حسن و عشق کا عالم ہے یاں عجیب
سب پاکباز نہ کوئی حاسد نہ ہے رقیب
مرتے ہیں سعی قرب میں عاشق بلا نصیب
دعوے یہ ہم کہیں رگِ گردن سے ہیں قریب
یاں اعتبار اتنا ہے جاناں کی ذات پر
کتنے گلے کٹے ہیں اسی ایک بات پر

(۳۲)

کرتا ہے پار بیڑا مگر لیکے امتحاں
نکلے نہ منھ سے آہ جو ہو دل جگر تپاں
ہو ربطِ حسن و عشق کا معیار یوں عیاں
بیٹا جو ڈوبے باپ ہلائے نہیں زباں
اپنا اُسے نہ سمجھے جو حق کے خلاف ہو
حسرت ہو دیکھوں منزلِ جاناں طواف ہو

(۳۳)

پروانہ وار شعلوں میں لائی کسی کو چاہ
نمرودی آگ صبر سے تھی طالبِ پناہ
دودِ بلند ہمت عالی کا تھا گواہ
محبوب کی صدا سے گھٹا چھا گئی سیاہ
دیکھا تو آتشیں وہ زمین پر بہار ہے
جاناں کی جلوہ گاہ ہے یا لالہ زار ہے

(۳۴)

لیتا ہے امتحاں وہ صبر آزما اگر
توفیق دے کے رکھتا بھی ہے مہر کی نظر
بیٹے کو ورنہ باپ کرے ذبح جان کر
پلٹے چھری پھیرے تو پھرے گو سفند پر
تعریف سے بڑھائے وہ رتبہ خلیلؑ کا
دیکھا نہ جائے کٹتے کلیجہ خلیلؑ کا

(۳۵)

قہار ایسا سمجھی ہے دنیا جسے رحیم
پکوایا حق کو گود میں باطل کی وہ حکیم
لکنت زباں میں آ جو گئی کر دیا کلیم
دل کا سکون ہو گیا ہنگامِ خوف و بیم
ضد بھی اٹھائی عاشقِ صادق اگر ہوا
شاہد ہے کوہِ طور کہ وہ جلوہ گر ہوا

(۳۶)

اظہارِ حق کا جلوہ زمین اور آسماں
رنگین اِس نے کی ہے زلیخا کی داستاں
فطری نظام بدلا یہ طاقت ہوئی عیاں
معصوم بے زبان کی بھی بن گیا زباں
قدرت پہ مرحمت جو ہوئی ربِ پاک سے
عصمت کو جلوہ گر کیا دامانِ چاک سے

(۳۷)

اظہارِ حق ہے اُس کی رضامندیوں کا راز
خود بے نیاز دوست کا دشمن کا کارساز
رنج و بلا میں صبر یہاں وجہِ امتیاز
تسلیم و بندگی ہی سے ہر ایک سرفراز
مرتے ہیں مرنے والے اِسی اعتبار پر
رفعت نصیب ہوتی ہے چڑھنے سے دار پر

(۳۸)

عاشق سے بڑھ کے درد کی دکھ کی اُسے خبر
نیت ہو قرب کی تو نہیں آہ بے اثر
بے عزّتی کا خوف نہ رسوائیوں کا ڈر
یہ حدِ جذبِ عشق میں ہو حُسن جلوہ گر
سعی طلب کا طرز جو مرغوب ہو گیا
جانا جسے حبیب وہ محبوب ہو گیا

(۳۹)

منشاء کوئی یہ سمجھا ہو اسلام کی نمود
کردی جہاد کے لئے وقف اپنی ہست و بود
پیکاں لگا تو کھنچ نہ سکا رخ ہوا کبود
دل کا سکون ہوا درِ جانانں کا سجود
یہ جذب تھا خبر نہیں راز و نیاز میں
وہ تیر کب کھنچا کفِ پا سے نماز میں

(۴۰)

معشوق کو فقیر کی آئی صدا پسند
دینا انگوٹھی کیوں نہ ہوئے انتہا پسند
سطحی نظر ہے غیر کی اُس کو ہو ناپسند
کیا کہنا اُس رکوع کا جو ہو خدا پسند
راز و نیاز رکھے جسے وہ زکوٰۃ ہے
قرآں میں ہے اشارہ کہ پردہ کی بات ہے

(۴۱)

لے کی کسی نے صلح سے اظہارِ حق کی راہ
خُلقِ حَسن رہا وہ کہ اب تک ہے واہ واہ
ہر دم رضائے دوست رہی نقطۂ نگاہ
تھی وہ جفا کشی کہ ہوئی عشق کی گواہ
دی دادِ صبر ظلم جہاں کے عیاں ہوئے
ٹکڑے جگر کے منھ سے نکل کر زباں ہوئے

(۴۲)

نظروں میں اب وہ پھر گیا میدانِ امتحاں
جس میں جہاد ہی سے بڑھی شانِ امتحاں
یہ تھا ازل کے روز سے سامانِ امتحاں
سرخی ہو خون پاک کی عنوانِ امتحاں
اظہارِ حق ہو یوں حق و باطل سے جنگ ہو
خونِ نبیؐ کا گھوڑوں کے نعلوں پہ رنگ ہو

(۴۳)

توصیف میں حسینؑ کی تر ہے زبانِ عشق
کیا شک وفائے وعدۂ طفلی ہے جانِ عشق
بیکس کے دم قدم سے بڑھی ایسی شانِ عشق
یہ امتحان ہو گیا روحِ روانِ عشق
صابر ہیں دنگ صبر کی کچھ ایسی شان ہے
جوہر گُل امتحانوں کا یہ امتحان ہے

(۴۴)

یہ امتحان اور یہ میدانِ عشق اور
عاشق جو ہے حسینؑ سا ہے شانِ عشق اور
صبر و ثبات اور تو امکانِ عشق اور
اندازِ حُسن ہی سے ہے عنوانِ عشق اور
تھیں صابرانِ دہر کی نظریں لڑی ہوئی
منزل وفا کی صبر سے اُن کے کڑی ہوئی

(۴۵)

ہر درد و غم تھا اور دو عالم کا بادشاہ
نُصرت نہ کی قبول ہیں جنّ و ملک گواہ
عیسیٰؑ تھے دیکھ دیکھ کے حیراں بہ اشک و آہ
کٹوایا حلق چھوڑی نہ اظہارِ حق کی راہ
ایماں کی روح پھونک دی یوں کائنات میں
چاہی مدد خدا سے تو صبر و ثبات میں

(۴۶)

ہے اُس کو ایسے بندوں ہی پر کچھ سمجھ کے ناز
زخموں سے چور چور تھے شہنشاہِ حجاز
یہ عشق تھا وہ عشق کہ سجدہ کرے مجاز
تھی آخری سبق وہ حقیقت نما نماز
سمجھا یہ بندگی کو شہِ مشرقین نے
اظہارِ حق کیا تہِ خنجر حسینؑ نے

(۴۷)

اِس امتحاں کی دَورِ یزیدی میں تھی بنا
کہتا تھا عہدِ وعدۂ طفلی ہو اب وفا
ظالم یزید سا ہے تو صابر حسینؑ سا
ظلم آزما امامؑ ہو صبر آزما خدا
ابنِ معاویہ کے ستم ہیں شباب پر
پھر کیوں جفا نہ ہو خلفِ بو ترابؑ پر

(۴۸)

وہ دَور تھا یہ دَور کہ اللہ کی پناہ
فسق و فجور پر تھا خود اُس کا عمل گواہ
شر خیر تھے ثواب کے سب کام تھے گناہ
وہ وقت پڑ گیا تھا کہ اسلام تھا تباہ
دیندار گھر میں بیٹھ نہ سکتے تھے چین سے
فریاد کر رہی تھی شریعت حسینؑ سے

(۴۹)

نظر تھے بیقرار تھے شہؑ کے رفیق و یار
ر سمت سے شکایتیں آتی تھیں بار بار
ر تھے محل شناس شریعت کے ذمہ دار
لہارِ حق کے وقت کا کرتے تھے انتظار

تھا اُس کو کام ظلم و تشدّد سے جبر سے
طے کر رہے تھے صلح کی منزل یہ صبر سے

(۵۰)

تھے آپ سبطِ بانی اسلام اور امامؑ
یعت کریں یہ کوششیں کرتا تھا صبح شام
طلب یہ تھا کہ ملکِ شریعت ہو پائے نام
نکا وقار ختم ہو اپنا ہو احترام

ہوگا نہ خوف و بیم جو ہے اُن کی ذات سے
دنیا پھر اپنی ہوگی اِسی ایک بات سے

(۵۱)

یہ دل حسینؑ کا تھا کلیجہ حسینؑ کا
صابر رہے جو زہر حسنؑ کو دیا گیا
یکھا کئے جنازہ پہ تیروں کا مینہ پڑا
انا کے پاس دفن بھی کرنے نہیں دیا

وہ ہے محل شناس جو عصمت نگاہ ہے

(۵۲)

اسلام ہو زمانہ سے رخصت یہ چپ رہیں
مٹ جائے مصطفیٰؐ کی شریعت یہ چپ رہیں
اک بدعتی ہو طالبِ بیعت یہ چپ رہیں
روحِ نبیؐ خدا کی ہیں حجت یہ چپ رہیں
سبطِ رسولؐ بانیٔ فسق و فجور ہو
ہے یہ محال رحمتِ حق ، حق سے دور ہو

(۵۳)

ہوتا رہا سوال یہ حُسنِ عمل سے رد
حق اُن کے ساتھ تھا رہی اللہ کی مدد
کبر و غرور طمع سے بڑھتی گئی جو کد
بیعت کریں کہ قتل ہوں آخر ہوئی یہ حد
خوں ریزیوں سے کرکے کنارہ حسینؑ نے
چھوڑیں وطن کیا یہ گوارہ حسینؑ نے

(۵۴)

نانا کی قبر سے ہوئے رخصت بچشمِ تر
بیعت نہ کی یزید کی آخر کیا سفر
اظہارِ حق کے واسطے چھوڑا خدا کا گھر
کی حُرمتِ حرم کہ لعیں کاٹ لیتے سر
چومے قدم حسینؑ کے راہِ الٰہ نے
کعبہ کو دی پناہ شہؑ دیں پناہ نے

(۵۵)

کچھ غیر کچھ عزیز اور اہل و عیال ساتھ
مسلمؑ کے لال حضرتِ زینبؑ کے لال ساتھ
عابدؑ مریض اکبرؑ یوسف جمال ساتھ
گرمی غضب کی دھوپ میں اصغرؑ نڈھال ساتھ
انصار بھی ہیں خویش و برادر بھی ساتھ ہیں
قاسمؑ بھی ساتھ ثانیِ حیدرؑ بھی ساتھ ہیں

(۵۶)

وہ شان وہ شکوہ وہ عالم کا دیں پناہ
رستے کے درد دکھ ہیں اور امّت کا خیر خواہ
بے آب جنگلوں میں لئے جا رہی ہے چاہ
شاہد قدم کے نقش کڑی منزلیں گواہ
ہو حشر بگڑے نظم و نسق کائنات کا
سبطِ نبیؐ اُٹھائے ہیں بیڑا نجات کا

(۵۷)

حق کی ہے فتح ساتھ تو دیں کی ظفر ہے ساتھ
تعلیم و خونِ ختمِ رُسُلؐ کا اثر ہے ساتھ
رونق وطن کی اُٹھی ہوئی نوحہ گر ہے ساتھ
بے چین روحِ حضرتِ خیرالبشرؐ ہے ساتھ
اسلام کلمہ گو ہے شہؑ مشرقین کا
صابر سمجھ کے تھاما ہے دامن حسینؑ کا

(۵۸)

رستے کے ملنے والوں کو ہوتا تھا اک عجب
کہتے تھے کوفہ جائیں نہ آپ اے شۂ عرب
کیا اعتبار ، ہیں متلون مزاج سب
اہل و عیال ساتھ ، یہ ہے اور بھی غضب
مانا کہ دل ہیں کوفیوں کے شاہِ دیں کے ساتھ
کل تیغیں اُنکی ہونگی یزیدِ لعیں کے ساتھ

(۵۹)

فرماتے تھے کہ جو ہو مشیّت کا انتظام
ہر دکھ میں شکر حق کی رضا کا ہے احترام
طرزِ سخن سے صاف یہ تھا مطلبِ امامؑ
سر سے مرے یزید کو خنجر سے مجھ کو کام
ساتھی بھی میرے وہ ہیں کہ اسلام جن سے ہے
اظہارِ حق کی رونق و تکمیل اُن سے ہے

(۶۰)

تیغ و تبر کو ثانیٔ حیدرؑ سے کام ہے
برچھی کو سینۂ علی اکبرؑ سے کام ہے
پیکاں کو بے زباں علی اصغرؑ سے کام ہے
اور بیڑیوں کو عابدِؑ لاغر سے کام ہے
کرنا ادا سر آنکھوں سے ہے حق کے دین کو
حاجت ہے اُن کی راہِ خدا میں حسینؑ کو

(٦١)

منزل شناس تھا وہ رُکا خود سے خوش خرام
بدلے کئی فرس نہ بڑھا کوئی ایک گام
کچھ سوچ کے یہ پوچھا کہ ہے کونسا مقام
ساکن وہاں کے کہنے لگے کربلا ہے نام
فرمایا شہؑ نے رتبہ میں عرشِ بریں ہے یہ
ہم سب کے خون بہینگے جہاں وہ زمین ہے یہ

(٦٢)

جب نزدِ نہر اُتر نہ سکے شاہِ دینِ پناہ
تیغیں کھینچ آئیں بگڑے شجاعانِ خیر خواہ
روکا اُنہیں کہ چھوٹے نہ اظہارِ حق کی راہ
ٹھہرے وہیں جو دشت تھا بے آب و بے گیاہ
چاہا کہ بند صلح سے بابِ فساد ہو
موقع محل جہاد کا جب ہو جہاد ہو

(٦٣)

طلبیدہ مہمان ہیں گو بے وطن امامؑ
لیکن یہاں ہے چونکہ پیاسوں کا انتظام
فوجوں پہ فوجیں آتی ہیں دن رات صبح شام
ہر لحظہ ہر گھڑی ہے بلاؤں کا اژدہام
ہے کام ظالموں کو تشدّد سے جبر سے
اظہارِ حق یہ کر رہے ہیں حلم و صبر سے

(۶۴)

تاریخ تھی وہ سات محرّم کی آہ آہ
تھّراتے تھے زمیں کے طبق طالبِ پناہ
تھا راتیوں کے کالے پھریروں سے دن سیاہ
پھیلی ہوئی تھی ظلمتِ شب کی طرح سپاہ
یوں صف بہ صف کہ موج پہ جس طرح موج ہو
پائے نگاہ شل ہو مگر طے نہ فوج ہو

(۶۵)

دشوار صلح بابِ امید و رجاء ہے بند
آلِ نبیؐ پہ آج سے آب و غذا ہے بند
ہر سمت پہرے نہر کا بھی راستہ ہے بند
راہِ فنا کھلی ہوئی راہِ بقا ہے بند
پیاسے لہو کے اور شہِؑ تشنہ کام ہیں
بیعت کریں کہ قتل ہوں مجبور امامؑ ہیں

(۶۶)

دو روز میں صغیروں کی حالت ہوئی تباہ
کس درد سے وہ روتے ہیں اللہ کی پناہ
شورِ فغاں و آہ سے محشر ہے خیمہ گاہ
جا جا کے شہؑ پلٹتے ہیں بھر بھر کے سرد آہ
کہتا ہے دل کہ آبرو اب تیرے ہاتھ ہے
اظہارِ حق کی راہ میں بچّوں کا ساتھ ہے

(۶۷)

عاشور کا تو دن عجب آفت کا روز تھا
تکمیل و فتح کامِ رسالت کا روز تھا
تھا حشر عاصیوں کی شفاعت کا روز تھا
صبر آزما خدا تھا شہادت کا روز تھا
خون روئے آسماں بھی وہ رنج ومحن کا دن
واللہ تھا یہ خاتمۂ پنجتنؑ کا دن

(۶۸)

اے کلک ہاں مرقعِ اظہارِ حق دکھا
اے بیکسی زمانہ کا پلٹا ورق دکھا
اب رنگِ کفر ملّتِ بیضا سے فق دکھا
رعب و نہیب حق دلِ باطل کو شق دکھا
الحاد اور نفاق کا بیڑا تباہ ہو
شرعِ محمدیؐ کی چڑھی بارگاہ ہو

(۶۹)

ایفاء جو رن میں وعدۂ یومِ الست ہو
پھر کفر سر اُٹھا نہ سکے ایسا پست ہو
اعجازِ حق ہو حملوں میں وہ بندوبست ہو
دشمن کی فتح میں بھی صدائے شکست ہو
سکّہ دلوں پہ بیٹھے شہؑ مشرقین کا
لہراتا ہو پھریرا سپاہِ حسینؑ کا

(۷۰)

جتنیاں پہاڑ ہوں متزلزل ہو کائنات
اندھیر ہو جہان میں ایسا کہ دن ہو رات
رنج و الم کے بڑھنے سے بڑھتا رہے ثبات
اظہارِ حق میں سر ہو قلم ختم ہو حیات
طوفانِ بحرِ غم ہو مصیبت کی سیل ہو
لغزش نہ ہو قدم کو نہ چتون پہ میل ہو

(۷۱)

اس خانداں کے چھوٹے بڑوں کی ہے شان ایک
ایماں پناہ ہیں تو ہے دل اور زبان ایک
مقتل میں اور وطن میں رہیں آن بان ایک
بیعت نہ یہ کریں ہو زمین آسمان ایک
رگ رگ میں اُن کی خوں ہے جنابِ امیرؑ کا
یہ فیصلہ ہے سبطِ نبیؐ کے ضمیر کا

(۷۲)

پیاسوں کی ہو وہ جنگ رہے تا بہ حشر یاد
جھلّا کے اپنی بوٹیاں کاٹے بنِ زیاد
ایماں کے جوش میں ہو کچھ اس شان سے جہاد
ذرّے پکار اُٹھیں کہ اسلام زندہ باد
ہو ضرب نامِ سبطِ رسالت پناہ کی
بڑھ جائے قدر سکّۂ دینِ اللہ کی

(۷۳)

ہیں رن میں اہلِ خیر سے لڑنے کو اہلِ شر
آب و غذا سے سیر ہے جمِ غفیر اُدھر
ساتھی ہیں بھوکے پیاسے اِدھر وہ بھی مختصر
حقانیت کے جوش نے بندھوائی ہے کمر
پپڑائے ہونٹ پیاس سے رُخ سب کے زرد ہیں
اسلامِ نیم جاں کی دوا اِن کے درد ہیں

(۷۴)

رحمت کا دے رہا ہے پتہ و نشانِ فوج
کہدے ہر اک سپاہِ الٰہی یہ شانِ فوج
عباسؑ ہیں جو میر و علمدار و جانِ فوج
سردارِ خُلد شاہؑ ہیں روحِ روانِ فوج
دشتِ وغا کے شیر صغیر و کبیر ہیں
غازی یہ رن یہ آپ ہی اپنی نظیر ہیں

(۷۵)

وہ رن پناہ مانگتا ہے ظلم بھی جہاں
قدرت کے نظم میں بھی خلل ہوتا ہے عیاں
لرزاں زمین ہوتی ہے ہر سنگِ خونچکاں
ہوتا ہے حشر وہ کہ لہو روئے آسماں
پڑھتا ہے کلمہ صبر شہؑ مشرقین کا
سجدے میں کاٹتا ہے لعین سر حسینؑ کا

(۷۶)

رن کربلا کا ہے تو زمین آسماں ہے اور
وہ امتحان اور تھے یہ امتحاں ہے اور
دنیائے حسن و عشق کا یاں کی سماں ہے اور
انداز اور وصال کا عالم یہاں ہے اور
یہ ضد ہو ذبح سجدہ سرِ آستانہ ہو
نیزہ پہ سر زباں پہ ہمارا فسانہ ہو

(۷۷)

ڈالے ہوئے حمائلیں ہیں گردنوں میں جو
قاتل ہیں اُس کے آلِ محمدؐ میں کوئی ہو
کہلاتے ہیں یہاں جو مسلمان کلمہ گو
پیاسا شہید کرتے ہیں سبطِ رسولؐ کو
لالچ میں زر کے بھولے ہوئے ہیں خدا کو بھی
پائیں جو آج ذبح کریں مصطفیٰؐ کو بھی

(۷۸)

ہیں ایسے ایسے دشمنِ تنویرِ مصطفیٰؐ
تیغوں سے ٹکڑے ہوتی ہے تصویرِ مصطفیٰؐ
یہاں کلمہ گو یہ کرتے ہیں توقیرِ مصطفیٰؐ
ہوتی ہے قطع تیر سے تقریرِ مصطفیٰؐ
شاہد کلامِ سبطِ رسالتؐ پناہ ہے
اصغرؑ کا خوں گواہ ہے پیکاں گواہ ہے

(۷۹)

آتا نہیں ترس جو ہو بے شیر نیم جاں
بے جرم سوکھے ہونٹوں پہ پھیرے اگر زباں
گودی میں باپ کی نہیں ملتی اُسے اماں
اُگلے لہو لگاتے ہیں وہ تیرِ جاں ستاں
پانی کا ہو سوال تو کیا یہ جواب ہے
جس سے ہوں لاکھ حشر یہ وہ انقلاب ہے

(۸۰)

یاں کے جو کلمہ گو ہیں ہے اُن کا نیا چلن
توہین کرتے ہیں وہ شہیدوں کی پُر فتن
کوئی انگوٹھی لیتا ہے اور کوئی پیرہن
دو روز لاش رہتی ہے بے گور و بے کفن
پھر بھی ہر ایک درپئے آزار ہوتا ہے
پیوندِ خاک ہونا بھی دشوار ہوتا ہے

(۸۱)

رحم و کرم گناہ مریض و اسیر پر
روتی ہے اپنے باپ کو بچی یتیم اگر
چُپ کرتے ہیں طمانچہ اُسے مار مار کر
زخمی ہوں کان چھینتے ہیں اس طرح گہر
یہاں سبطِ مصطفےٰؐ کی یہ توقیر کرتے ہیں
سر نصب کرکے نیزہ پہ تشہیر کرتے ہیں

(۸۲)

پہنے مریض امامؑ یہاں طوقِ خاردار
زخمی گلے سے راہ میں چھوٹے لہو کی دھار
پیروں میں دوہری بیڑیاں اور ہاتھ میں مہار
نیزہ بلند جن پہ عزیزوں کے سر فگار
تھمنے میں ہوتے ہیں یہ ستم مستہام پہ
پڑتے ہیں تازیانہ بھی بیمار امامؑ پہ

(۸۳)

بے مثل و بے عدیل ہیں کل ناصرانِ شاہؑ
ایسے نہ تھے نہ ہونگے نہ اب ہیں خدا گواہ
قدموں سے کیوں لگی نہ ہو اظہارِ حق کی راہ
دل اِن کا یا حسینؑ کا ہے نقطۂ نگاہ
پیرو ہیں ایسے سبطِ رسولؐ انام کے
یہ ہیں نثار نقشِ قدم پہ امامؑ کے

(۸۴)

وابستہ دم سے شاہؑ کے ہے رشتۂ حیات
سمجھیں گے زیست جادۂ حق پر جو ہو ممات
شب کو چراغ بجھنے سے روشن ہوئی یہ بات
یکساں ہے عاشقوں کو ہو دن یا اندھیری رات
عادی نہیں یہ ظلمتِ فسق و فجور کے
پروانے ہیں تو شمعِ امامت کے نور کے

(۸۵)

کہتے ہیں مرد پر جو مصیبت پڑے سہے
کیسے وفا شعار تھے دنیا نے یہ کہے
زخم اتنے ہوں ہر ایک بُنِ منہ سے خون بہے
اسلام اور سبطِ پیمبرؐ کا دم رہے
الحاد و کفر یہ نہیں یا آج ہم نہیں
راہِ خدا میں جان بھی جائے تو غم نہیں

(۸۶)

ساقی نہ دیر کر مئے اظہارِ حق پلا
روشن ہو طبع آئینۂ دل کو ہو جِلاء
ہے کھینچنا مرقعٔ میدانِ کربلا
رن میں کھڑے ہیں بادہ کشانِ مئے ولا
دُھن ہے بقا سے بڑھ کے فنا میں مزا ملے
کشتیٔ زیست ساحلِ مقصد سے جا ملے

(۸۷)

وہ مے کہ اجتناب ہے جس سے ہمیں حرام
رنگین ہے جس کے وصف سے اللہ کا کلام
ہر اک رسول کرتا رہا جس کا احترام
تھے اپنے اپنے عہد میں ساقی نبی تمام
پی مصطفےٰؐ نے اتنی کہ سر تاج ہوگئی
نشہ چڑھا تو ایسا کہ معراج ہوگئی

(۸۸)

مستی اسی شراب کی روحِ شعور ہے
جاوید زندگی بھی اسی کا سرور ہے
نشہ وہ حق پرست ہر اک چور چور ہے
قطرہ ہر ایک جلوہ میں صد رشکِ طور ہے
کرسی و عرش پست ہیں رتبہ کے اوج سے
حق یہ خدا ملا تو ملا اِس کی موج سے

(۸۹)

حق بیں سے پوچھئے تو دل آرام ہے یہ مے
وجہِ بناء کعبہ و احرام ہے یہ مے
روحِ روانِ خلق ہے اسلام ہے یہ مے
فرمانِ حق رسولؐ کا پیغام ہے یہ مے
قدرت کے ہاتھ نے جو بنائی نہ ہوتی یہ
ہوتی خدا کی ذات خدائی نہ ہوتی یہ

(۹۰)

اس بادہ کی کشش تھی جو آئے یہاں حسینؑ
جنگل یہ کربلا کا کہاں اور کہاں حسینؑ
میخانہ ساتھ ساتھ وہیں ہے جہاں حسینؑ
یہ سب ہیں مے پرست تو پیرِ مغاں حسینؑ
ساقی کے اک اشارہ پہ جانیں نثار ہیں
مقتل میں بھی یہ پیتے ہیں وہ بادہ خوار ہیں

(۹۱)

تا حشر ہو نہ بند وہ میخانہ کھل گیا
دنیا سے رنگِ بادہ کشی ہے یہاں جدا
رحمت کی آنکھ میں جو سمائے وہ ہر ادا
پروا نہیں ذرا بھی ہوں لب تشنہ بے غذا

پڑائے ہونٹ اور نہ سبو ہے نہ جام ہے
جس طرح پی رہے ہیں انہیں کا یہ کام ہے

(۹۲)

یہ دھن ہے بادہ خوار جو یاں آئے ہیں بہم
پابند رسم و قید زمانہ رہیں نہ ہم
ہے میکشی سے غم سبب میکشی ہو غم
ہو خاتمہ بخیر پیے جائیں دم بدم

کہتا ہے ذوق بادہ پرستی یہ شان ہو
مستی ہو گھونٹ اترتے ہوں ہونٹوں پہ جان ہو

(۹۳)

دیتے ہیں جان ایسی دل آویز ہے یہ مے
کیا پی سکے ہر ایک بلا خیز ہے یہ مے
مانا رسلؔ نے بھی کہ بہت تیز ہے یہ مے
کہتا ہے رنگِ میکدہ خون ریز ہے یہ مے

ہے کیف ان کو شغل یہی صبح شام ہو
تیغیں چلیں کہ تیر مے لالہ فام ہو

(۹۴)

پروا نہیں غموں سے جو یک لخت دل ہے داغ
سمجھیں ہیں حق کی راہ میں روشن ہے اک چراغ
نظروں میں یا بہشت کا ہے لہلہاتا باغ
کوثر کی مے سے یا ہے چھلکتا ہوا ایاغ
دنیا کی سمت رُخ نہیں عقبیٰ کا دھیان ہے
روحِ شراب یہ ہیں شراب اُن کی جان ہے

(۹۵)

جو ہو محل شناس وہ آٹھوں پہر پیئے
نشہ میں روز و شب رہے شام و سحر پیئے
ہو جائے گی حرام یہ بے وقت اگر پیئے
اس طرح جب حسینؑ کا رکھ کر جگر پیئے
یہ ظرف ہو تو یوں کرے جبر اختیار پر
شبیرؑ پینے والے ہیں خنجر کی دھار پر

(۹۶)

پیمانہ ہے چھلکنے کو ہے آخری یہ دور
پینے کا طرز اور ہی کچھ ہے کرو جو غور
کہتی ہے شان ہیں یہ رسالتؐ کے ایسے طور
پہلے حسینؑ اور تھے اب ہوگئے کچھ اور
کونین کی نگاہ میں معراج آج ہے
سر پر عمامہ ہے کہ شفاعت کا تاج ہے

(۹۷)

چہرے پہ ذرّے خاک کے تابش ہے چار سو
اُن کا تیمم ایسا ہے کھائے قسم وضو
کانٹے پڑے زبان میں اور خشک ہے گلو
ہر حال میں یہ پیتے ہیں پینا ہے اِن کی خو
ظلموں پہ صبر بادہ کشی کی دلیل ہے
پیاسے رہیں یہ پینے کی اُن کے سبیل ہے

(۹۸)

واجب جو تھی حفاظتِ ناموسِ بے وطن
خندق میں آگ خیموں کے ہیں گرد شعلہ زن
آگے صفیں جمائے سپاہِ شہؑ زمن
چپ ہیں حسینؑ منتظرِ حکمِ ذوالمنن
پابندِ اِذن ہونے سے بے بس دلیر ہیں
آہن میں جیسے جکڑے غضبناک شیر ہیں

(۹۹)

بڑھتا ہے کیف جتنی کہ دنیا ہو اِن پہ تنگ
کرتی ہے بھوک پیاس دل آویز اور رنگ
ساغر کا ایک دور ہے کیسی جدال و جنگ
ہے میکشی کی وجہ سے یہ جوش یہ اُمنگ
چُھوٹے نہ منہ سے جام مصیبت ہزار ہو
پیتے رہیں گے چاہے سناں دل کے پار ہو

(۱۰۰)

میداں میں ہے اُدھر سپہِ شام کا خروش
ساکت ہیں سر جھکائے ہوئے یاں کے سرفروش
آنکھوں سے خوں ٹپکنے کو ہے وہ لہو میں جوش
اِک عالمِ سکوت ہے حضرتؑ جو ہیں خموش
شور و شغب جو سنتے ہیں باطل سپاہ کا
منہ تک رہے ہیں یاس سے جانباز شاہؑ کا

(۱۰۱)

ناگاہ طبلِ جنگ بجا دشت گونج اُٹھا
اُٹھی سپاہِ شام سے تیروں کی وہ گھٹا
سایہ ہوا زمین پہ اور چھپ گیا سما
تھوڑی وہ پیاسی فوج و پیکاں ہزارہا
یہ بیکسی شاہؑ کے آثار ہوگئے
زخمی کچھ اور شہید کچھ انصار ہوگئے

(۱۰۲)

فضلِ خدا ہے سایہ فگن فرقِ شاہؑ پر
ہو کر مجسّم آئی ہے پیروزی و ظفر
غالب ہو بھوکی پیاسی یہی فوجِ مختصر
کٹوائیں سر گوارا ہو حق کی بقا اگر
ہونے میں ذبح قُربتِ پروردگار ہے
جو چاہے اختیار کریں اختیار ہے

(۱۰۳)

سبطِ نبیؐ پہ مرحمتِ کارساز ہے
اللہ اور حسینؑ میں راز و نیاز ہے
چاہیں تو دیں شکست درِ فتح باز ہے
یا ہو وصال جس میں شہادت کا راز ہے
اسلام پر کبھی سوئے امت نگاہ ہے
مضطر ہیں شہؑ کہ دونوں کی حالت تباہ ہے

(۱۰۴)

کی عرض تیری راہ میں دینا ہے سر مجھے
ثابت قدم رہوں وہ عطا صبر کر مجھے
درکار ہے نہ فتح مجھے نے ظفر مجھے
ہو تیرا قرب ہے یہی محبوب تر مجھے
شائق غم و الم کا شہادت کا ہے حسینؑ
مشتاق تیرا اور تری رحمت کا ہے حسینؑ

(۱۰۵)

یہ کہہ کے دی رضا رفقا خوش ہوئے تمام
جس نے بھی پایا اِذن وغا کھینچ لی حُسام
خندق میں پھینکا توڑ کے شمشیر کا نیام
ایسا کیا جہاد کہ اب تک ہے اُن کا نام
دُکھ درد میں ہر ایک نے شُکرِ خدا کیا
ہو کر شہید حقِ رفاقت ادا کیا

(۱۰۶)

سخت امتحانِ عشق ہوا اور ہے غضب
جس میں لہو شریک ہے وہ ہیں رضا طلب
بھائی بھتیجے بھانجے بیٹے چھٹے گے اب
طے کر رہے ہیں منزلیں اظہارِ حق کی سب
منہ کو کلیجہ آتا ہے شبیرؑ کیا کریں
پہلو سے دل کا کون سا ٹکڑا جدا کریں

(۱۰۷)

انصاف اہلِ دل کہ یہ ہے مرحلہ اہم
اُلفت یہ چاہتی ہے ہو اپنا ہی سر قلم
دیکھیں نہ کاش گود کے پالوں کا داغ ہم
عشقِ الٰہ کہتا ہے چھوٹے نہ کوئی غم
ٹل سکتا ہی نہیں جو ہے وقت ارتحال کا
ہنگامہ عصر کا ہے مُعیّن وصال کا

(۱۰۸)

فطرت کا مقتضیٰ بشریت ہے اک طرف
اسلام اور نانا کی امّت ہے اک طرف
ماضی کے ماجروں کی شہادت ہے اک طرف
اک سمت ہے نبوّت امامت ہے اک طرف
دم بھرتا ہے زمانہ شہِ مشرقین کا
ایوبؑ کلمہ پڑھتے ہیں صبرِ حسینؑ کا

(۱۰۹)

شہؑ نے دیا جو اِذن دکھا دی رضا کی حد
پیاسے بہادروں کی شہادت وفا کی حد
صابر تھے گو مگر یہ نہ تھی انبیاؑء کی حد
کھینچی حسینؑ نے بشری ارتقا کی حد
کھلوایا تیر اُسے بھی جو بچہّ صغیر تھا
چہرے پہ سرخی آئی کہ ہدیہ اخیر تھا

(۱۱۰)

کرتے تھے شکر گاہ دعا شاہِ نیک خو
تھی عرض تیرے ہاتھ ہے بیکس کی آبرو
اُٹھتے یہ داغ ہوتا معاون اگر نہ تو
آسان کردے مرحلۂ خنجر و گلو
چھوٹے زمانہ ساتھ ہو صبر و ثبات کا
بیکس کو آسرا ہے تو بس تیری ذات کا

(۱۱۱)

پیوند خاک کرکے کلیجہ بڑھے جو شاہؑ
لاشہ جوان بیٹے کا دیکھا میانِ راہ
اک ہوک اُٹھی جو سینہ میں فرمایا لا الہٰ
جا پہونچے اُٹھتے بیٹھتے نزدیکِ خیمہ گاہ
رخصت کا مرحلہ شہیدوں کی نظر میں تھا
تھی اک سناں جو دل میں تو پیکاں جگر میں تھا

(۱۱۲)

تشریف لائے ڈیوڑھی میں یوں شاہِ کربلا
دل بیٹھا جا رہا ہے تو لرزاں ہیں دست و پا
بازو پہ زخم خون قبا پر ہے جا بجا
تازہ لہو صغیر کا منہ پر مَلا ہوا
تھا رنج یہ بھی سبطِ رسالتمآبؑ کو
اصغرؑ نہیں دکھاؤں گا منہ کیا ربابؑ کو

(۱۱۳)

بچے کی منتظر تھی جو دَر کے قریب ماں
دیکھا جونہی یہ حالِ شہنشاہِ انس و جاں
آیا کلیجہ منہ کو تو آنسو ہوئے رواں
تکتی تھی پھاڑ پھاڑ کے آنکھیں وہ ہر زماں
ہاتھوں سے دل مسوسے تھیں اور لب پہ آہ تھی
آغوش پر نظر کبھی رُخ پر نگاہ تھی

(۱۱۴)

بولیں کہ دل ہے ماما کی آنچ سے کباب
خالی ہے گود کس لئے فرمایئے شتاب
مانا دیا نہ فوج نے اک قطرہ اُس کو آب
آتا پلٹ کے گھر میں تو وہ رشکِ ماہتاب
پیاسے لہو کے سب کوئی ناصر نہ عون ہے
ہے کس کے پاس چاہنے والا وہ کون ہے

(۱۱۵)

پھٹتا ہے اب کلیجہ نہ مجھ سے چھپایئے
بچے پہ میرے گزری ہے جو کچھ بتایئے
ڈیوڑھی میں کیوں کھڑے ہوئے ہیں گھر میں آیئے
ہر اک کو حالِ جرأتِ اصغرؑ سنایئے
تڑپا گرا جو سنتے ہی فریاد آپ کی
پھر کیوں نہ جان دیتا وہ نصرت میں آپ کی

(۱۱۶)

اشکوں کا اس سکوت کا مطلب سمجھ گئی
مولاؑ یہی تھی مصلحتِ رب سمجھ گئی
زخمی ہے شانہ اچھی طرح اب سمجھ گئی
بیتی جو بھوکے پیاسے پہ وہ سب سمجھ گئی
ہے یاد اسی طرف تھا گلا مرے لال کا
مارا ہے تیر ہائے غضب تین بھال کا

(۱۱۷)

فرمایا کیا کہوں کہ یہ غم کس طرح سہا
پانی تُم ہی پلادو اُنہیں فوج سے کہا
تیرِ سہ شعبہ مارا چھدا حلقِ مہ لقا
کیا آؤں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا
جائز یہاں ہے قتل محمدؐ کی آل کا
چہرے پہ ہے لہو یہ تمہارے ہی لال کا

(۱۱۸)

یہ سنتے ہی ربابؑ گریں فرشِ خاک پر
وا اصغراؑ کہتی تھیں اور پیٹتی تھیں سر
ڈیوڑھی سے اندر آئے شہنشاہِؑ بحر و بر
شور و فغاں تھا اہلِ حرم پیٹتے تھے سر
منہ تکتے تھے ہر ایک کا حیراں صغیر تھے
پتھر کا دل بھی ٹکڑے ہو ئیں ایسے تیر تھے

(۱۱۹)

اعدا یہ شور کرنے لگے رن سے ناگہاں
کب تک کمر نہ کھولیں کریں وقتِ رائیگاں
میدان میں قتل ہوگیا شش ماہِ بے زباں
ناصر اگر نہ ہو کوئی خود آپ آئے یاں
یا ہوں وہی نشانہ جو باقی صغیر ہیں
ترکش میں حرملہ کے ابھی اور تیر ہیں

(۱۲۰)

ہر جنگ ہر لڑائی کو یکساں نہ جانئیے
رن کربلا کا ہے ظفر آساں نہ جانئیے
بدر و حنین کا اسے میداں نہ جانئیے
سر آپ کا بچے کسی عنواں نہ جانئیے
قاتل علیؑ ہیں ناموران کبار کے
جوہر ہمیں بھی دیکھنا ہیں ذوالفقار کے

(۱۲۱)

ھرّائے شاہؑ غیظ سے سنتے ہی یہ کلام
رمایا بے محل ہے کہ ٹھہرے یہ مستہام
ئوں جوش مارنے لگا سُن کے پدر کا نام
خصت حسینؑ ہوتا ہے لو آخری سلام
حافظ ہے اُسکی ذات نہ یاس و ہراس ہو
زینبؑ وہ لاؤ سب سے جو کہنہ لباس ہو

(۱۲۲)

ی عرض رن میں جاتے تھے بابا بھی بارہا
تری چُھری کلیجے میں بھیّا یہ کیا کہا
کپڑے پھٹے پرانوں کا مقتل میں کام کیا
رمایا رخت و اسلحہ لوٹیں جو اشقیا
توہین اتنی دینِ نبیؐ کی نہ کاش ہو
رہ جائے یہ لباس ہی عریاں نہ لاش ہو

(۱۲۳)

یہ سُن کے دل جگر ہوئے شق روئیں بیبیاں
زینبؑ لباسِ کہنہ جو لائیں بصد فغاں
آہ و بکا کا شور ہوا وہ کہ الاماں
س گھر سے لاش اُٹھتی ہے ہوتا تھا یہ گُماں
پھاڑے جگہ جگہ سے شہؑ مشرقین نے
پھر سب کے نیچے پہنے وہ کپڑے حسینؑ نے

(۱۲۴)

کہتی تھی بیکسی کہ زہے خلعتِ حسینؑ
نازاں شفاعت ان پہ وہ ہے عزّتِ حسینؑ
قدرت کی آنکھ میں ہے کبھی صورتِ حسینؑ
کہتا ہے عشق ہو کے رہے وصلتِ حسینؑ
معشوق ہی بلائے تو جائیں یہ آن ہے
اظہارِ حق کا کہیے مرقع وہ شان ہے

(۱۲۵)

محبوبِ حق مہک وہ عمامہ ہے زیب سر
مثلِ کفن ہے چادرِ احمدؐ بھی جسم پر
جد کی ذرہ وہ کپڑوں سے وابستہ ہے ظفر
ہے زیبِ دوش حافظِ دینِ خدا سپر
دل ہے قوی علیؑ کے تبرک ہیں ساتھ میں
پہلو میں ذوالفقار تو نیزہ بھی ہاتھ میں

(۱۲۶)

شور و فغان تھا بیچ میں استادہ تھے امامؑ
تھیں گرد و پیش آپ کے سیّدانیاں تمام
سب کی نگاہیں یاس کی اور یاس کے کلام
تلقینِ صبر کر رہے ہیں شاہِؑ خاص و عام
بچے مچل کے روتے تھے یہ آہیں بھرتے تھے
لیتے تھے گود میں تو کبھی پیار کرتے تھے

(۱۲۷)

کہنا تھا جس سے جو وہ کہا سوئے در بڑھے
سب اہلبیتؑ روتے ہوئے نوحہ گر بڑھے
پردہ اُٹھا کے آپ جو با چشم و تر بڑھے
رونق گئی تو غم کے دلوں پر اثر بڑھے
پردیس میں یہ وقت پڑا آلِ پاک پر
دُھنتا تھا سر کوئی ، کوئی گرتا تھا خاک پر

(۱۲۸)

اظہارِ حق کی چاہ میں باہر حضورؑ آئے
جیسے سُرور دل میں اور آنکھوں میں نور آئے
پہلو میں ذوالجناح کے شاہِ غیور آئے
موسےٰ خوشی میں جلوہ کی نزدیکِ طور آئے
غش کہتا ہے نظارہ بھی خواب و خیال ہے
ہوش آنا کیسا یہاں تو شہادت وصال ہے

(۱۲۹)

خدمت تھی آخری تو ہوئی پیار کی نگاہ
بیٹھے امامؑ رخش چلا مستقیم راہ
سایہ کئے تھے سر پہ ملایک بعزّ و جاہ
تھی ہم رکاب نورِ خدا رحمتِ الٰہ
دیں کی ظفر جلو میں تھی صبر و ثبات تھا
اک بیکسی تھی اور شہِؑ کائنات تھا

(۱۳۰)

سمجھے ہوئے تھا چھٹتے ہیں شبیرِ ذی وقار
رستے میں روتا جاتا تھا اسپ وفا شعار
پیدا صدا جرس کی تھی ٹاپوں سے بار بار
خیمے سے سر پٹکتا تھا اُٹھا ہوا غبار
یوں تو اُڑے گی آج سے دنیا بھر میں خاک
دینے خبر وداع کی جاتی تھی گھر میں خاک

(۱۳۱)

مرکب کو ہے یہ ناز کہ راکب ہے دیں پناہ
مس کر کے آنکھیں چومتا جاتا ہے پائے شاہؑ
ہر سُم کو بوسہ دے رہی ہے مستقیم راہ
اس کا قدم امامؑ کا ہے نقطۂ نگاہ
جس راہ پر ہیں شاہؑ اُسی راہ پر ہے یہ
ہیں رہنما حسینؑ اگر راہبر ہے یہ

(۱۳۲)

نورِ خدا و کعبۂ ایماں لئے ہوئے
ہے بحرِ فیض و رحمتِ یزداں لئے ہوئے
محبوبِ کبریا کا دل و جاں لئے ہوئے
واللہ ہے یہ بولتا قرآں لئے ہوئے
کیا ڈر اُسے ہو سبطِ نبیؐ جس کی پشت پر
ثقلین ان کے جلوہ سے ہیں اُس کی پشت پر

(۱۳۳)

اسوار ہیں حسینؑ کو پیارا ہے یہ فرس
بے یار کا غریب کا یارا ہے یہ فرس
ہم ایسے عاصیوں کا سہارا ہے یہ فرس
تقدیر کا چمکتا ستارہ ہے یہ فرس
ہے زیں پہ شاہؑ دین کی کُل کائنات کا
گھوڑا رواں کہ جاتا ہے بیڑا نجات کا

(۱۳۴)

غصے میں شیر ہوتا ہے سن کر ہوا کا نام
حوریں ہیں جان و دل سے فدا ایسا خوش خرام
کھاتے ہیں اُس کی چال کی قسمیں حسین تمام
پامال ہورہی ہے قیامت ہر ایک گام
ناز و ادا سے چلتا ہے جب جھوم جھوم کے
جاتا ہے حشر امامؑ کے قدموں کو چوم کے

(۱۳۵)

حُسن انکھڑیوں کا یا کششِ دل کا راز ہے
سینہ کشادہ ہے کہ درِ فتح باز ہے
ہے سازگار دینِ مبین کو وہ ساز ہے
ہیں پشت پر حسینؑ سے صابر یہ ناز ہے
صدقے سبک روی پہ ہیں جھوکے نسیم کے
اس کے قدم ہیں میل رہِ مستقیم کے

(۱۳۶)

لے جا رہا ہے شاہؑ کو جاہ و حشم سے یہ
بڑھ کر ہے مرتبے میں غزالِ حرم سے یہ
ہے تیز ذوالفقار کی تیزی و دم سے یہ
تازے چمن کھلاتا ہے نقشِ قدم سے یہ
خنداں گلِ مراد ہیں سم کے نشاں نہیں
بستاں وہ کربلا کا ہے باغِ جناں نہیں

(۱۳۷)

کیا ذکر اُس کا راندہ ہر گام ہے ہوا
کہلائے اس کی وجہ سے رہوار باد پا
حق کیا ادا ہو تابہ قیامت رہے ثنا
ہے انتخاب کردۂ محبوبِؐ کبریا
یہ مدح ہے امامؑ کی حق بین نگاہ کی
جب اس نے خاک اُڑائی تو راہِ الٰہ کی

(۱۳۸)

ہیں مطمئن رواں سوئے مقتل شہِؑ عرب
جتنے تھے سخت مرحلے طے ہوگئے وہ سب
ہر گام بڑھ کے کہتا تھا شوقِ لقائے رب
ہو جائے بس شہادتِ سبطِ رسولؐ اب
ہو فرق نصب نیزہ پہ تن پائمال ہو
معراجِ کربلا میں ہو ایسا وصال ہو

(۱۳۹)

ہر گام سعی بخششِ امت ہے ساتھ ساتھ
دینِ محمدیؐ کی حمایت ہے ساتھ ساتھ
حلم نبیؐ علیؑ کی شجاعت ہے ساتھ ساتھ
اور فاطمہؑ کے شیر کی طاقت ہے ساتھ ساتھ
اظہارِ حق رفیق نہ مونس نہ یار ہے
رحمت کے ساتھ رحمتِ پروردگار ہے

(۱۴۰)

عشقِ الٰہ کہتا ہے خنجر چلیں کہ تیر
کیا فکر صابروں میں یہ خود اپنی ہیں نظیر
روئے لہو وہ دیکھے ثبات آج چرخِ پیر
ہے ارتقائے عشق کی منزل یہی اخیر
برچھی پہ سرفراز جو فرقِ امامؑ ہو
شبیرؑ کی زباں ہو خدا کا کلام ہو

(۱۴۱)

ہے پیش پیش امامؑ دو عالم کا رعب داب
اسلام تھامے گوشۂ زیں ہمرہِ رکاب
بیکس مسافر ایسا کہ مقتل میں پا تراب
رضوان ٹہلتا پھرتا ہے جنّت کے وا ہیں باب
یہ شوق دید اہلِ جناں کا ہجوم ہے
سردارِ خُلد آتا ہے جنّت میں دھوم ہے

(۱۴۲)

بڑھتے ہیں شہؐ چمکتی ہے تقدیرِ انتظار
دَر پر جمی نگاہیں یہ توقیرِ انتظار
پائے نظر ہے بستۂ زنجیرِ انتظار
یہ محویت کہ خُلد ہے تصویرِ انتظار
کیوں دل کھنچے نہ شوق سے غلمان و حور کا
باغِ بہشت جلوہ ہے حضرتؐ کے نور کا

(۱۴۳)

ہاں اے قلم مرقّعِ باغِ جناں دکھا
طاری ہو وجد وہ چمنِ بے خزاں دکھا
جس باغ میں نہ ہو یہ زمیں آسماں دکھا
قرآں میں جس کے وصف ہیں وہ بوستاں دکھا
حق بیں نظر سے قدرتِ باری کی سَیر ہو
گلزار ہو کہ جلوۂ اعمال خیر ہو

(۱۴۴)

فیضِ ثنائے شہؐ سے ہو مجھ پر جو فضلِ ربّ
آنکھوں میں لفظ لفظ وہ باندھے سماں عجب
گلزارِ خلد دیکھ رہے ہیں یہ سمجھیں سب
جا کر ہوں چرچے سنئے کلامِ فریدؔ اب
حُسنِ قبول لطفِ بیان دیکھ آئے ہم
مجلس میں آج باغِ جناں دیکھ آئے ہم

(۱۴۵)

گلزارِ خلد ہے کہ ہے قدرت کی جلوہ گاہ
ذرّوں کی آب و تاب سے شرمائیں مہر و ماہ
شفاف و صاف آئینہ ہے صحن واہ واہ
وہ دلفریب عکسِ چمن جاذبِ نگاہ
صدقے نہ کیوں بہار ہو دنیائے زشت کی
تصویر ہے کھنچی ہوئی باغِ بہشت کی

(۱۴۶)

پھیلی ہوئی ہے پھولوں کی خوشبو چہار سو
سردارِ خلد کی ہو زیارت ہے آرزو
رخسار سے گلوں کے ٹپکنے کو ہے لہو
پودے نہال ہوتے ہیں دم بھر میں یہ نمو
آنے کی شاہؐ دین کے خبر سُن جو پائی ہے
فصلِ بہار تازہ بھی جنت میں آئی ہے

(۱۴۷)

چھوڑے گلوں کا غنچہ اُڑے پھرتی ہے ہزار
انگڑائی لے کے خواب سے سبزہ ہے ہوشیار
مضطر ہیں دل کہ تاک میں انگور بے قرار
یا ڈبڈبائی آنکھوں میں ہے کیفِ انتظار
مشتاقِ دیدِ بادشہِؐ دیں پناہ ہیں
ہر اک روش پہ غنچہ و گل فرشِ راہ ہیں

(۱۴۸)

آرائشِ بہشت بریں کا ہو کیا بیاں
اعجاز وہ بہار کے وہ نت نئے سماں
پھول ایسے جن سے دونی ہے زیبائشِ جناں
صنعت یہ ہے طیورِ بہشتی کا ہو گماں
رنگیں وہ بال و پر جو نظر میں سماتے ہیں
منقار ہے کُھلی کہ بس اب چہچہاتے ہیں

(۱۴۹)

جنت دلہن بنی ہوئی ہے دیکھئے جدھر
وہ نقرئی مکاں روشوں کے اِدھر اُدھر
تصویرِ ایک قصر کی ہے ایک قصر پر
وہ آب و تاب جیسے جواہر کے ہیں شجر
شاداب پھول ہیں کہ ہیں رخسار حور کے
گلزار ہے ڈھلا ہوا سانچے میں نور کے

(۱۵۰)

دل بھی نظر بھی لُوٹے لہکتا وہ سبزہ زار
شاداب شاخ شاخ تو سر سبز برگ و بار
کونپل یہاں پہ پھوٹے گی یہ صاف آشکار
ہر ایک نہال ہے کہ ہے آئینۂ بہار
فیضِ بہار اور یہ قوت زمیں کی ہے
رگ رگ میں دیکھو سبز رطوبت زمیں کی ہے

(۱۵۱)

گلشن وہ لہلہاتا ہوا دل ہو باغ باغ
لالے کے پھول مے سے چھلکتے ہوئے ایاغ
کھلتے ہیں یوں کہ دیتے ہیں لَو لعل سب چراغ
خالِ رُخِ نگار فروغِ نگاہ داغ
پریاں نثارِ حُسن ہیں یہ بے مثال ہیں
معلوم ہو رہا ہے چراغاں نہال ہیں

(۱۵۲)

شاخوں میں جھومتے ہوئے مخمور کا ہے رنگ
ایسی گلوں میں جلوہ گری طور کا ہے رنگ
کہتا ہے کھینچ کے دل نظر حور کا ہے رنگ
خوشبو میں زعفران تو کافور کا ہے رنگ
پھولوں کی آب و تاب سے پتے دمکتے ہیں
یا چرخِ اخضری پہ ستارے چمکتے ہیں

(۱۵۳)

ایسے ثمر عجیب کہ حیران ہوں عقول
چکھنے میں پھل تو دیکھنے میں خوشنما ہیں پھول
خوشبو وہ باغ باغ ہو خوش ہوئے دل ملول
وہ ذائقہ کہ روح کو ہو تازگی حصول
کیف مئے ولائے حسینؑ و حسنؑ رہے
روشن دل و دماغ معطر دہن رہے

(۱۵۴)

پتی کوئی گرے گی نہ میوہ زمین پر
پھل پھول برگ جاذبِ دل جاذبِ نظر
عرفانِ حق ہو جس سے وہ تصویر ہیں شجر
پتوں پہ آنکھیں ملئے کبھی چومئے ثمر
صنعت کا اک کرشمہ ہے یا برگ و بار ہیں
قرآں لکھا ہوا ہے کہ نقش و نگار ہیں

(۱۵۵)

آب و ہوا لطیف وہ تاثیر بے مثال
پریاں کئے بناؤ کھڑی ہیں کہ ہیں نہال
کُملائیں پھول پتیاں مرجھائیں کیا مجال
شاداب و سبز رہتی ہے ٹوٹی ہوئی بھی ڈال
رکھیئے جو تا بہ حشر نہ کم آب و تاب ہو
خوشبو مزا نہ رنگ پھلوں کا خراب ہو

(۱۵۶)

وہ باغ وہ بہار وہ عنبر فشاں ہوا
پھل پھول وہ نہال ہیں تصویرِ خوش نما
نیت بہشتیوں کی بدلتی ہے ذائقہ
جی چاہا جس ثمر کو اُسی کا مزا ملا
جُھک آئیں اُونچی ڈالیاں دیکھا جو شوق سے
پھل خام پختہ ہوتے ہیں گرمیِ ذوق سے

(۱۵۷)

ہے جاذبِ نگاہ نظارت وہ لاجواب
پڑھ کر درود جھومے نکہت وہ لاجواب
آنکھوں سے دل میں کہتی ہے رنگت وہ لاجواب
تا حشر ذائقہ رہے لذّت وہ لاجواب
ملتے نہیں عدو کو علیؑ و بتولؑ کے
یہ پھل ثمر ہیں اُلفتِ آلِ رسولؐ کے

(۱۵۸)

قصرِ زبرجدی وہ طلائی وہ اُن پہ کام
ششدر بشر ہو دیکھ کے ایسے حسین بام
ترشے جواہر اُن پہ لکھے پنجتنؑ کے نام
چھوٹوں سے رنگ رنگ کی وہ روشنی تمام
حیرت ہو نت نئے وہ سماں ہیں بہشت میں
پانچ آفتاب نورِ فشاں ہیں بہشت میں

(۱۵۹)

آغوش ہیں کشادہ کہ قصروں کے دَر ہیں وا
غلمان و حور سب روشوں پر ہیں جا بجا
ہر چار سمت پھیلے ہوئے ہیں ملائکہ
ہیں منتظر تمام وصی اور انبیاؑ
حیدرؑ بتولؑ لائینگے دو دن کے پیاسے کو
ختم الرسلؐ بھی لینے گئے ہیں نواسے کو

(۱۶۰)

نہریں وہ نہریں سامنے قصروں کے ہیں رواں
صنعت سے وضع و ساخت کی شانِ خدا عیاں
موجیں رواں ہیں کوندتی ہیں جیسے بجلیاں
نہ اتنی صاف صورتِ آئینہ ضوفشاں
انجم نثارِ حُسن سوارانِ آب ہیں
ہیں قمقمے وہ نور کے جتنے حباب ہیں

(۱۶۱)

موجیں رواں ہیں یوں کہ خراماں ہیں سیم تن
یا ہے جبینِ حور بصد نازِ پُر شکن
فوارہ چھوٹنے کا سماں وہ چمن چمن
ہیں گرد مہر کے کرنیں جیسے ضوفگن
گرتی ہیں اونچی ہو کے پُھہاریں جو اوج سے
نغمے عجب نکلتے ہیں رفتارِ موج سے

(۱۶۲)

وہ آسمان ہے نہ زمیں ہے نہ حادثات
جو زندگی حباب تھی ہے دائمی حیات
وہ پیارا وہ سُہانا سماں دن ہے اور نہ رات
موجوں پہ کھیلتے ہیں حباب اس قدر ثبات
کہتے ہیں جنتی یہ کنارے کھڑے ہوئے
دیکھو ہیں بجلیوں پہ ستارے جڑے ہوئے

(۱۶۳)

کوثر میں رنگ مے کی سپیدی وہ لاجواب
یوں موجیں مار کے ہے چھلکتی شرابِ ناب
جیسے کہ چاندی اُبلے پگھل کر بہ آب و تاب
مہکیں وہ جن سے پلٹا ہے گزرا ہوا شباب
پیری کا دور دورہ ہے دنیائے زشت میں
کیا تاب کیا مجال جو آئے بہشت میں

(۱۶۴)

خوشبو وہ مشکِ ناب کی جس پر فدا خُتن
آئی جو موج بن گئے اسمائے پنجتنؑ
تحریر سب کے بیچ میں تھا ربِّ ذو المنن
ہر حرف ضوفشاں ہے تو ہر لفظ ضوفگن
پانی ٹھہر کے صورتِ تصویر ہو گیا
کوثر کا سورہ دَور میں تحریر ہو گیا

(۱۶۵)

تصویرِ غم کی آج ہے میخانۂ جناں
ہے تشنہ لب فرات پہ ساقی کی روحِ جاں
رُخ کربلا کی سمت ہے کوثر ہے یوں رواں
موجیں ہیں یا پھڑکتی ہیں بے آب مچھلیاں
تر آنکھ آنسوؤں سے ہے ایک ایک حباب کی
ماتم کی صف بچھی ہے کہ چادر ہے آب کی

(۱۶۶)

سر دم بدم کناروں سے ٹکرا رہی ہے موج
درد و غم و الم کی خبر لا رہی ہے موج
بے آب تیغ آج نظر آ رہی ہے موج
وہ دن ہے بادہ نوشوں کو رُلوا رہی ہے موج
مظلومِ کربلا جو شہِؑ مشرقین ہیں
آواز صاف آتی ہے پیاسے حسینؑ ہیں

(۱۶۷)

حیراں ہے شکلِ آئینہ نقشہ یہ نہر کا
ہر سمت بندِ قلقلِ مینا کی ہے صدا
آواز گریہ آتی ہے چلتی ہے جب ہوا
یہ جام ٹوٹا اور وہ ساغر چٹک گیا
غم سے ہر ایک شیشۂ دل چور چور ہے
پیمانہ خُم سے جام صراحی سے دور ہے

(۱۶۸)

جنت سمت کے آئی ہے اللہ رے اژدہام
گریاں و مضطرب ہیں شہیدانِ تشنہ کام
ہر ایک جنتی سے ہیں رضواں کے یہ پیام
دو دن کا پیاسا آنے کو ہے تیسرا امامؑ
ماتم پڑا ہوا ہے نبیؐ کے گھرانے میں
ہنگامِ عصر ہوگی قیامت زمانہ میں

(۱۶۹)

ساغر ہیں گو کہ سامنے کوثر چھلکتا پاس
پیتا نہیں کوئی تو ہے محفل اُداس اُداس
آنکھیں ہیں ڈبڈبائی کہ تصویر رنج و یاس
بجھنے کو تیغ سے ہے شۂِ بحر و بر کی پیاس
یہ پیاس مصطفےٰؐ کی ہے اولاد کے لئے
جس کا دھواں بلند ہے فریاد کے لئے

(۱۷۰)

پیاسوں سے کربلا کے بڑھی ہے فضائے غم
چھلکا رہے ہیں آنکھوں کے پیمانہ دم بدم
مظلومِ کربلا ہی کے ہیں تذکرے بہم
پینے کی بے حسینؑ ہیں کھائے ہوئے قسم
دل سب کے خون ہیں کسے پینے کا ہوش ہے
مینا سے اُبلا پڑتا ہے بادہ یہ جوش ہے

(۱۷۱)

نکلی نہ جان دے کے بھی نصرت کی آرزو
خوشبوئے بادہ ان کے لئے خون کی ہے بو
ہے موجِ مے سے گردنِ مینا سے دل لہو
آنکھوں میں پھرتا ہے کبھی خنجر کبھی گلو
آئے نہیں یہ جنّت و کوثر کی چاہ میں
گردن کشائی عشق شۂِ دیں پناہ میں

(۱۷۲)

سمجھے رہو کہ ہیں یہ ہتھیلی پہ سر لئے
تھرّاتے ہونگے ہاتھوں میں تیغ و سپر لئے
خمیازہ تمکو ظلم جو کرنا تھے کر لئے
زخم آئے ہیں کہ سینہ میں ہیں دل جگر لئے
پہلے کے جتنے داغ ہوئے اور داغ تھے
اب وہ بجھے ہیں گھر کے جو روشن چراغ تھے

(۱۷۳)

ناگاہ رَن میں پہونچا دو عالم کا بادشاہ
شوقِ لقائے رب کا ہوا رنگِ رخ گواہ
روکا فرس چہار طرف کر کے اک نگاہ
پھولی رگیں گلے کی نظر آئی قتل گاہ
دل میں جو درد تھے وہ فراموش ہو گئے
لَو حق سے یوں لگی ہمہ تن ہوش ہو گئے

(۱۷۴)

اظہارِ حق کے واسطے آگے بڑے امامؑ
روکا فرس مقابلِ افواجِ اہلِ شام
ساکت تھے سر جھکائے ہوئے اہلِ شر تمام
اک عالمِ سکوت تھا ہر چار سمت عام
رحمت کے در کُھلے جو ہیں لب باز ہو گئے
دونوں جہان گوش بر آواز ہو گئے

(۱۷۵)

ارشاد کر رہے تھے یہ اپنا حسب نسب
بابا علیؑ ہیں حیدرؓ و صفدر شہِ عرب
ہیں ہاشمی امامؑ بھی ہیں جانتے ہیں سب
کافی یہی ہے فخر کو ہم چاہیں فخر جب
صد شکر ایسے باغِ رسالتؐ کے پھول ہیں
نانا بزرگ خلقِ خدا کے رسولؐ ہیں

(۱۷۶)

مشہور جو ہیں جعفرؓ طیّار وہ چچا
ماں اپنی فاطمہؑ ہیں جو ہیں بنتِ مصطفےٰؐ
مالک جناں کی شافعہؑ صدیقہؑ طاہرہؑ
مریمؑ بھی جن پہ فخر کریں ایسی پارسا
اپنی نظیر آپ صغیر و کبیر ہیں
ہم ہادیٔ زمانہ سراجِ منیر ہیں

(۱۷۷)

ہے اپنے دشمنوں کے لئے حشر میں عذاب
اس دَر سے دوستوں کو ملی ہے رہِ ثواب
کھولے گئے ہدایتِ دنیا کے یاں سے باب
اپنے ہی گھر میں اُتری ہے اللہ کی کتاب
عالم کی ہیں پناہ کہ رب کی اماں ہیں ہم
جو تھے زبانِ وحی ٔحق اُن کی زباں ہیں ہم

(۱۷۸)

آمادہ کیوں ہو ظلم پہ آخر کوئی خطا
کیا ترکِ حق کیا جو میرا قتل ہے روا
یا میں نے بدلی سنتِ پیغمبرؐ خدا
یا یہ کہو شریعتِ حق پر نہیں چلا
سر کاٹ لو خوشی سے تم اس تشنہ کام کا
لیکن گنہ بتاؤ تم اپنے امامؑ کا

(۱۷۹)

بولے عدو کہ آپ کا کوئی نہیں گناہ
لیکن قلم کرینگے سر شاہِ دیں پناہ
قاتل علیؑ بزرگوں کے بے شک و اشتباہ
جنگِ حنین و بدر کا میدان ہے گواہ
یہ بغض مدتوں کا ہے حضرتؑ کے باپ سے
لینا ہے اُن کے خوں کا عوض آج آپ سے

(۱۸۰)

شدّت سے روئے سنتے ہی یہ شاہِ انس و جاں
دیکھا فلک کو آپ نے با چشمِ خونچکاں
تھا اپنی بیکسی کا خیال اور نہ خوفِ جاں
تھا دھیان ہو نہ شوکتِ اسلام رائیگاں
کرتے تھے یہ دعائیں کریم الرحیم سے
توفیق دے بچا انہیں ذبحِ عظیم سے

(۱۸۱)

ہیں مطمئن رواں سوئے مقتل شہؑ عرب
جتنے تھے سخت مرحلے طے ہوگئے وہ سب
ہر گام بڑھ کے کہتا ہے شوقِ لقائے رب
ہو جائے بس شہادتِ سبطِ رسولؐ اب
ہو فرق نصب نیزہ پہ تن پائمال ہو
معراجِ کربلا میں ہو ایسا وصال ہو

(۱۸۲)

دیتے تھے راہ سے یہ خبر پیک بار بار
اک بھوکا پیاسا شیر ادھر آتا ہے ہوشیار
آگے صفوں میں آئیں وہ جتنے ہوں نیزہ دار
بھڑکیں نہ ڈر کے ایسے ہوں مضبوط راہوار
ہونے ہی کو ہے چار طرف غل دہائی کا
بگڑے گا ایک حملہ میں نقشہ لڑائی کا

(۱۸۳)

جاہ و جلال اور وہ حیدرؑ کا رعب داب
آمد میں شانِ حلمِ رسولِؐ فلک جناب
شوقِ وغا سے دیکھی نہ رخ پر یہ آب و تاب
کیا جذبۂ جہاد نے پلٹایا ہے شباب
یہ صبر ایسے ظلم و ستم اور فساد پر
اصغرؑ کو دفن کرکے چڑھے ہیں جہاد پر

(۱۸۴)

خونخوار لاکھوں اور وہ غربت وہ بھوک و پیاس
تکتے ہیں دھنے بائیں شہنشاہِ حق شناس
بھائی بھتیجے بھانجے بیٹے رہے نہ پاس
اظہارِ حق کے جوش میں اللہ سے ہے آس
انصار کے ہیں خاک پہ لاشے پڑے ہوئے
شہؑ مطمئن ہیں یک و تنہا کھڑے ہوئے

(۱۸۵)

گرجا وہ طبلِ جنگ وہ تیر آئے ناگہاں
گھوڑوں کی اُبلی آنکھڑیاں بدلی کنوتیاں
پیر ضعیف اِدھر سے اُدھر سے بڑھے جواں
چمکی وہ ذوالفقار یہاں تک ہوا سماں
ہوتے ہی وار کُھل گئے جوہر حسام کے
خوں ریز صبح ہوگئی لشکر میں شام کے

(۱۸۶)

تلوار ہے یہ خاص تو ہے ذوالفقار نام
رکھّے اسے رسولؐ خدا یا رکھے امامؑ
ترویجِ دیں کی کفر مٹانا یہی ہے کام
دشمن کا خوں حلال اسے دوست کا حرام
قابو میں آسکی نہ کسی بادشاہ کے
قبضہ میں جب رہی تو شہِؑ دیں پناہ کے

(۱۸۷)

کس تیغ میں یہ دم ہے جو کہلائے ذوالفقار
بھیجے خدا تو ہو سکے ہم تائے ذوالفقار
پہلوئے شیرِ حق میں رہی جائے ذوالفقار
بر آئی کربلا میں تمنائے ذوالفقار
اک تہلکہ ہے لشکرِ ابنِ زیاد میں
مدّت کے بعد آج کھنچی ہے جہاد میں

(۱۸۸)

وہ تیغ رکھی دینِ پیمبرؐ کی جس نے بات
لوہا وہ ہے کہ مانتی ہے جس کو کائنات
کفّار کی کبھی نہ چلی ایسی کوئی گھات
دم سے اسی کے بڑھ گئی اسلام کی حیات
خون کافروں کا تابوں سے اس کی بہا کیا
سایہ ہمیشہ حافظِ قرآں رہا کیا

(۱۸۹)

آئی یہ آسماں سے رسولِؐ خدا کے پاس
حضرتؐ نے کی عطا تو رہی مرتضےٰؑ کے پاس
تھی آج کے لئے یہ شہِؑ کربلا کے پاس
اک روز ہوگی قائمِؑ آلِ عباؑ کے پاس
قبضے میں فتح ہے یہ ہیں جھنڈے گڑے ہوئے
معصوم اُنگلیوں کے نشاں ہیں پڑے ہوئے

(۱۹۰)

چلتی نہیں حسام یہ حکمِ خدا بغیر
اہلِ وفا سے عشق ہے اہلِ وغا سے بیر
آباد جس سے کعبہ ہے برباد جس سے دیر
چلنا بھی کارِ خیر ہے رکنا بھی کارِ خیر
جو ہے ادا عبادتِ پروردگار ہے
یہ اور کوئی تیغ نہیں ذوالفقار ہے

(۱۹۱)

اس تیغ ہی سے دینِ نبیؐ کا ہے تخت و تاج
اسلام کی بندھی ہے اسی دم سے دھاک آج
اظہارِ حق میں رکھتے ہیں معصوم احتیاج
قبضہ کے چومنے کا اسی سے چلا رواج
غربت میں کام آئی شہِ تشنہ کام کے
یہ ہاتھ میں رہی ہے نبیؐ یا امامؑ کے

(۱۹۲)

بکتر کو قطع کر گئی جوشن کے ساتھ ساتھ
دو کر دیا سوار کو توسن کے ساتھ ساتھ
تارِ نفس قلم کیا گردن کے ساتھ ساتھ
بغض و حسد مٹا گئی دشمن کے ساتھ ساتھ
شورہ یہ ہیں سپاہِ ضلالت شعار کے
قہر اللہ بھیس میں ہے ذوالفقار کے

(۱۹۳)

ہمراہ فرق کاٹتی ہے خودِ سنگ تیغ
تصویرِ موت بہرِ عدو وقت جنگ تیغ
ہر دم بدل رہی ہے لڑائی کا رنگ تیغ
کرتی ہے قطع نیزہ کمانیں خدنگ تیغ
خالی گئے جو وار تو غم دل پہ سہہ گئے
ڈھالیں کہیں تو ہاتھ کہیں کٹ کے رہ گئے

(۱۹۴)

یہ دیکھ کر جو غیظ میں تھا شمرِ پُر دغل
کہنے لگا امیر سے طرزِ وغا بدل
باقی رہے نہ کوئی اگر یوں رہے جدل
ایک ایک کر کے لڑنا سراسر ہے بے محل
جاں بر ہو کون اسد ہے یہ شیرِ الٰہ کا
اک دم ہو حملہ چار طرف سے سپاہ کا

(۱۹۵)

وہ ہیں جو مصطفےٰؐ کے ہوئے دوش پر بلند
ذہنیت ان کی پاک ہے ان کی نظر بلند
ان کی یہی ہے کوشش و کد حق ہو سر بلند
معراج سمجھیں سر ہو سناں پر اگر بلند
ضد ہے دکھائیں آج یہ نانا کی بات ہم
قرآں ہمارے ساتھ ہے قرآں کے ساتھ ہم

(۱۹۶)

اظہارِ حق کا جوش زیادہ سپاہ کم
جمتے جہاں ہیں کوہ گراں ہوتے ہیں قدم
قہرِ خدا ہے حملۂ شہنشاہؑ امم
ہے بھوک اب نہ پیاس نہ اب ضعف اور نہ غم
قوّت سے کل سپاہ کی ہمّت زیاد ہے
اب تک ہوا نہ ہوگا کبھی وہ جہاد ہے

(۱۹۷)

طے ہوتے ہی یہ گھر گئے چاروں طرف سے شاہؑ
ٹڈی کے دَل کی طرح اُمنڈ آئی کل سپاہ
غل شور وہ وہ ہمھے اللہ کی پناہ
ٹاپوں سے راہواروں کی ہلتی تھی رزم گاہ
حملہ کیا تو دم نہ کیا تشنہ کام نے
پھر مارے دس ہزار سے زائد امامؑ نے

(۱۹۸)

لو اب غضب ہوا کہ بڑھا اور اژدہام
شل ہو گئے ہیں لڑتے ہی لڑتے شہِؑ انام
رعشہ ہے ہاتھ پاؤں میں رکتی نہیں حسام
طاری ہے اتنا ضعف کہ بے حال ہیں امامؑ
طلبیدہ میہماں سے ہیں کوفی پھرے ہوئے
خونخواروں میں ہیں آپ کے مولاؑ گھرے ہوئے

(۱۹۹)

ہیں قاتلانِ سیّدِ ابرارؑ چار سو
کھینچے لعین ہزاروں ہیں تلوار چار سو
اُٹھے ہوئے ہیں گرز گراں بار چار سو
تانے ہیں نیزے خنجر خونخوار چار سو
پتھر ہیں جھولیوں میں لئے جو کہ پیر ہیں
جتنے ہیں دور جوڑے کمانوں میں تیر ہیں

(۲۰۰)

شوقِ لقائے رب میں ہیں اس طرح غرق شاہؑ
اپنے دکھوں پہ آپ کی اصلاً نہیں نگاہ
طے کر رہے ہیں ہر نفس اظہارِ حق کی راہ
لو دل کی یوں لگائے ہوئے جانبِ الٰہ
ہو خاتمہ بخیر دعا یہ ضمیر کی
قربانیاں قبول ہوں سب اس حقیر کی

(۲۰۱)

آئی ندا کہ ہو گئے ہدیے قبول سب
پیارے حسینؑ ہے تری مرضی رضائے رب
رستہ کٹے گا سر سے کہ ہے جادۂ طلب
زیب کمر ہو تیغ قریں ہے وصال اب
امّت کے واسطے ہو سفینہ نجات کا
دریا ملے گا ڈوبے جو پیاسا فرات کا

(۲۰۲)

چہرے پہ سرخی آئی کیا شکرِ کردگار
تعجیل سے نیام میں کی شہؑ نے ذوالفقار
یہ دیکھتے ہی ٹوٹ پڑے کُل ستم شعار
لب تشنہ فاقہ کش پہ ہوئے ہر طرف سے وار
تھی دشمنی قدیم علیؑ و بتولؑ سے
رنگین ذرّے کر دیئے خونِ رسولؐ سے

(۲۰۳)

اتنے میں اور پاس جو بڑھ آئے بے ادب
دستِ یمیں پہ ایک پڑی تیغ وہ غضب
نیزہ لئے وہ آگیا ہے ہے بنِ وھب
برچھی لگی تو زیں سے گرے ماہِؑ تشنہ لب
زخموں سے چور چور امامِؑ غریب ہے
ابنِ انس لئے ہوئے بھالا قریب ہے

(۲۰۴)

آیا نہ رحم آہ کسی ظلم پر کمر
دو نیزے مارے حلق پر اک ایک صدر پر
پھر دور ہٹ لیا تو کیا ایک تیر سر
گر کر زمین پہ بیٹھ گئے شاہِؑ بحر و بر
جز شکر کچھ کہا نہ شہِؑ مشرقین نے
اُبلا لہو خدنگ جو کھینچا حسینؑ نے

(۲۰۵)

کتنوں کے داغ لاشے اُٹھائے کئی پہر
پھر خود جہاد کرنے پہ باندھے رہے کمر
حملے کئے تو مارے ہزاروں سے خیرہ سر
قوت ہے اب نہ دم ہے بہا خون اس قدر
مجروح بدن سے سانس بھی لینا وبال ہے
تیار ذبح کرنے پہ ہر بدخصال ہے

(۲۰۶)

غلطاں ہے خاک وخون میں جو مظلوم و بے دیار
حالت خراب ہے کسی پہلو نہیں قرار
خونخوار ارد گرد ہیں مونس ہے اب نہ یار
کہہ کہہ کے یہ پلٹتے ہیں آ آ کے نابکار
ہیبت سی دل پہ چھا گئی جانِ بتولؑ کی
ہیں پتلیوں میں گردشیں چشمِ رسولؐ کی

(۲۰۷)

یہ سن کے طنطنے میں چلا شمر بے حیا
کہتا تھا ہر قدم کہ ہوا حشر اب بپا
تن پر سفید داغ نمایاں ہیں جا بجا
چہرہ وہ چہرہ سنگدلی صاف آئینہ
چھوڑے گا یہ نہ زندہ شہِ مشرقین کو
کہتی ہے آنکھ قتل کرے گا حسینؑ کو

(۲۰۸)

فضہ کھڑی جو تھی پسِ پردہ قریبِ در
سر پیٹتی گئی وہ محل میں بچشمِ تر
چلّائی ہائے لٹتا ہے اب فاطمہؑ کا گھر
لوگوں چلا ہے شمر سوئے شاہِ بحر و بر
تر خون میں ہے خاک پہ بے کس پڑا ہوا
پہلو میں زخمی اسپ ہے چپ چپ کھڑا ہوا

(۲۰۹)

یہ سن کے آئے ڈیوڑھی میں سر پیٹتے حرم
کیا دیکھتی ہے خواہرِ بے کس اسیرِ غم
غلطاں لہو میں خاک پہ ہیں سرورِ امم
پہلو میں شمر ہاتھ میں ہے خنجرِ ستم
دم گھٹ گیا جو سینے میں تھرّا کے گر پڑیں
قابو رہا نہ دل پہ تو غش کھا کے گر پڑیں

(۲۱۰)

سجدہ میں آپ سامنے تھی حق کی بارگاہ
تھی بدظنی تو کان لگائے تھا رو سیاہ
بخشش طلب تھا رو کے وہ امت کا خیر خواہ
سُننے پہ بھی نہ پلٹا ارادہ سے آہ آہ
کیا ہو بیاں قلم کیا سر جس جفا کے ساتھ
کاٹا لعیں نے نام خدا کا دعا کے ساتھ

(۲۱۱)

چونکیں جو غش سے زینبؑ دلگیر و مستہام
روتی تھیں اور زبان پہ بس بھائی کا تھا نام
ناگاہ دیکھا آتا ہے یوں شمر تلخ کام
خنجر ہے ایک ہاتھ میں اک میں سرِ امامؑ
رو رو کے حشر کر دیا گھر بھر نے دیکھ کر
دے پٹکا سر زمین پہ خواہر نے دیکھ کر

(۲۱۲)

رو کر کہا کہ اے مرے ماں جائے الوداع
دکھیا یہ تم سا بھائی کہاں پائے الوداع
مظلوموں کی مدد کو کسے لائے الوداع
کچھ تو کہو بہن یہ کدھر جائے الوداع
تم سے بڑی تھی آس کہ ماں اور باپ ہیں
عابدؑ کا کیا سہارا وہ بیمار آپ ہیں

(۲۱۳)

اے بے وطن غریب حیا دار الوداع
اے میہمان بے کس و بے یار الوداع
عاشق بہن کے رہے غمخوار الوداع
یوں آخری دکھاتے ہیں دیدار الوداع
اس واسطے وطن سے مجھے لائے ساتھ میں
تن خاک پر ہے فرق ہے قاتل کے ہاتھ میں

رباعی

دے جام کہ ہے نزع کا عالم ساقی
دیدار دکھادے وقت کم ہے ساقی
پتلی پھرتی ہے جھلملاتا ہے چراغ
آنکھوں میں کھینچے آگیا دم ساقی

رباعی

اس بزمِ سخن میں کیا مرا آنا تھا
دلسوز جو اپنا تھا وہ بیگانہ تھا
اندھیر کیا شمعِ سخن نے جل کے
پہلے وہی جل گیا جو پروانہ تھا

رباعی

دل سوز نہ اپنا ہے نہ بیگانہ ہے
پُر درد مری عمر کا افسانہ ہے
ہے گو کہ زباں شمع شبستانِ سخن
دل ہے کہ یہ جلتا ہوا پروانہ ہے

سلام

جز محمدؐ کیا علیؑ کا مرتبہ سمجھے کوئی
ناخدا سمجھے کوئی چاہے خدا سمجھے کوئی

مل گیا کیا لوٹنے سے چادرِ بنتِ بتولؑ
تھی فقط منظور توہین اور کیا سمجھے کوئی

فوج میں کوندا کبھی نظروں سے غائب ہوگیا
اسپ شہؑ کو برقِ جولاں یا ہَوا سمجھے کوئی

کہتی تھیں زینبؑ کیا بے جرم عابدؑ کو اسیر
کاش ان اہلِ خطا میں بے خطا سمجھے کوئی

مصطفیٰؐ اور مرتضیٰؑ دونوں کا حال ایک ہے
نورِ واحد سے بنے ہیں کیوں جدا سمجھے کوئی

یہ کہوں بلوہ میں بنتِ فاطمہؑ تھیں ننگے سَر
چادرِ تطہیر تھی کیوں بے ردا سمجھے کوئی

لڑ کے صدقے شہؑ پہ ہوں زینبؑ نے بچّوں سے کہا
یہ نہ ہو بودا کہے یا بے وفا سمجھے کوئی

اغنیا کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلانے لگا
مسندِ شاہی جو نقشِ بوریا سمجھے کوئی

رستگار امّت ہوں کہتے تھے شہنشاہِؑ غیور
تشنہ لب جانے کہ محتاجِ غذا سمجھے کوئی

مصطفیٰؐ شاہد ہیں نکلا پردۂ قدرت سے ہاتھ
کیوں علیؑ کو بھی نہ محبوبِ خدا سمجھے کوئی

واعظا بہکا نہ رندوں کو یہی ہے راستہ
تیرا کیا ہے جنّت اپنی کربلا سمجھے کوئی

مرثیہ

کھول اے ذہنِ رسا پھر درِ میخانۂ نظم

درحالِ حضرت علی اکبرؑ

سنہ تصنیف

1921

کھول اے ذہنِ رسا پھر درِ میخانۂ نظم

کھول اے ذہنِ رسا پھر درِ میخانۂ نظم
اے خرد گرم ہو پھر محفلِ رندانۂ نظم
دل تڑپتا ہے دکھا جلوۂ جانانۂ نظم
ابرِ غم چھایا ہے گردش میں ہو پیمانۂ نظم
عیب بینوں کی نظر پڑنے لگی اُلفت کی
جو جہاں بیٹھا ہو تصویر ہو محویت کی

(۲)

میکدہ وہ ہو کہ میخوار یہاں کے جھومیں
آستاں جس کا بصد فخر ملائک چومیں
کیف مے وہ کہ دو عالم میں ہوں جس کی دھومیں
باغِ فردوس کا اک پھول ہو رنگ و بو میں
بادہ ہو روح فزا نظم کے پیمانہ میں
مہکیں تاحشر رہیں آج سے میخانہ میں

(۳)

عقل حُسّاد کی ہر بار یہ دھوکا کھائے
ان کا یہ جام نہیں ہے یہ کہیں سے لائے
ہر طرف ذہن پہ فکر و تجسس جائے
رنگ ملتا ہوا پائے نہ تو واپس آئے
بادہ نوشوں سے ہر انداز جدا گانہ رہے
مے اعجاز سے لبریز یہ پیمانہ رہے

(۴)

نئے انداز کے شیشے ہوں نئے ہوں ساغر
خُم وہ خُم دیکھو تو زاہد کی ہو دوزیدہ نظر
مے وہ ہر قطرہ میں جس کے نظر آئے کوثر
رنگ وہ صاف بتا دے کہ یہ ہے خونِ جگر
کہنگی کا جو ہو شک بادہ کی سر جوشی پر
خندہ زن جام ہو حسّاد کی بے ہوشی پر

(۵)

ہو صدا قلقلِ مینا کی کہ بیہوش نہ ہو
رنگِ بزم آج کا تا زیست فراموش نہ ہو
شرم سے سر بہ گریباں نہ ہو روپوش نہ ہو
دل کے پہلو سے ٹھوکے ہوں کہ وہ خاموش نہ ہو
تاب تعریف نہ کرنے کی نہیں پاتا ہوں
موجِ مے کی وہ کشش ہے کہ کھنچا جاتا ہوں

(۶)

ساقیا جام دے اب جام کہ دل ہے بے تاب
گرم صحبت ہو کُھلے بزم میں میخانے کا باب
ایک سے ایک کہے دیکھ رہے ہیں کیا خواب
بیٹھے بیٹھے نظر آتا ہے نیا عالم آب
ہے یہ زورِ قلمِ فکر جسے کہتے ہیں
کھینچنا لفظوں سے تصویر اِسے کہتے ہیں

(۷)

رد کا کیا ہو مزہ دل ہی جو پہلو میں نہ ہو
ہے عبث تیغ اگر زور ہی بازو میں نہ ہو
نی کہیے گا جو خونِ جگر آنسو میں نہ ہو
ز اتنا تو سخن میں ہو کہ جادو میں نہ ہو
بزم سب روئے اگر آہ دہاں سے نکلے
شمعِ تصویر جلے اُف جو زباں سے نکلے

(۸)

بجے ذہن نے اس بزم کا بدلا منظر
ر و دیوار نظر آنے لگا اب مِسطر
ں چلا کلک چلے جیسے کوئی مے پیکر
ی صریروں نے صدا کُھل گیا میخانہ کا در
رنگ اس طرح بھرے طاقتِ مانی یہ نہیں
بادل اُڑتے ہیں سیاہی کی روانی یہ نہیں

(۹)

ں کے میخانے کا دُنیا سے نرالا ہے سماں
ام الفاظ کے ہیں ذہنِ رسا پیرِ مغاں
رز ہے پینے پلانے کا جداگانہ یہاں
تِ سامعہ مے نوش تو ساقی ہے زباں
رنگ اس بزم کا جمتا ہے جگر کے خوں سے
شیشے ہیں نظم کے لبریز مئے مضموں سے

(۱۰)

دل جلے بیٹھ گئے دور چلا ساغر کا
نشہ میں آکے کہا کچھ تو کہا صلِّ علٰے
بڑھ گیا کیف اگر چھا گئی آہوں کی گھٹا
بارش اشکوں کی ہوئی آگیا پینے کا مزا
یاں کے ساغر جو پیئے غنچۂ دل کھلتا ہے
اِسی میخانہ سے رندوں کو خدا ملتا ہے

(۱۱)

حق تو یہ ہے کہ بُرے وقت میں ہمدم ہے یہ مے
سبب تازگیٔ داغِ ہم و غم ہے یہ مے
یہ بھی سچ ہے دلِ مجروح کا مرہم ہے یہ مے
جس کے پی لینے سے ہو سیر دو عالم ہے یہ مے
جامِ جمشید کو اب کاسۂ سائل کہیے
یاں کے میخانہ کو کونین کی محفل کہیے

(۱۲)

گاہ بستی نظر آئی کبھی جنگل کا سماں
گہ ترائی کبھی خشکی کبھی چٹیل میداں
ہوگئی پیشِ نظر گاہ بہارِ بُستان
لمحہ بھر میں نظر آتا ہے کہ آئی ہے خزاں
ہو کے پژمردہ بھی آرام نہیں پاتے ہیں
پھول جو گرتے ہیں پامال کیے جاتے ہیں

(۱۳)

ـہ ہوا پیش نظر معرکۂ جنگ و جدل
ئی آوازِ دُہل بڑھنے لگے فوجوں کے دَل
موڑے بجلی ہوئے اُٹھے سفروں کے بادل
ں سے رنگیں نظر آنے لگے تلواروں کے پھل
رَن میں ہر چار طرف لاشوں کے انبار ہوئے
مار کر لاکھوں کو تر خون میں جرّار ہوئے

(۱۴)

امنے آتا ہے کہ تشنہ دہاں اک معصوم
بر سہ شعبہ سے مجروح ہے جس کا حلقوم
ٹھے بیٹھے کبھی ہوتا ہے یہاں یہ معلوم
بے فریادِ کناں ہے کوئی بے کس مظلوم
بے وطن چند ہیں جو لوٹ لئے جاتے ہیں
خیمے سادات کے کچھ جلتے نظر آتے ہیں

(۱۵)

رنے لگتا ہے نگاہوں میں کبھی اک بیمار
ڑیاں پہنے گلا طوق کے خاروں سے فگار
س کی ماں بہنیں بھی ہیں ساتھ میں ناقوں پہ سوار
عف اور بوجھ سے ہے پاؤں کا اُٹھنا دشوار
تھک کے بیٹھا بھی اگر کیا کہوں کیوں کر اُٹھا
پشت پر پڑ گئیں کچھ بینتیں تڑپ کر اُٹھا

(۱۶)

کہ نظر آتے ہیں یوں نیزوں پہ مقتولوں کے سر
خوں فشاں چہروں سے لپٹی ہوئی زلفیں یکسر
اُن میں اک سر ہے کہ پڑھتا ہے وہ قرآں فر فر
مارے جاتے ہیں عداوت سے اُسی پر پتھر
ریش پر ماتھے کا بہہ بہہ کے لہو آتا ہے
کبھی جلتی ہوئی ریتی پہ ٹپک جاتا ہے

(۱۷)

دل ہوا آتشِ نظارۂ غم سے سوزاں
نم کیا اشکوں نے آتے ہی مژہ کا داماں
قلبِ مضطر کی دوا بن گئے درد و حرماں
چشم تر سے نظر آنے لگا بستانِ جناں
چھلکے پیمانے تو کوثر کا سماں دیکھ لیا
بیٹھے بیٹھے یہیں ساقی کا مکاں دیکھ لیا

(۱۸)

روح بالیدہ ہو کوثر کا وہ دلکش منظر
چار جانب سے جُھکے پڑتے ہیں گنجان شجر
جام تابندہ ہیں ضو دیتے ہیں یا شمس و قمر
موجیں وہ لوٹتی ہے جن پہ رسولوں کی نظر
مے جو طاہر ہے تو ایک ایک کو مشتاق ہے
پیتے ہیں سارے نبیؐ دستِ خدا ساقی ہے

(۱۹)

جام ساقی ہے لئے ہیں صُلحا گھیرے ہوئے
چار جانب سے ولی راہنما گھیرے ہوئے
انبیاء اور رُسلِ ربّ علا گھیرے ہوئے
نورِ باری کو ہیں انوارِ خدا گھیرے ہوئے
بادہ پیمانہ میں یا بادہ میں پیمانہ ہے
قدرتِ حق کی نمائش ہے کہ میخانہ ہے

(۲۰)

یاد دلوا دیا اُس ذکر نے وہ افسانہ
ہو گئی بزم یہ نظروں میں میری ویرانہ
خم نہ اب ہے نہ صراحی نہ کوئی پیمانہ
نئے عنواں کا نظر آنے لگا میخانہ
چند خیمے ہیں جو تصویرِ غم و حسرت ہیں
ساقی اک اُن میں ہے کچھ مستِ مئے الفت ہیں

(۲۱)

جس سے عبرت ہو نظر آتا ہے منظر ایسا
دل پھٹا جاتا ہے چھایا ہے عجب سناٹا
میکدہ آج تک اس رنگ کا دیکھا نہ سُنا
کہہ نہیں سکتے یہ ساقی سے کہ ایک جام پلا
سُنتے ہیں حال یہ ہے بے سرو سامانی کا
حلق تر کرنے کو اک گھونٹ نہیں پانی کا

(۲۲)

دیکھ کر حالتِ ساقی جگر و دل ہے کباب
مانگنا جس کو ہو مانگے مجھے آتا ہے حجاب
سر جھکا کر جو کہے گا کہ نہیں ممکن آب
حشر ہو جائے گا ہو جائیں گے میکش بیتاب
وقت کو غیرتِ ساقی کو یہ سب جانتے ہیں
ذکرِ ساغر بھی یہاں ترکِ ادب جانتے ہیں

(۲۳)

نکلی پڑتی ہے زباں تشنہ لبی کے جو سبب
بند کر لیتے ہیں پڑائے ہوئے ہونٹوں کو سب
کوششیں یہ ہیں کسی پر نہ ہو اظہارِ تعب
یہ نہ سمجھے کہیں ساقی کہ یہ ہے حُسنِ طلب
نام ساغر کا زبانوں پہ نہیں لاتے ہیں
آہ کرتے نہیں گو قلب بُھنے جاتے ہیں

(۲۴)

یہ نہ سمجھے کوئی ساقی کے یہاں جام نہیں
پیجئے اس بزم میں ہر ایک کا یہ کام نہیں
یہ وہ میکش ہیں کہ ان ایسے مے آشام نہیں
جام بے منہ سے لگائے انہیں آرام نہیں
مست و سرشار ہیں ساقی کی مئے الفت میں
ایک میخانہ ہے جنگاہ میں اک جنّت میں

(۲۵)

جامِ کوثر ہے وہاں جامِ شہادت ہے یہاں
اُس کے ساقی ہیں یداللہ مشیّت ہے یہاں
ہے وہاں پینے میں آرام مصیبت ہے یہاں
لیکن اک جام میں تا حشر فراغت ہے یہاں
پی کے جو جاتا ہے وہ پھر کے نہیں آتا ہے
کہ یہاں عمر کا پیانہ چھلک جاتا ہے

(۲۶)

یاں کے میخواروں کا کونین میں ہوجاتا ہے نام
یاں سے واں جانے میں چلنا نہیں پڑتا دوگام
پیتے ہی پیتے یہ کر دیتے ہیں منزل کو تمام
دَور چلنے لگا کوثر پہ اِدھر پی چکے جام
صرف درکار یہاں ہمّتِ مردانہ ہے
آخری گھونٹ سے وابستہ وہ میخانہ ہے

(۲۷)

آپ سمجھے بھی کہ یہ میکدۂ غم ہے کہاں
تھامئے دل کہ بتاتا ہوں میں اب نام و نشاں
کربلا میں ہے جہاں گرم رتیلا میداں
ہے اُسی دشت میں یہ محفلِ درد و حرماں
دکھ بتاتے ہیں کہ یاں کوئی ولی ساقی ہے
پیاس کہتی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ ساقی ہے

(۲۸)

ہیں وہ میخوار جو ثابت قدم آفت میں رہے
ساتھ ساقی کے ہر اک درد و مصیبت میں رہے
آنچ میں تیغوں کی اور دھوپ کی شدت میں رہے
مر مٹے مست مگر بادۂ الفت میں رہے
عشق ساقی کا رہا خوئے اطاعت نہ گئی
گردنیں کٹ گئیں لبیک کی عادت نہ گئی

(۲۹)

کیوں نہ دم بھرتے کہ ساقی ہی ملا تھا ایسا
جس نے امّت پہ تصدق کیا گھر بار اپنا
شاہد اس امر پہ ہے معرکۂ کرب و بلا
مال صدقہ کیا اولاد کو پیارا نہ کیا
کُل مسلمانوں پہ اسلام پہ احسان کیا
کر کے بخشش کی دعا جان کو قربان کیا

(۳۰)

ذکر کیا ہو سکیں تفصیل سے اُن کے آلام
وہ مصائب تھے کہ جو موت کا ہوتے تھے پیام
امن و راحت سے گزرتی تھی کوئی صبح نہ شام
چین پاتے تھے کسی دن نہ کسی رات آرام
ہر گھڑی رنج تھے ہر روز نئی آفت تھی
غم و اندوہ کی ایک ایک شب غربت تھی

(۳۱)

کس زباں سے شبِ عاشور کا ہو حال بیاں
رات وہ حشر کی پُرہول ڈراؤنا وہ سماں
دشت ہُو مارتا وہ اور وہ کوسوں میداں
کردیا تھا شبِ تاریک نے ظلمات جہاں
عدم آباد کرے مر کے بقا کے بدلے
خضرِ عمر لباس اپنا فنا کے بدلے

(۳۲)

اللہ اللہ وہ اُس رات کا خونی منظر
تاب کیا دشت سے ہو کر جو نکل جائے بشر
چھوڑ کر اپنی جگہ جڑ سے اُکھڑتے تھے شجر
دامنِ کوہ میں چھپ جاتے تھے گر گر کے حجر
سائیں سائیں کی صدا قلب کو دہلاتی تھی
منتشر ہوتی تھی وہ بھی جو ہوا آتی تھی

(۳۳)

رات اس طرح کی اور ایسا پُر آشوب مقام
واں پہ گھر بھر کو لئے آپ کے مظلوم امامؑ
دشت میں چار طرف پھیلا ہوا لشکرِ شام
اور اِدھر گنتی کے انصارِ شہنشاہِ انام
ذبح پیاسے ہوں یہ بددینوں میں تدبیریں ہیں
اور یہاں شب یہ عبادت کی ہے تکبیریں ہیں

(۳۴)

سر بسر رنج و غم و درد و مصیبت ہے یہ رات
حق پرستوں کے لئے بہرِ عبادت ہے یہ رات
زندگی کی شبِ آخر ہے غنیمت ہے یہ رات
حال اصغرؑ کا یہ کہتا ہے قیامت ہے یہ رات
حلق تھا خشک جو دو روز سے وہ تر نہ ہوا
ذکر کیا دودھ کا پانی بھی میّسر نہ ہوا

(۳۵)

تشنہ لب اور بھی بچے ہیں نہایت بے تاب
العطش کہتا ہے کوئی تو کوئی آب آب
طاعتِ حق میں ہیں مشغول شہِؑ عرش جناب
پاس گہوارہ بے شیر کے بیٹھی ہیں ربابؑ
پیاس سے جب وہ بلکتا ہے تو بہلاتی ہیں
اُس کے چپ ہونے سے سکتے میں یہ ہوجاتی ہیں

(۳۶)

بھوک اور پیاس سے دودن کے ہے ایک ایک نڈھال
رنگتیں زرد ہیں چہروں کی ہے طاقت میں زوال
غیر ہے حد سے سوا عابدِؑ بیمار کا حال
ضعف کہتا ہے کہ یہ رات کا کٹنا ہے محال
زینبؑ آوارہ وطن خیر خبر لیتی ہیں
غش جو آجاتا ہے قرآں کی ہوا دیتی ہیں

(۳۷)

فکرِ ناموس ہے شہؑ کو کبھی بچّوں کا خیال
رفقا کے غم و اندوہ کا ہے گاہ ملال
دل دُکھاتا ہے کبھی عابدؑ بیمار کا حال
ہے کبھی پیشِ نظر امتِ عاصی کا مآل
چار جانب سے گھرے لشکرِ صفاک میں ہیں
گاہ انصار میں ہیں گہ حرمِ پاک میں ہیں

(۳۸)

دھیان بچّوں کی تسلّی کا جو آیا اک بار
رونق افزا ہوئے خیمہ میں شہِؑ عرش وقار
پاس جن سے کہ ٹپکتی تھی پڑھے وہ اشعار
سمجھے مفہوم تو بیتاب ہوئے عابدؑ زار
اشک بیمار کی آنکھوں سے مگر بہہ نہ سکے
آہ تک حضرتِ زینبؑ کے سبب کر نہ سکے

(۳۹)

لیکن اس پر بھی ہوئیں حضرتِ زینبؑ بیتاب
سمجھیں مطلب تو ہوا غم سے کلیجہ آب آب
آہیں بھرتی ہوئی حضرت کے قریں آئیں شتاب
عرض کی آتے ہی رو رو کے یہ باحالِ خراب
کیا کہوں جو اثرِ ظلم و جفا دیکھتی ہوں
مضطرب آج کی شب حد سے سوا دیکھتی ہوں

(۴۰)

ہائے کس قہر کا ہے یہ سفرِ خوف و ہراس
دل پھٹا جاتا ہے آتے ہیں کچھ ایسے وسواس
ہوئی اس وقت کی تقریر سے بھیا مجھے یاس
باتیں یہ کرتا ہے وہ زیست سے جو ہو بے آس
صاف فرمایئے جو کچھ کہ ستم ہونا ہے
اپنی تقدیر کو پردیس میں بھی رونا ہے

(۴۱)

ہیں بڑے بھائی نہ ماں باپ ہے سر پر حالی
آپ جیتے رہیں اب کون ہے وارث والی
پنجتن سے نہ ہو اللہ زمانہ خالی
نہ رہے اس سے تو یہ بھائی کی کہنے والی
اب کوئی داغ نہ ہو فاطمہؑ کی جائی کو
زندگی میری چلی جائے میرے بھائی کو

(۴۲)

شاہؑ فرمانے لگے آنکھوں میں آنسو بھر کر
چین آرام برا لگتا ہے کس کو خواہر
لاکھ یہ چاہیں کہ ہو درد و مصیبت سے مفر
زور کیا بیٹھنے بھی پائیں نہ راحت سے اگر
ہو نہ بے صبر بشر گھر کے کسی آفت میں
شکر کرتا رہے معبود کا ہر حالت میں

(۴۳)

ہے بَری درد و مصیبت سے فقط اُس کی ذات
دار دنیا میں رہی کس کو غم و ہم سے نجات
ہے بقا صرف فنا موت ہے انجامِ حیات
سب بزرگ اپنے اُٹھاتے رہے صدمے دن رات

ایسے دُکھ دیتے تھے دشمن اُنہیں ہر پہلو سے
کرب ہو جیسے کہ ڈس جانے میں دم اچھو سے

(۴۴)

سُن کے اس رنگ کی باتیں یہ ہوا دل پہ اثر
جتنے آئندہ مصائب تھے ہوئے پیشِ نظر
گاہ سر پیٹا کبھی مارے طمانچے منہ پر
روئیں اِس درجہ کہ بے ہوش ہوئیں غش کھا کر

ہوش آتے ہی جو دیکھا سوئے شہؑ حسرت سے
آپ ہمشیر کو سمجھانے لگے شفقت سے

(۴۵)

دے کے تسکین بر آمد ہوئے خیمہ سے امامؑ
حکم فرمایا کہ خندق کُھدے اک گرد خیام
مستعد ہوگئے انصارِ شہنشاہِ انام
ہوئی ارشاد کی تعمیل بہ تعجیل تمام

تھی یہ تدبیر جو آئندہ مصیبت کے لئے
اُس کو بھروا دیا ہیزم سے حفاظت کے لئے

(۴۶)

پھر یہ فرمانے لگے سب سے امامِ ابرار
تا تھے جلد اپنی سواری کے کریں سب تیار
جان دینے کو یہاں کوئی نہ ٹھہرے زنہار
رات اندھیری ہے چلے جائیں مِرے کُل انصار
قتل ہونے دو مجھے اور مرا خوں بہنے دو
مجکو اس قومِ جفاکار کو یاں رہنے دو

(۴۷)

ساتھ مجھ ایسے مسافر کے یہ دکھ درد ہیں سب
ورنہ یہ غم ہوں نہ یہ ظلم نہ یہ رنج و تعب
چھوڑ کے مجکو چلے جاؤ یہی ہے انسب
پھر نہ دکھ دیں گے نہ روکیں گے تمہیں دشمنِ رب
مجھ سے جو عہد تھے واپس وہ لئے لیتا ہوں
اپنی بیعت سے بھی آزاد کئے دیتا ہوں

(۴۸)

روئے اور ایک زباں ہو کے یہ بولے رفقا
آپ پر آپ کے بچّوں پہ تصدق مولا
دامن اس وقت میں چھوڑیں گے نہ ہرگز بخدا
سب نمک خوار یہ ہوں گے انہیں قدموں پہ فدا
ورنہ تشنیع بڑی ہوگی جدھر جائیں گے
کیوں کر اللہ کو منہ حشر میں دکھلائیں گے

(۴۹)

پوچھے حیدرؑ سے کوئی آپ کی نصرت کے صلے
دینگے محبوبِ خدا دیں کی حمایت کے صلے
لینگے زہراؑ سے ہم اس درد و مصیبت کے صلے
پائیں گے خالقِ اکبر سے شہادت کے صلے
موت ہے زندہ رہے عہد اگر توڑ کے ہم
کیوں جہنم میں رہیں خُلدِ بریں چھوڑ کے ہم

(۵۰)

سُن کے ہر ایک سے اس طرح کے پرجوش کلام
دیکھا حسرت کی نگاہوں سے بہ اشفاق تمام
مرحبا کہہ کے دعا دینے لگے سب کو امامؑ
عرض کی اتنے میں قاسمؑ نے کہ اے عرش مقام
ہو یہ ارشاد کہ مقتولِ جفا میں بھی ہوں
قتل جو ہوں گے یہاں اُن میں سے کیا میں بھی ہوں

(۵۱)

بولے شہؑ جانتے ہو موت ہے کیسی بیٹا
کہا خوش ہو کے کہیں شہد سے شیریں ہے چچا
آپ فرمانے لگے ہو یہ چچا تم پہ فدا
تم بھی اُن جملہ شہیدوں میں ہو شامل بخدا
دودھ پیتا مرا بچّہ نہ اماں پائے گا
تم تو تم اصغرؑ بے شیر بھی کام آئے گا

(۵۲)

پوچھا حضرتؑ سے یہ پھر آپ نے ہو کر حیراں
کیا در آئے گی نبی زادیوں میں فوجِ گراں
کیونکہ پیتا ہے ابھی دودھ بہت ہے ناداں
شہؑ نے فرمایا کہ تم پر ہو تصدق میری جاں
رحم کھائیں گے نہ بچے پہ ستمگر بیٹا
ظلم یہ ہوگا عجب وقت میں ہم پر بیٹا

(۵۳)

ہوگا جب پیاس سے نزدیکِ ہلاکت اصغرؑ
پانی اور دودھ میں ڈھونڈوں گا بحالِ مضطر
کسی خیمہ میں کوئی چیز نہ پاؤں گا مگر
لوں گا آغوش میں بچے کو یہ سب سے کہہ کر
ہے جو ممکن وہ دوائے دلِ بیتاب کروں
کہ لعابِ دہنِ خشک سے سیراب کروں

(۵۴)

لوگ معصوم کو دے دیں گے میرے ہاتھوں پر
فکر یہ ہوگی کسی طرح دہن اس کا ہو تر
منہ پہ منہ ملتا ہوا آؤں گا جب میں باہر
تیر سے نہر کرے گا اُسے اک بانیٔ شر
ناگہاں موت کے سامان نظر آئیں گے
کانپتے ہاتھ میرے خون سے بھر جائیں گے

(۵۵)

کہا انصار سے پھر شہؑ نے مخاطب ہو کر
آگ خندق میں ہو روشن کہ ہے نزدیک سحر
سب نے تعمیل کیا حکمِ شہِؑ جن و بشر
ماجھی شب ہوئی پیاسوں کی عبادت میں بسر
مٹنے اسلام کی قسمت کا ستارا چمکا
سر تھے سجدوں میں کہ بس صبح کا تارا چمکا

(۵۶)

وہ دھندلکا وہ سماں صبح کا اور وہ ٹھنڈک
منزلوں سبزوں پہ وہ اوس کے قطروں کی جھلک
روشنی چاند کی کم ہونا وہ بالائے فلک
ڈوبتے تاروں کی وہ رہ رہ کے چمک
رفتہ رفتہ جو اثر رات کا کافور ہوا
ابر میں ملنے لگا ماہ یہ بے نور ہوا

(۵۷)

دی جو گلدستۂ اسلام پہ اکبرؑ نے اذاں
ہوگیا اور ہی کچھ گلشنِ عالم کا سماں
سب کو ہوتا تھا جو آوازِ محمدؐ کا گماں
کہتے تھے صلِّ علےٰ صلِّ علےٰ پیر و جواں
جلد پیاسوں نے صفیں بعدِ اقامت باندھیں
نیتیں سنتے ہی تکبیر بہ عجلت باندھیں

(۵۸)

اُن کا کیا تذکرہ بندگیٔ ربِّ ودود
پیشِ حق اپنے تئیں جانتے ہوں جو موجود
اللہ اللہ وہ قیام اور رکوع اور وہ قعود
سر بسر عجز کی تصویر تھے ہنگامِ سجود
وجد میں رحمت ربِّ دوجہاں جھومتی تھی
سجدہ گاہ پیاسوں کے سجدہ کے نشاں چومتی تھی

(۵۹)

پڑھے ادعیہ وظائف جو ہوئی ختم نماز
سب نے پھر شکر کے سجدے کئے با عجز و نیاز
اُٹھے سجادۂ طاعت سے جونہی شاہِ حجاز
صبح کا راز کُھلا حشر کا در ہوگیا باز
شفقی پردہ اُٹھاتا ہوا مضطر نکلا
خون چہرہ پہ ملے خسروِ خاور نکلا

(۶۰)

بعد ترتیب کے حضرتؑ ہوئے ناقے پہ سوار
بہرِ تنبیہ بڑھے جانبِ فوجِ کفّار
ایسے خطبے پڑھے آواز سے شہؑ نے کئی بار
اک اثر عام پڑا رونے لگے ظلم شعار
لیکن اس پر بھی درِ جور و ستم باز ہوا
مستعد قتل پہ ہر ایک فسوں ساز ہوا

(۶۱)

مائلِ ظلم جو سب اہلِ خطا کو پایا
ابنِ سمعان کو حضرتؑ نے طلب فرمایا
دے کے ناقہ کی مہار اُترے جو ہی وہ آیا
مرتجز نام تھا جس اسپ کا خادم لایا
بیٹھے گھوڑے پہ کچھ انصار کو لے کر پہونچے
ختمِ حجّت کے لئے پھر سوئے لشکر پہونچے

(۶۲)

گو کہ ہر طرح امامؑ آپ کے سمجھاتے رہے
سخت و بے ہودہ جواب اُن سے مگر پاتے رہے
جوش اصحاب کو گستاخیوں پر آتے رہے
سر جھکائے شہِ دیں زخمِ زباں کھاتے رہے
ضبط سے خُلق محمدؐ کا دکھایا شہؑ نے
پسرِ سعد کو پاس اپنے بلایا شہؑ نے

(۶۳)

گو بہت شاق تھا آنا اُسے آیا وہ مگر
شہؑ نے ارشاد کیا اُس سے مخاطب ہو کر
اِن گمانوں پہ مجھے کرتا ہے قتل او خودسر
وہ زنا زادہ کرے گا تجھے حاکم رے پر
سلطنت کرنے کی رہ جائے گی حسرت تجھ کو
بخدا ہوگی مبارک نہ ریاست تجھ کو

(۶۴)

ختم حجت ہوئی اب جو تجھے کرنا ہو وہ کر
اس کا خمیازہ جو بھگتے گا وہ ہے پیشِ نظر
کوفے میں نیزوں پہ میں دیکھ رہا ہوں تیرا سر
لڑکے بازاری اُسے مار رہے ہیں پتھر
سُن کے یہ کچھ نہ جواب شہِؑ ابرار دیا
غیظ میں حکمِ جدل فوج کو اک بار دیا

(۶۵)

ہاں کُھلے ذہنِ رسا اب درِ میخانۂ جنگ
دیکھ لیں آج شقی ہمتِ مردانۂ جنگ
دونوں عالم میں زباں زد رہے افسانۂ جنگ
جنگِ خیبر میں جو تھا ہو وہی پیمانۂ جنگ
نہر پار آئیں عدو حفظ جو کرنے کے لئے
پُل بنے لاشوں کا پیاسوں کے گذرنے کے لئے

(۶۶)

جمع میخانے میں ایک سمت ہیں لاکھوں کفّار
جو مٹانے کے لئے دینِ نبیؐ ہیں تیار
نشۂ کِبر و ضلالت میں ہیں ایسے سرشار
کہ بنِ ساقیِ کوثر پہ ہیں کھینچے تلوار
کرتے ہیں پیاسے پہ یہ ظلم وستم زر کے لئے
ہے یہ انبوہ سرِ سبطِ پیمبرؐ کے لئے

(۶۷)

ساقیِ کرب و بلا ایک طرف جلوہ نُما
چُور جو بادۂ الفت سے ہیں باندھے ہیں پرا
چشم و ابرو کا اشارہ ہے کہ صدقے مولاؑ
آج میخوار تیرے ہوتے ہیں قدموں پہ فِدا
نشّے بے جامِ شہادت کے چڑھے جاتے ہیں
خود بخود اب سوئے میخانہ بڑھے جاتے ہیں

(۶۸)

رنگ یہی آنکھوں کا کہتا ہے کہ اب جام چلے
ہم سے میخواروں کا صدقے میں تیری نام چلے
شانِ مستانہ سے یوں جھوم کے صمصام چلے
کفر مٹتا رہے اسلام کا کچھ کام چلے
مر مٹیں عمر کا پیمانہ چھلک جائے کہیں
دُھن یہ ہے میکدہ کوثر کا نظر آئے کہیں

(۶۹)

ابر ڈھالوں کے جو ہیں چار طرف چھائے ہوئے
خون میخواروں کے ہیں جوش میں اب آئے ہوئے
پیاسے دو روز سے ہیں ہونٹ ہیں پپڑائے ہوئے
پی کے جائیں گے کہ میکش ہیں قسم کھائے ہوئے
جان آجائے جو ہم سب کو اجازت مل جائے
ہو اشارہ تو ابھی جامِ شہادت مل جائے

(۷۰)

ساقیا تیرا سہارا ہے فراموش نہ ہوں
آج بے ہوش ہیں وہ پی کے جو بے ہوش نہ ہوں
سامنے خُلد ہے کیوں کر ہمہ تن جوش نہ ہوں
میکدہ جائیں نہ حوروں سے ہم آغوش نہ ہوں
یہ بھی اُمید کہ زانو پہ تیرے سر ہوں گے
منتظر جام لئے ساقیٔ کوثر ہوں گے

(۷۱)

ذکر آپس میں ہیں گھر گھر کے بلاؤں میں پھنسیں
یہ امنگیں ہیں کہ ڈھالوں کی گھٹاؤں میں پھنسیں
گُل کھلیں زخموں کے ظلموں میں جفاؤں میں پھنسیں
گر پڑیں پی کے تو کوثر کی ہواؤں میں پھنسیں
بجلیاں تیغوں کی کوندیں نہ کوئی ہوش میں ہو
خوں کا مینہ پڑتا رہے بحرِ فنا جوش میں ہو

(۷۲)

یہ سماں دیکھ کے میخواروں کو تاخیر ہے بار
دل اُبھنے جاتے ہیں ہے ضبط و تحمل دشوار
بزم میں دور جو چل نکلے مٹے دل کا غبار
یہی موقع ہے یہی وقت یہی فصلِ بہار
بے پئے خون تمنا کا ہوا جاتا ہے
بادل اُڑتا ہوا تیروں کا چلا آتا ہے

(۷۳)

ڈھال کی طرح جو سب شاہؑ پہ تھے سینہ سپر
منھ پڑا تیروں کا تر ہوگئے خوں میں اکثر
سبقت سے ہوئے مجبور شہؑ جن و بشر
دے دیا اِذنِ وغا آپ نے عاجز آ کر
باغِ زہراؑ کی تباہی کے یہ سامان ہوئے
رفقا شاہؑ کے جتنے تھے وہ قربان ہوئے

(۷۴)

مختصر فوج جو پیاسوں کی ہوئی اور بھی کم
میمنہ میسرہ سب ہوگیا درہم برہم
دیکھتے ہیں کبھی لاشوں کی طرف شاہِ اُمم
اقرباء پر ہے نظر گاہ بچشمِ پُرنم
دھیان یہ ہے کہ اب ان کو بھی نہ ہم پائیں گے
کھا کے تیغ و تبر و تیر یہ مر جائیں گے

(۷۵)

اقربا جتنے ہیں گھیرے ہوئے حضرتؑ کو ہیں سب
جوڑ کر ہاتھ ہر ایک شاہؑ سے ہے اِذنِ طلب
گو کہ خاموش کھڑے ہیں علی اکبرؑ با ادب
اشک جو گرتا ہے کہہ دیتا ہے دل کا مطلب
ہیں مُصر حضرتِ عباسؑ اجازت کے لئے
ہوتا ہے سوئے ادب گر کہیں رخصت کے لئے

(۷۶)

ہے جلال آیا ہوا دیکھ کے لشکر کے پرے
زخمِ دل ہوتے ہیں تاخیر اجازت سے ہرے
پاک اشکوں کو کیا سرد نفس گاہ بھرے
بے بسی کہتی ہے بر حالِ غریباں نظرے
ہاشمی خون میں اب جوش چلے آتے ہیں
ولولے دل کے جو ہیں دل میں رہے جاتے ہیں

(۷۷)

جا پڑی اتنے میں اکبرؑ پہ جو حضرتؑ کی نظر
دل پہ اک چوٹ لگی شق ہوا صدمہ سے جگر
بولے بھائی سے نہیں آج غم و ہم سے مفر
ہیں کھڑے اکبرؑ ناشاد بھی دیکھو تو اُدھر
کیوں نہ صدمہ ہو نہ کیوں رنج کے پہلو نکلیں
ہو کے مجبور مسافر کے جو آنسو نکلیں

(۷۸)

ولولے جوش یہ ہیں برچھیاں کھانے کے لئے
کوششیں دیکھو رضا جنگ کی پانے کے لئے
طرز اصرار ہیں یہ خُلد میں جانے کے لئے
سمجھا میں روتے ہیں یہ میرے رُلانے کے لئے
مضطرب ہو نہ کوئی دیر میں رخصت لینا
بھائی انسب ہے انہیں پہلے اجازت دینا

(۷۹)

یہ تو ظاہر ہے کہ ہے آج سبھی کو مرنا
آگیا وقت تو پھر موت سے کیسا ڈرنا
اِذن پہلے ہو ہمیں ضد یہ عبث ہے کرنا
کھائیں یہ زخمِ سناں تم بھی لہو میں بھرنا
صبر سے بدعتِ اربابِ ستم کو دیکھو
تم کو اتنا بھی گوار نہیں ہم کو دیکھو

(۸۰)

ہر بشر حفظِ پسر کرتا ہے حتی المقدور
خود اُٹھا لیتا ہے دکھ اُس کو بچاتا ہے ضرور
نہ کہ مرنے کے لئے بھیجے یہ اُلفت سے ہے دور
کر رہی ہے مگر اس پر بھی مشیّت مجبور
غم جو موعود ہیں بعد اُن کے شہادت ہوگی
عصر تک کام سے امّت کے فراغت ہوگی

(۸۱)

عرض کی اکبرؑ ناشاد نے با دیدۂ تر
فرض اولاد کا کیا ہے جو ہو مجبور پدر
زخمِ تیغ و تبر و تیر سے ہے یہ بڑھ کر
کہ میرے ہوتے کوئی عازمِ میداں ہو اگر
ہر نفس موت کی ہچکی ہے جو اب زندہ ہوں
رفقائے شہِؑ والا سے بھی شرمندہ ہوں

(۸۲)

حق کی درگاہ میں ہے مرتبہ حضرتؑ کا جلیل
کثرت آلام کی اس امر پہ بیّن ہے دلیل
صبر ہوتا ہے سکونِ دلِ مضطر کی سبیل
یاد کر لیجئے اب واقعۂ اسماعیلؑ
دامن اُن کی طرح اشکوں سے بھگونا نہ پڑا
ذبحِ فرزند پہ تیار تو ہونا نہ پڑا

(۸۳)

شہؑ نے فرمایا کہ کیا عذر ہے یہ ہی ہو اگر
صبر کی تم کو دعا چاہئے اے جانِ پدر
قلب پتھر ہو وہ ثابت قدمی دے داور
تیر کھلوانا ہے ہاتھوں پہ کلیجہ رکھ کر
باپ کے حال پہ اصغرؑ بھی ترس کھائیں گے
گود میں آئیں گے اور قتل کئے جائیں گے

(۸۴)

دل جگر کہتے ہیں آنکھوں سے لہو ہو کے بہو
وعدہ طفلی کا یہ کہتا ہے کہ ہر داغ سہو
صبر کی بات رہے ہم نہ رہیں تم نہ رہو
خیر راضی ہے پدر ماں سے پھوپھی سے تو کہو
کر رہی ہے مجھے مجبور محبت بیٹا
دل کے سمجھانے کو اب ہے یہ نصیحت بیٹا

(۸۵)

مطمئن قلب رہے لاکھ بڑھے فوجِ گراں
سینہ و سر کی حفاظت ہو بقدرِ امکاں
مستقل اپنے ارادہ میں رہو یوں میری جاں
پیچھے سرکو نہ جو سینہ میں اُتر جائے سناں
زخم پیکاں کے نہ کچھ دھیان میں بھی لانا تم
پھینکنا کھینچ کے تیر اور بڑھے جانا تم

(۸۶)

شکوۂ تشنہ لبی فکرِ جراحت بھی نہ ہو
جو امان مانگے امان دینے میں حجت بھی نہ ہو
ہو جو مصداقِ تہوّر وہ شجاعت بھی نہ ہو
ہے جہادِ رہِ حق نفس کی شرکت بھی نہ ہو
معرکوں میں نہ کبھی تیغِ شرر بار رُکی
ایسے ہی وقتوں میں حیدرؓ کی بھی تلوار رُکی

(۸۷)

ہو کے بشاش غم و رنج و مصیبت سہنا
طعن تشنیع کریں وہ تو نہ تم کچھ کہنا
غصہ دلوائے نہ زخموں سے لہو کا بہنا
سُم سے رہوار کے لاشوں کو بچائے رہنا
خُلق کا اپنے گھرانے کا بڑا دھیان رہے
سر نہ بسمل کا جُدا کرنا کہ پہچان رہے

(۸۸)

شاہؑ خاموش ہوئے آپ نے رخصت پائی
وہ ہٹی صبح سے بدلی تھی جو غم کی چھائی
ہمتِ جنگ و جدل خُلد کا مژدہ لائی
کِھل گیا دل کا کنول چہرہ پہ سُرخی آئی
تھے جو مشتاق شہادت کے تو مضطر آئے
حرمِ پاک سے ملنے علی اکبرؑ آئے

(۸۹)

دیکھا زینبؑ نے تو کہنے لگیں ہو کر حیراں
یہ تو ظاہر ہے کہ دو روز سے ہو تشنہ دہاں
بے غذا ہونا بھی ہے باعثِ درد و حرماں
مگر اس وقت ہیں کچھ اور ہی آثار عیاں
تر پسینے میں ہو گیسو بھی ہیں بل کھائے ہوئے
خیر ہے خیر ہے کیوں آئے ہو گھبرائے ہوئے

(۹۰)

عرض کی کیا میں کہوں دل ہے غم و ہم سے فگار
دیکھی جاتی نہیں مظلومیٔ شاہِؑ ابرار
شرم سے آنکھیں بھی ہم چشموں سے ہوتی نہیں چار
کیوں کہ میں رہ گیا کام آ گئے سارے انصار
مرنے والوں کی شجاعت کا جو ذکر آتا تھا
دیکھ کر لاشوں کو مقتل میں گڑا جاتا تھا

(۹۱)

آخر ایک ایک سے حاصل ہو ندامت کب تک
غمِ نظارۂ اندوہ و مصیبت کب تک
جوش زن تن میں رہے خونِ شجاعت کب تک
یہ تو کہیئے نہ پیوں جامِ شہادت کب تک
کام سب آگئے انصار میں اب کوئی نہیں
کچھ یگانوں کے سوا خیر طلب کوئی نہیں

(۹۲)

بھر کے ایک آہ یہ کہنے لگیں زینبؑ ناکام
مجکو در پردہ دلاتے ہو خیالِ انجام
تم کو تا حشر خدا رکھّے چلے بھائی کا نام
صاف کہہ دو کہ میری موت کا لائے ہو پیام
اپنا سرمایہ مٹالوں تو اجازت دوں گی
جب تلک عونؑ و محمدؑ ہیں نہ رخصت دوں گی

(۹۳)

تھے چچا فوج کے سردار بھی اور تجربہ کار
رائے کچھ اُن سے بھی لی ہوتی پھوپھی تم پہ نثار
میری جان آج تک ایسے تو نہ تھے خود مختار
رن میں جاتے ہی یہ کیا ہوگیا کھولو ہتھیار
نام جانے کا نہ لوں گا یہ قسم لے لوں گی
گھر سے باہر بھی نہ اب تم کو نکلنے دوں گی

(۹۴)

عرض کرنے لگے اکبرؑ کہ ہوئی مجھ سے خطا
بہرِ رخصت تھے چچا جان مصر حد سے سوا
مشورہ میں نے اس واسطے اُن سے نہ کیا
جوڑ کر دستِ ادب شہؑ سے لیا اذنِ وغا
دیکھ کر جور و ستم دل جو پھٹا جاتا تھا
قبلِ رخصت مجھے رونا ہی چلا آتا تھا

(۹۵)

دلِ زخمی پہ غم و ہم کی سنانیں کھائیں
موت بہتر ہے جو حضرتؑ سے نہ رخصت پائیں
آنکھیں جو دیکھ سکیں یہ وہ کہاں سے لائیں
جن کی الفت کا بھریں دم وہی مرنے جائیں
حیف اس طور سے جینے کا سہارا کرلیں
لڑ مریں عونؑ و محمدؑ یہ گوارا کرلیں

(۹۶)

بولیں لے سمجھے یہ کیا منہ سے نکالا بیٹا
ہے تمہارا بھی کوئی چاہنے والا بیٹا
اس کے دل کے لئے یہ بات ہے بھالا بیٹا
دکھ جس نے اُٹھائے تمہیں پالا بیٹا
اپنی اُلفت کا محبت کا بڑا دھیان کیا
میری محنت پہ نہ کچھ غور میری جان کیا

(۹۷)

یاد دلوا دیا اپنا وہ مچلنا پہروں
اور میرا گود میں لے لے کے ٹہلنا پہروں
وہ ضدیں راتوں کی اور وہ نہ بہلنا پہروں
ایک سے دوسری کروٹ نہ بدلنا پہروں
لوریاں دے کے تھپکنا وہ میرا لپٹا کے
نیند آنا وہ پسینے کی میرے بو پا کے

(۹۸)

کہہ رہی تھی یہ ابھی زینبؑ آوارہ وطن
ناگہاں سامنے سے آئے شہنشاہِ زمن
رو کے کہنے لگیں حضرتؑ سے کہ صدقے ہو بہن
ہائے جائیں گے یہ اب سوئے سپاہِ دشمن
مجھ سے کہتے ہیں کہ بابا نے اجازت دی ہے
بھائی کیا آپ نے میدان کی رخصت دی ہے

(۹۹)

شہؑ نے فرمایا کہ ہے روکنا بے کار بہن
زندہ رہنا علی اکبرؑ کا ہے دشوار بہن
یاں کہ ذرّے ہیں لہو پینے پہ تیار بہن
کربلا نام ہی ہے موت کا بازار بہن
جتنے ہونا ہیں مصائب وہ نہیں کہہ سکتے
حد یہ ہے گود میں اصغرؑ بھی نہیں رہ سکتے

(۱۰۰)

کہا رو رو کے یہ زینبؑ نے بصد رنج و محن
ہائے پردیس میں لُٹ جائے گا زہراؑ کا چمن
مہماں کرکے ہوئے جان کے ایسے دشمن
سنتی ہوں راستہ روکے ہوئے ہیں عہد شکن
موت آجائے اگر غم سے اماں پاؤں میں
لے کے اِن بچوں کو کس طرح نکل جاؤں میں

(۱۰۱)

کیوں عداوت ہے نہیں بحث ترائی سے بھی اب
اُن کا کیا لیتے ہیں دُکھ دیتے ہیں کیوں دشمنِ رب
ہے نہ پانی سے غرض کچھ نہ غذا سے مطلب
اپنے بچے لئے ریتی پہ پڑے ہیں ہم سب
کوئی جا کر یہ کہے درپئے آزار نہ ہوں
دُکھ یہ تھوڑے نہیں اب قتل پہ تیار نہ ہوں

(۱۰۲)

شب سے تڑپیں ہے وہ جیسے کوئی چھریاں مارے
بھائی دل کھول کے روئے نہ تمہارے مارے
رفتہ ہی رفتہ بچھڑ جائے گے میرے پیارے
خاک میں یاں کی ملا بیٹھوں گی ارمان سارے
یہ مسلمان نبیؐ زادے کا گھر لوٹیں گے
مرنے جینے کا مزا جن سے ہیں وہ چھوٹیں گے

(۱۰۳)

ہائے پانی کی طرح برسے گا حیدرؑ کا لہو
یاں کی تلواروں سے ٹپکے گا پیمبرؐ کا لہو
پئے تم سب کے عوض زینبؑ مضطر کا لہو
کیا زمین چوسے گی پہلے میرے اکبرؑ کا لہو
مجھ سے دو شیرِ جواں لے گے نہ پھر کد ہوگی
ایسے صدقہ سے کوئی دم تو بلا رَد ہوگی

(۱۰۴)

فضہ یہ سن کے گئیں جلد بصد آہ و فغاں
کشتی ایک لائیں کہ جس میں یہ رکھا تھا ساماں
ڈھال اک وقت جدل جیسے کہ ہو حفظ و اماں
زرہ ہیں دو خود تھا ایک ، ایک حسامِ بڑاں
تھی تبرک کہ ولی ابنِ ولی باندھتے تھے
چرمی اک ڈاب تھی جس کو کہ علیؑ باندھتے تھے

(۱۰۵)

بھر کے ایک آہ بڑھے شہؑ طرفِ نورِ نظر
زرہ ہیں کی زیب بدن فتح کا سورہ پڑھ کر
دل بڑھا ڈاب علیؑ کی جو ہوئی زیب کمر
شان کچھ اور ہوئی خود جو رکھا سر پر
دوش پر ڈھال جو ہیں سبطِ پیمبرؐ نے رکھی
ڈاب میں تیغ بہ تعجیل دلاور نے رکھی

(۱۰۶)

ہوئے آراستہ اکبرؑ جو بصد صولت و جاہ
دل بھرے شانِ مجاہد سے جو کی سب نے نگاہ
حضرتِ زینبؑ و لیلےٰؑ نے کیا حال تباہ
دیکھا اکبرؑ کو کبھی اور کبھی جانبِ شاہؑ
عرش تھرّاتا تھا یہ شورِ فغاں ہوتا تھا
بے کسی پر شہِؑ والا کی ہر ایک روتا تھا

(۱۰۷)

کر کے پاک اشکوں کو یہ حضرتِ زینبؑ نے کہا
کہتی بچّوں سے جو کہنا پڑا تم سے بیٹا
ہے اُدھر لشکرِ جرّار اِدھر تم تنہا
گھیریں دھوکے سے نہ خونخوار یہی ہے دھڑکا
لو گے میدان جو فضل و کرمِ باری سے
دیکھنا چار طرف جنگ میں ہشیاری سے

(۱۰۸)

دیکھا جاتا نہیں معصوموں کا آنسو بہنا
کوششِ آب سے میں صدقے نہ غافل رہنا
پانی لانے میں ہو جیسی بھی مصیبت سہنا
نہر قبضہ میں جو آجائے تو پھر کیا کہنا
پانی تم بند نہ کرنا مگر اعدا کی طرح
سیر کردیجو قاتل کو بھی دادا کی طرح

(۱۰۹)

ہوتا آیا ہے نہیں ہے یہ کوئی ظلم نیا
جنگِ صفین کا ہے بیس برس کا قصہ
باپ نے اُس ستم آرا کے تھا پانی روکا
یہی دشمن تھے یہی نہر تھی یہ وقت نہ تھا
ایسے شبیرؑ نہ بے کس تھے نہ یوں تنہا تھے
چھین لی نہر کہ اُس وقت علیؑ زندہ تھے

(۱۱۰)

گو کہ ہمراہ نہ ہوگا کوئی ہنگامِ جدال
دل نہ تھوڑا ہو مگر ہو نہ تمہیں اس کا ملال
ہرگز اپنے تئیں تنہا نہ سمجھنا میرے لال
ہیں مدد کے لئے پشتی پہ علیؑ ہو یہ خیال
غل ہو اکبرؑ نے بزرگوں کی طرح نام کیا
بات اسلام کی رکھ لی یہ بڑا کام کیا

(۱۱۱)

خوب واقف ہو کہ ہے خون کا پیاسا لشکر
عقل سے کام نہ لوگے تو نہ ہوگے سر بر
پیاس کا دھوپ میں لڑنے میں نہ ہو ضبط اگر
رول کے فوج کو لیجائیو تم دریا پر
جان آجائے گی دم ٹھہرے گا ٹھنڈک پا کے
تازہ دم ہونا ترائی کی ہوا کھا کھا کے

(۱۱۲)

دلِ زخمی میں نہ کیوں خارِ غم و ہم کھٹکے
جب کہ ہوں سیکڑوں وسواس ہزاروں کھٹکے
رہنا تم فوج کے انبوہ سے چھٹکے چھٹکے
حملہ ور ہونا سنانوں کی طرف سے ہٹ کے
آ کے میدان میں مقابل جو لڑے لڑنا تم
مشتعل کرنے سے لشکر میں نہ گھس پڑنا تم

(۱۱۳)

چپ ہوئیں کر کے نصیحت جو ہیں زینبؑ ناکام
مرنے والے نے کیا سارے بزرگوں کو سلام
حرمِ پاک کے رونے سے ہوا ایک کہرام
چشمِ حسرت سے نظر کرنے لگے شاہِ انام
نہ ہوئی تاب توقف جو دلِ مضطر کو
لے کے ہمراہ چلے آپ علی اکبرؑ کو

(۱۱۴)

آگے آگے معہ فرزند شہِؑ ہر دو جہاں
پیچھے پیچھے ہیں حرم برہنہ سر نوحہ کناں
خاک اُڑاتی ہوئی زینبؑ ہیں بصد آہ و فغاں
چپ ہے سکتہ میں کلیجہ کو مسوسے ہوئے ماں
سب یوں ہی پیٹتے روتے ہوئے تا در آئے
شاہؑ بیٹے کو لئے خیمہ سے باہر آئے

(۱۱۵)

شہؑ جو خیمے سے برآمد ہوئے اکبرؑ کو لئے
یہ نمایاں تھا کہ ہیں ہدیۂ داور کو لئے
ناخدا کشتیِ امّت کا ہے لنگر کو لئے
یا علیؑ نکلے ہیں تصویرِ پیمبرؐ کو لئے
سب کو تنویرِ نظر نورِ خدا کی آئی
ذرّہ ذرّہ سے صدا صلِّ علےٰ کی آئی

(۱۱۶)

درِ خیمہ پہ وہ سیدانیوں کا شورِ بکاہ
ٹکریں مارتی تھیں حال یہ تھا زینبؑ کا
ماں کے نزدیک غنیمت تھا وہ تھوڑا وقفہ
پردہ گرتا تھا کبھی اور کبھی اُٹھتا تھا
اپنی مجبوریوں پر آنکھوں سے خوں بہتا تھا
دیکھ لو مِٹتی ہوئی آس یہ دل کہتا تھا

(۱۱۷)

خادم اُس رخش کو لایا جسے کہتے ہیں عُقاب
ایسا بے چین قدم تھا ہوئے اکبرؑ بے تاب
بڑھ گیا شوقِ وغا جھک گئے بہرِ آداب
کی جو تسلیم دیا شہؑ نے دعاؤں سے جواب
بے اجازت طرفِ اسپ مگر بڑھ نہ سکے
شاہؑ استادہ تھے رہوار پہ بھی چڑھ نہ سکے

(۱۱۸)

گاہ شدیز کو با قلبِ حزیں دیکھا کیے
غیظ میں گہ طرفِ لشکرِ کیں دیکھا کیے
تیغ کو ہوکے کبھی چیں بہ جبیں دیکھا کیے
شانِ فرزندِ مجاہد شہِ دیں دیکھا کیے

غمِ فرقت سے جگر منہ کے قرین آتا تھا
سینہ تنتا تھا تو دل شاہؑ کا ہل جاتا تھا

(۱۱۹)

عبرت افزا تھا وہ نظارہ وہ منظر جانکاہ
اک طرف سرد نفس ایک طرف گرم تھی آہ
مرنے والے ہی کو دیکھا کرو کہتی تھی نگاہ
سب پہ حاوی تھی مگر ہم سے گناہ گاروں کی چاہ

صبر اور ضبط نے مولاؑ سے جو اصرار کیا
پڑھ کے بازو پہ دعا رخش پہ اسوار کیا

(۱۲۰)

کہنے کو کہہ تو دیا شاہؑ نے کہ جاؤ اکبرؑ
رنگِ رخ بن گیا آئینۂ قلبِ مضطر
ہوئی مہمیز چلا اسپ بسانِ صر صر
ساتھ بیٹے کے ہوئی باپ کی مایوس نظر

راہ میخانے کی لی ابرِ بہار اُٹھنے لگا
دینے تسکین شہِ دین کو غبار اُٹھنے لگا

(۱۲۱)

دِل جگر تھام لیں اب عالمِ بالا کے مکیں
شاہد اس ظلم کا کرتے ہیں خدا کو شہؑ دیں
مضطرب قلب ہے طبقے نہ اُلٹ جائیں کہیں
کنگرے گر نہ پڑیں خاک پہ اے عرشِ بریں
جور اعدا کا ہے شکوہ طلب داد کے ساتھ
آہ شبیرؑ بے کس کی ہے فریاد کے ساتھ

(۱۲۲)

دیکھ کر شہؑ نے سوئے چرخ بصد نالہؑ و آہ
کی بلند آپ نے انگشتِ شہادت ناگاہ
عرض کی درگہ باری میں کہ بارِ اِلٰہ
رہنا اس قومِ جفا کار کے ظلموں کا گواہ
وہ جواں چھٹتا ہے اب بندۂ احقر سے تیرے
جو کہ سب لوگوں میں اشبہ ہے پیمبرؐ سے تیرے

(۱۲۳)

حُسن اور خُلق وہی اور لب و لہجہ ہے وہی
شوقِ دیدار نبیؐ دل میں جو ہوتا تھا کبھی
اے خدا دیکھ لیا کرتا تھا صورت اُس کی
تھی جو ایک شکلِ تسلّی نہ رہی اب وہ بھی
منتقم تو ہے تیری پاک ہے ذات اے معبود
روک اُن سب سے زمیں کے برکات اے معبود

(۱۲۴)

تجھ میں قدرت ہے جماعت کو کر انکی برباد
ان سے حکام کو راضی نہ رکھ اے ربِّ عباد
کیونکہ یہ کہہ کے بلایا کہ کرینگے امداد
تھے ان وعدہ خلافوں کو نہیں عہد وہ یاد
کر کے مہمان یہ ہوئے وعدہ وفائی یارب
قتل کرنے کو ہمیں پر ہے چڑھائی یارب

(۱۲۵)

کہہ رہے تھے یہ اِدھر شاہؑ بحالِ مضطر
اُس طرف رخش پہ طے کرتے تھے میداں اکبرؑ
دہنے بائیں تھی ظفر راہِ رضا پیشِ نظر
خاک اُڑاتا تھا پس پشت غبار اُٹھ اُٹھ کر
نقشِ سُم خلد کی منزل کا نشاں تھا گویا
کارواں عہدِ جوانی کا رواں تھا گویا

(۱۲۶)

نیچے قدموں کے بصد فخر زمین ہے نازاں
فوق بر پیاسے کی آمد کا نرالا ہے سماں
صف بہ صف سارے ملَک صلِّ علےٰ ورد زباں
منتظر شوقِ زیارت میں ہیں حور و غلماں
غنچے سب فرطِ مسرت سے کھلے جاتے ہیں
دھوم ہے خلد میں ہم شکلِ رسولؐ آتے ہیں

(۱۲۷)

ہاں بس اے ذہن دکھا چہرۂ سلمائے بہشت
چمنِ نظم میں ہو حُسن دل آرائے بہشت
گُلِ مضمون پہ ہو رنگِ رُخِ زیبائے بہشت
چشمِ حق ساتھ رہے محوِ تماشائے بہشت
کیف اتنا بھی نہ دے وقت کہ سرگوشی ہو
خار کھائیں نہ یہ عالم ہو نہ بیہوشی ہو

(۱۲۸)

ہو وہ بستاں کہ کوئی باغ نہ نظروں میں سمائے
گُلِ زہراؑ کی ثنا آج یہ اعجاز دکھائے
خرقِ عادت ہو حجاب آنکھوں سے سب کی اُٹھ جائے
زمزمے کرتا رہوں خلدِ بریں سامنے آئے
نخل بندوں سے چمن ایسا لگاتے نہ بنے
روشیں وہ ہوں کہ چاہیں بھی تو آتے نہ بنے

(۱۲۹)

جس پہ رہتا ہے سدا ابرِ کرم وہ گلزار
نہ حوادث کے مٹانے سے مٹے جس کی بہار
جس کے پھولوں میں بھرے خونِ جگر رنگ ہزار
جھومیں مرغانِ چمن وجد میں کھولے منقار
سلب نغموں سے میرے نطق کی قوت ہو جائے
طائرِ قبلہ نما کی بھی یہ حالت ہو جائے

(۱۳۰)

شاملِ حال ہو فضلِ جنابِ باری
میرے گلشن کی ہو نایاب ہر اک گُل کاری
وجد حاسد کو یہ ہو حق بزبان ہو جاری
چاہیے تو شاخ لگانے میں پڑے دشواری
عیب جوئی کا نظر کوئی نہ پہلو آئے
گُلِ فردوس کی ہر پھول سے خوشبو آئے

(۱۳۱)

شک ہو طوبےٰ کا بلند ایسے ہوں مضموں کے شجر
رنگ میں ایک سے اک ہو گُلِ معنی بہتر
پاؤں گلچیں کا بہکتا رہے ماندِ نظر
ہو کے مشتاق بڑھے گاہ اِدھر گاہ اُدھر
پھول اُٹھاتے نہ بنے طمع زیادہ ہو جائے
ہاتھ مَس ہو نہ کہ تبدیل ارادہ ہو جائے

(۱۳۲)

حُسن بندش کا وہ ہو لفظ بنیں گُل بوٹے
وجد بد بیں کو ہو پر گوئی کی عادت چھوٹے
سوچ کر یہ کہ حسد کی نہ کہیں بو پھوٹے
دامنِ وضع نچھٹے مہرِ خموشی ٹوٹے
سوز باطن میں ہو ظاہر میں مگر ساز رہے
قدرداں مدح کریں جب تو ہم آواز رہے

(۱۳۳)

اے زباں نغمۂ جان سوز کی تاثیر دکھا
رونے والوں کی جسے کہتے ہیں جاگیر دکھا
خلد بنتے ہوئے اب مجلسِ شبیرؑ دکھا
قلمِ فکر سے کھنچی ہوئی تصویر دکھا
خاکہ جس کا ہے لیا ذہن نے حق بینی سے
رنگ جس میں ہے بھرا طبع کی رنگینی سے

(۱۳۴)

رنگ پہلو میں لئے اور وہ پیاری صورت
مست انسان ہو اس طرح کی دلکش نگہت
پتی پتی سے عیاں ہوتی ہے اُس کی حکمت
نکھی چشم ہیں وہ جن کی ہے پیاری رنگت
دیکھے تشبیہ نہ ہم مستیِ چشمِ تر سے
ڈوب دے دے کے نکالا ہے انہیں کوثر سے

(۱۳۵)

صنعتیں دھاریوں میں پھولوں کی وہ رنگینی
صدقے سو بار کرو نقش و نگارِ چینی
روح بالیدہ ہو خوشبو ہے وہ بھینی بھینی
شاہدِ گُل میں نہیں واں مرضِ خود بینی
عندلیبوں کی صداؤں پہ کوئی جھومتا ہے
خاکساری سے کوئی فرشِ زمیں چومتا ہے

(۱۳۶)

بُوٹے بُوٹے سے نظر آتی ہے شانِ باری
رنگ اتنے کہ گنے جائیں تو ہو دشواری
ہیں رگیں سرخ کناروں پہ ہے مینا کاری
ہنکیاں اُن پہ سنہری تو روپہلی دھاری
کھلتے ہیں مشک کے نافے وہ اگر گرتے ہیں
مُن برستے نظر آتا ہے جدھر گرتے ہیں

(۱۳۷)

نقرئی رنگ کے پھولوں کا جو تختہ ہے کہیں
ہے نمایاں کہ ہیں غنچے میں حسینوں کے جبیں
چھوٹ پڑتی ہے تو روشن ہیں در و بام و زمیں
عارضِ گُل میں نظر آتا ہے فردوسِ بریں
وہ رگیں جن سے سماں حُسنِ خداداد کا ہے
عکس آئینہ میں گیسوئے پری زاد کا ہے

(۱۳۸)

صحنِ گلزار میں ذرہ ہیں کہ تابندہ نجوم
کس کو کہتے ہیں خزاں یہ بھی نہیں واں معلوم
نت نئی فصلِ بہاری کی ہر ایک سمت ہے دھوم
سبزہ پھوٹا جو کہیں آئی صدا یا قیوم
باغ کا حُسن بھی قدرت کا تماشائی بھی
قوتِ نامیہ بھی قوتِ گویائی بھی

(۱۳۹)

جلوۂ فصلِ بہاری ہے چمن میں ہر سُو
بے کھلے غنچوں میں آ جاتا ہے رنگ اور خوشبو
عارضِ شاہدِ گُل سے ہے ٹپکنے کو لہو
پودے بڑھتے نظر آتے ہیں یہ ہے جوشِ نمو
تر ہیں شاخیں کہ ہواؤں سے نہیں ٹوٹتی ہیں
ایک کونپل کی جگہ کونپلیں دس پھوٹتی ہیں

(۱۴۰)

یہ شگوفے نہیں سر بستہ ہیں یہ رازِ بہار
کیسی غنچوں کی چٹک آتی ہے آوازِ بہار
ہمہ تن بادِ صبا بن گئی ہے نازِ بہار
جس طرف دیکھئے ہے جلوہ نما اعجازِ بہار
اثرِ نامیہ سے نشونما پاتی ہے
پتی جو گرتی ہے روئیدہ وہ ہو جاتی ہے

(۱۴۱)

نغمے مُرغانِ گلستاں کے وہ بالائے شجر
بال و پر میں چمک اتنی ہے کہ ٹھہرے نہ نظر
گُل سنہری ہیں جھلک دیتے ہوئے بوٹوں پر
سیکڑوں آئینے چمکے جو اُڑے توں کے پر
عکس ہر چیز کا گلشن کی جو آجاتا ہے
باغِ جنت کا سر اوج نظر آتا ہے

(۱۴۲)

لوچ سے شاخوں کے خم ہونے کا وہ نظارہ
نصف پھل اُن میں ہرے نصف ہیں لال انگارہ
کوئی پھل ہے جو سفید اُس سے سماں وہ پیارا
کہکشاں میں ہو چمکتا ہوا جیسے تارہ
مختلف ذائقہ جو چاہئے وہ آتے ہیں
کھہ شوقِ بہشتی سے یہ پک جاتے ہیں

(۱۴۳)

آبِ رحمت سے رہا کرتے ہیں یہ تازہ و تر
عملِ خیر کے دفتر کا ورق برگِ شجر
پھول وہ جن کو کہو رحمت و فضلِ داور
پھل درختوں میں کہ آویزاں ہیں نیکی کے ثمر
بوئے جاتے ہیں پہ دنیا میں نہیں اُگتے ہیں
تخم ریزی ہو کہیں اور کہیں اُگتے ہیں

(۱۴۴)

قصرِاللہ و غنی ایک سے اک عالیشاں
سونے اور چاندی کی اینٹوں سے ہیں تعمیر مکاں
اُن پہ وہ نقش و نگارش کہ بشر ہو حیراں
ایک موتی کی ہے دیوار کوئی نور فشاں
کوئی یاقوت کی اور کوئی زبرجد کی ہے
چندھیاتی ہے نظر روشنی اس حد کی ہے

(۱۴۵)

زر وہ یاقوت کے بے جرم کہ حیران ہو عقول
جابجا لکھا ہوا نامِ علیؑ نامِ رسولؐ
وہ جڑاؤ ہے زمرّد کا کہ فرحت ہو حصول
کہیں انگور کی بیلیں کہیں چھلکے ہو پھول
خوشوں سے سرخی یاقوت جھلک جاتی ہے
روح تازی ہو وہ پھولوں سے مہک آتی ہے

(۱۴۶)

مثلِ خورشید ہے ہر قصرِ ضیا بار کی چھوٹ
حُسن افزائے جناں حوروں کے رخسار کی چھوٹ
چار سو چار وہ معصوموں کے انوار کی چھوٹ
لو پہ لو دیتی ہے دیوار پہ دیوار کی چھوٹ
ہے جو نظارۂ انوار خدا آنکھوں میں
آئینہ نور کے ہیں برق نما آنکھوں میں

(۱۴۷)

چشمہ بہتے ہوئے وہ چشمۂ حیوان قرباں
خوشبو اس طرح کی جو رکھتی ہے تا حشر جواں
سامنے قصروں کے کس حُسن سے نہریں ہیں رواں
عکس دیوار و در و بام کا ہے صاف عیاں
چھوٹ سے رنگ برنگی ہے جھلک پانی میں
دیکھو لہروں کو تو نکلی ہے دھنک پانی میں

(۱۴۸)

نہر میں نصب ہے رنگین کہیں فوارہ
پہروں دیکھا کرے انسان سماں وہ پیارا
پانی موتی سا بلند اُس کا عجب نظارا
شانِ باری کہ نظر آتا ہے اُڑتا پارا
جھالے پانی کے سرِ آب جو پڑ جاتے ہیں
سیکڑوں ماہ کے ہالے سے نظر آتے ہیں

(۱۴۹)

رُخ بدل دیتی ہیں پانی کا ہوائیں ہر بار
روشِ باغ پہ آ جاتی ہے کوئی بوچھار
گاہ سبزہ پہ گہر ریز ہیں مقیش کے تار
پڑنے لگتی ہے کبھی پھولوں کے تختے سے پھوار
چوٹ پانی کی جو لگتی ہے دلِ بلبل پر
سایہ کر لیتی ہے اُڑتے میں پروں کا گُل پر

(۱۵۰)

اے زباں ختم بھی کر ذکرِ بہار و بستاں
رنگ محفل کا ہے کچھ اور بدل رنگِ بیاں
یہ جو معلوم ہے جنت میں ہے ساقی کا مکاں
چرچے رندوں میں یہ ہیں شیشۂ وساغر ہے کہاں
بے پیے بزم سے اب کوئی نہیں جائے گا
ذکر سے پھر کے دھیان آگیا میخانہ کا

(۱۵۱)

ہاں بس اے طبعِ رسا تیزی و جودت دکھلا
گرمِ رندانِ وفا کیش کی صحبت دکھلا
گردشِ ساغر و پیمانہ بہ عجلت دکھلا
بزم مشتاق ہے میخانۂ جنت دکھلا
عالم ایک وجد کا طاری ہو وہ نظارا ہو
برسوں آنکھوں میں رہے ایسا سماں پیارا ہو

(۱۵۲)

دور اُس جام کا ہو جو کہ ہے کوثر والا
بادہ ساغر میں جو آئے تو کھلے گُل لالہ
ہو بلا سے کہ پری اُڑتی ہو بالا بالا
ہوش اُنہیں آئے پئے ہیں جو کسی کا پیالہ
کیف ہو خُلق سے اخلاص سے میخواری کا
سر میں باقی نہ رہے نشہ طرفداری کا

(۱۵۳)

لطفِ ساقی ہے جو دوچند ہو توقیرِ بیاں
کرلیں تسلیم کہ قبضہ میں ہے جاگیرِ بیاں
میکدہ دیکھ کے ہوں قائلِ تسخیرِ بیاں
جام چلتا نظر آئے یہ ہو تاثیرِ بیاں
سب کہیں زورِ قلم آج فزوں تر دیکھا
رونے ایک پیاسے کو یاں آئے تھے کوثر دیکھا

(۱۵۴)

وہ بہار اور وہ میخانۂ جنت کی فضا
نیند آنے لگے ہر جھونک پہ وہ سرد ہوا
لہلہاتا ہوا قدرت کا نمونہ سبزا
نہر میں بادہ چھلکتا ہوا یخ سا ٹھنڈا
دیکھتے دیکھتے نشہ ہو اگر تھم جائے
کشش وہ جذب وہ ہے پائے نظر جم جائے

(۱۵۵)

وہ سماں نہر کا پیارا وہ نرالا منظر
پُر تکلف وہ کنارے نہ ہٹے جن سے نظر
ایک یاقوت کا ہے ایک زبرجد کا قصر
ضوفشاں اُن پہ برابر سے جڑے ہیں گوہر
بادہ موتی سا جھلک دیتا ہوا پانی ہے
عکس سے رنگ گلابی تو کبھی دھانی ہے

(۱۵۶)

ضوفشاں جام جواہر کے وہ اعلیٰ اعلیٰ
فرشِ خورشید کوئی ماہ کا کوئی ہالہ
جھومتے گرد شجر جیسے کوئی متوالا
آکے مل مل گئی ہیں ڈالیاں بالا بالا
جھومتیں پیالوں کی جو لہروں کی طرف آتی ہیں
برقیں گنجان درختوں میں نظر آتی ہیں

(۱۵۷)

بھیڑیں وہ بھیڑیں وہ انبوہ کہ اللہ غنی
حور و غلمان و ملک جمع ہیں کوثر پہ سبھی
ہے پیمبرؐ کوئی اور کوئی نبیؑ کوئی وصی
پیاسے کچھ گرد ہیں اور بیچ میں اُن کے ساقی
جس طرف نہر ہے اُس سمت سے منہ پھیرے ہوئے
ہیں یہ انصارِ شۂ کرب و بلا گھیرے ہوئے

(۱۵۸)

سب یہ کہتے ہیں مبارک ہو گلستانِ جناں
آگیا وقتِ طرب مٹ گئے درد و حرماں
نظرِ لطف سے ساقی کی یہ ہوتا ہے عیاں
جامِ کوثر پیو دو روز سے ہو تشنہ دہاں
دھوپ سے آئے ہو طوبےٰ کا یہاں سایہ ہے
نعمتیں کھاؤ کہ دو دن سے نہیں کھایا ہے

(۱۵۹)

رو کے کہتے ہیں کہ جنت میں ہے دوزخ کا مزا
چھوڑ کے آئے ہیں شبیرؑ کو بے آب و غذا
دے گا تکلیف ہمیں سایۂ طوبےٰ مولا
دھوپ اور لو میں ہیں جنگل کی شۂ کرب و بلا
تھی جو مجبور مشیت سے تو منہ موڑا ہے
تشنہ لب خوں کے پیاسوں میں انہیں چھوڑا ہے

(۱۶۰)

سر بسر رنج ہیں راحت کی خوشی کے پہلو
سامنے پھرتی ہے تصویرِ شہِ تشنہ گلو
موج مئے دیکھنے سے جوش میں آتا ہے لہو
خود بخود آنکھوں سے گر پڑتے ہیں ٹپ ٹپ آنسو
دھوپ اور گرمئ عاشور جو یاد آتی ہے
نہر کی سرد ہوا دل کو جلا جاتی ہے

(۱۶۱)

ہم سے میخوار یہاں آکے نہ مانگیں ساغر
نام سے پینے کے پھٹتا ہے مگر قلب و جگر
یہ گوارا نہیں ساقی کہ لبِ جام ہو تر
ہونٹ پپڑائے کسی پیاسے کے ہیں پیشِ نظر
اس تصور سے طبیعت جو ہٹی جاتی ہے
موج سے خنجرِ بے آب نظر آتی ہے

(۱۶۲)

کہنا جب چاہتے ہیں یہ کہ ہو ایک جام عطا
رونا آجاتا ہے منہ دیکھ کے ساقی تیرا
کوزہ کچھ خالی جو ہیں دھیان لگا ہے اُن کا
تاب سننے کی نہیں قلقلِ مینا کی صدا
تیر بن کے دلِ مجروح کو برمائے گی
ہچکی الٹی ہوئی معصوموں کی یاد آئے گی

(۱۶۳)

وہ مرقع جو ہے آنکھو میں تو پڑتا نہیں چین
لبِ ساغر سے صدا آتی ہے پیاسے ہیں حسینؑ
جیسے روتا ہوا پھرتا ہے کوئی کرکے یہ بین
تشنہ لب تشنہ دہن ہائے میرا نورالعین
آنکھ ہر ایک چھلکتا ہوا پیمانہ رہے
عصر تک چاہئے میخانہ عزا خانہ رہے

(۱۶۴)

قطرۂ آب کو ہے آج شہِ دیں محتاج
باقی رکھیں گے شقی پنجتنی تخت نہ تاج
دہر میں آج سے پائیں گے نئے ظلم رواج
طفل بے شیر ہی میدان میں کام آئے گا آج
گھونٹ ایک پانی کا دنیا میں نہیں پائیں گے
پیاسے کوثر پہ حسینؑ ابن علیؑ آئیں گے

(۱۶۵)

قتل ہو ہو کے یہاں آئیں گے پیاسے مہماں
پیر کوئی تو کئی طفل کوئی ہوگا جواں
بھوکے پیاسوں کی ضیافت کا رہے کل ساماں
خدمتوں کے لئے آمادہ ہوں حور و غلماں
جام لبریز رہیں آلِ پیمبرؐ کے لئے
ایک چھوٹا سا ہو ساغر علی اصغرؑ کے لئے

(۱۶۶)

شرم سے خشک نہ کیوں ہو گئی او نہر فرات
کہ ترے ہوتے یہ ہیں تشنہ لبی کے صدمات
ہائے چھڑکاؤ ہو پانی بھی پئیں سب نجہات
گھونٹ ایک پی نہ سکے آلِ محمدؐ ہیہات
پیاسے شبیرؑ ہوں قبضہ میں رہے اعدا کے
مہر میں تو نہیں کیا فاطمۂ زہرا کے

(۱۶۷)

اے ہوا خلد کی جا جلد سوئے کرب و بلا
جان بلب ریتی پہ ایک قافلہ ہے پیاسوں کا
کانٹے کم ہوں جو زبانوں کے تو ہو دل ٹھنڈا
حلقِ شبیرؑ کا اور شمر کا خنجر ہوگا
ہو غنیمت یہی ممکن نہ اگر پانی ہو
تر جو شہ رگ ہو گلا کٹنے میں آسانی ہو

(۱۶۸)

پیاسے مقتول رہیں گے لبِ کوثر پیاسے
جمع ہوجائیں نہ جب تک کہ بہتر پیاسے
ہے خطا جو لیں تیرے ہاتھ سے ساغر پیاسے
ہیں تڑپتے ہیں ابھی جھولے میں اصغرؑ پیاسے
بے طلب ہم تو یہاں بادۂ کوثر پائیں
اور وہاں مانگے سے پانی بھی نہ سرورؑ پائیں

(۱۶۹)

راہ طے کرکے جو رن میں علی اکبر آئے
آئے یوں جیسے نیستاں میں غضنفر آئے
شکل صورت سے ہویدا تھا پیمبرؐ آئے
شان آمد کی یہ کہتی تھی کہ حیدرؑ آئے
قول تھا رعب کا ہر قلب میں ساری ہوگئے
بڑھ کے ہمت نے کہا لاکھ پہ بھاری ہوگئے

(۱۷۰)

ناگہاں نعرۂ شیرانہ سے گونجا جنگل
فرط ہیبت سے ہوئی چار طرف اک ہلچل
ہوئے گھوڑے الف اسوار گرے پشت کے بل
صف وہ آخر ہوئی تھی جو کہ صفوں میں اوّل
جن کو لائے تھے لڑائی کے ارادے بھاگے
پاؤں رکھ رکھ کے سوار اُن پہ پیادے بھاگے

(۱۷۱)

پڑھ رہے تھے یہ رجز آپ بصد غیظ و غضب
ہوں علی ابن حسینؑ ابن علیؑ جان لیں سب
جدِ امجد ہیں نبیؐ جن کا محمدؐ ہے لقب
جو کہ ہیں ناشر و ناصر دینِ عالم کا سبب
جس کو شک اس میں ہو لیتا ہوا قرآں آئے
اب بھی لڑنا ہو جسے وہ سرِ میداں آئے

(۱۷۲)

کر نہیں سکتا حکومت کوئی ہم پہ بخدا
اس قدر ماریں گے برچھے کہ ہو برچھاؤ دھرا
مارے تلواروں سے کر دینگے یہ لشکر آدھا
چھتے جی ساتھ دئے جائیں گے ہم بابا کا
ذرہ ذرہ ہمیں یاں داد شجاعت دے گا
ہاشمی ضرب کی ہر زخم شہادت دے گا

(۱۷۳)

تہلکہ نعرۂ شیرانہ سے ہر سُو تھا عیاں
کوفہ والوں میں یہی ذکر تھے ہو کر حیراں
شکل و صورت سے اور آواز سے ہوتا ہے عیاں
بغضب معرکہ آرا ہیں رسولؐ دو جہاں
اُن سے کرنا نہ پڑے جنگ یہ تدبیریں تھیں
شور تسبیح کہیں تھا کہیں تکبیریں تھیں

(۱۷۴)

آکے کہتے تھے ابن سعد سے یہ بد افعال
کس سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے ہوش سنبھال
دل ہے قابو میں نہیں تیغ اُٹھانا ہے محال
کس میں طاقت ہے جو احمدؐ سے کرے جنگ و جدال
بہرِ امداد دل و جانِ بتولؑ آئے ہیں
باغِ جنت سے جوان ہوکے رسولؐ آئے ہیں

(۱۷۵)

ہے وہی صدر و بر و دوش بھی قامت بھی وہی
چشم و ابرو ہے بعینہ وہی صورت بھی وہی
بردباری ہے وہی حلم و متانت بھی وہی
شان و شوکت بھی وہی رعب و جلالت بھی وہی
سیّد خاتمۂ کار رسالتؐ ہوگی
ہے یقیں پشت پہ بھی مہر نبوتؐ ہوگی

(۱۷۶)

چل کے خود دیکھ لے آتا نہ ہو گر تجھ کو یقیں
گھوڑا روکے ہوئے وہ ہے صفِ اوّل کے قریں
خیمہ استادہ ہو یہ جلد سے جلد اور کہیں
طور کہتے ہیں پرے چھوڑ کے آئے گا یہیں
سر ہی سر آئے جو اُڑتا ہوا وہ تازی ہے
ہاتھ قبضے پہ رکھے جیسے یہ بس غازی ہے

(۱۷۷)

کیا تعجب جو چلے آئے رسولؐ ثقلین
ظلم ہو اُن کے نواسے پہ نہ ہو وہ بے چین
سنتے ہیں لوٹتے تھے سینہ پہ بچپن میں حسینؑ
آج بچوں میں اُنہی کے ہے بپا شیون و شین
رنج اس وجہ سے بھی اور فزوں تر ہوگا
خلد میں فاطمۂ زہرا کا کھلا سر ہوگا

(۱۷۸)

نکلا گھبرا کے جو خرگاہ سے باہر وہ شریر
اڑ گئے ہوش رواں دیکھ کے لشکر کے بہیر
غور سے دیکھ کے غازی کو پکارا بے پیر
کس لئے بھاگتے ہو خوف سے کھینچو شمشیر
حال ہر ایک رسالہ کا عبث ابتر ہے
ہیں یہ ہمشکلِ نبیؐ نام علی اکبرؑ ہے

(۱۷۹)

جو جہاں تھے وہ وہیں آ گئے سن کے یہ صدا
کھل گئے کالے علم رات ہوئی طبل بجا
دل ہلے بودوں کے آنے لگی آواز تھا
مُرغِ روح اڑتے ہی خونیں ہوئی مقتل کی ہوا
ظلم پر تول کے تلوار ہر اک تلنے لگا
خود بخود تیغ کا ڈورا بس اُدھر کھلنے لگا

(۱۸۰)

ڈورا کھلتا تھا کھلی زلفِ گرہ گیر تھا
میان سے کھینچتے ہی تلوار بنی تیر تھا
دم جو کفار کے ہونے لگے جاگیر تھا
آ گئی آئینۂ تیغ میں تصویر تھا
دیکھ کر اس کی طرف کھنچ گئیں سب کی روحیں
ہوئیں تحلیل جوانانِ عرب کی روحیں

(۱۸۱)

چمکی جب سمجھے عدو جلوۂ جاناں ہے یہی
کاٹی شہ رگ تو یہ جانا کہ رگِ جاں ہے یہی
دل میں پیری تو کہا حسرت و ارماں ہے یہی
دی یہ زخموں نے صدا درد کا درماں ہے یہی
ذبح گو کر گئی قاتل نہ مگر سمجھے اسے
نکلی پہلو سے تو خوں گشتہ جگر سمجھے اسے

(۱۸۲)

روشنی آب میں وہ ہے کہ جسے نور کہو
تڑپ ایسی کہ دلِ عاشقِ مہجور کہو
کشش حسن یہ کہتی ہے اسے حور کہو
جھومتی چال بتاتی ہے کہ مخمور کہو
بادۂ حبِ علیؑ پینے سے سرشار ہے یہ
نہ چھٹا جادۂ حق جس سے وہ تلوار ہے یہ

(۱۸۳)

خون سے دوچند ہوا جلوۂ جانانہ تیغ
وہ حسینؑ عشق میں دشمن بھی ہے دیوانہ تیغ
ہے یہ میدانِ وغا کہ یہ ہے میخانہ تیغ
کاٹا جب کاسۂ سر بن گیا پیمانہ تیغ
بادہ نوشوں کا لہو پیتی ہوئی پھرتی ہے
گر کے جب اٹھتی ہے پھر جھوم کے یہ گرتی ہے

(۱۸۴)

میان سے نکلی ہے تکمیلِ شریعت کے لئے
اور جہادِ علی اکبرؑ کی شہادت کے لئے
رہتی ہے سینہ سپر دین کی نصرت کے لئے
سر جھکائے ہمہ تن گوشِ اطاعت کے لئے
اس کا دم بڑھتا ہے جان لینے سے بے پیروں کی
ذبح کرتی ہے یہ آواز پہ تکبیروں کی

(۱۸۵)

دم وہ دم دیکھیں سپاہی تو دل و جاں سمجھیں
حُسنِ خم یہ کہ حسینؑ اپنا گریباں سمجھیں
جوہر ایسے کہ مسلماں جنھیں ایماں سمجھیں
خطِ کوفی میں لکھا لوح پہ قرآں سمجھیں
لوہے سے خرمنِ ہستیِ عدو جلتی ہے
فیہ یا سُن کی صدا آتی ہے جب چلتی ہے

(۱۸۶)

آج یہ پہلے پہل دین کی نصرت پہ تُلی
بن کے قتالِ عدو کشمکشِ شست پہ تُلی
حکمِ قرآں سے یہ تکمیلِ شریعت پہ تُلی
آخری کفر اور اسلام کی حجت پہ تُلی
حشر تک جوہروں کی مدح سرائی ہوگی
تا بہ مہدیؑ زماں اب نہ لڑائی ہوگی

(۱۸۷)

رخش وہ رخش ہے بچپن سے جو ہمراہِ رکاب
اس قدر تیز قدم ہے ہوئے اکبرؑ بے تاب
بنتا ہے گرمیِ میدانِ جدل سے سیماب
سنتے تکبیر کی آواز پھر آیا ہے شباب
وصف جتنا بھی نزاکت کا ہو وہ تھوڑا ہے
کہ ہوا تیغ کے دامن کی اسے کوڑا ہے

(۱۸۸)

یہ سبک گام کہاں اور کہاں کبک دری
برق جولاں میں یہ سرعت ہے نہ یہ جلوہ گری
حسن وہ گرم روی کے وہ پسینے کی تری
زور میں اپنے مع شیشہ اُڑے جیسے پری
جس پہ سایہ بھی پڑے عشق میں دیوانہ رہے
عمر بھر پیشِ نظر جلوۂ جانانہ رہے

(۱۸۹)

دنگ آہوں میں طراروں سے تو اُڑنے سے پرند
کیسی تلواریں نہ تیروں سے نہ نیزوں سے ہے بند
سر ہی سر جاتا ہے اُڑتا ہوا بھر بھر کے زقند
اپنے سایہ سے رہا کرتا ہے برچھوں پہ بلند
اوج پر گاہ چمکتا ہے ستارہ ہو کر
روندتا ہے یہ کبھی ابر کو تارا ہو کر

(۱۹۰)

ناز و شوخی سے سبک رو ہو گلستاں میں اگر
طرزِ شوقِ حسینؑ بن کے ہو سبزے پہ گزر
رہے غنچوں پہ تبسم کا یہ بن بن کے اثر
دل عنادل کا بنے آئے اگر پھولوں پر
ہو گماں قطرۂ خوں ہے جگرِ بلبل کا
رنگ گہرا ہوا جاتا ہے قبائے گل کا

(۱۹۱)

یال گردن پہ ہے یا ابر دھنک پر ہے عیاں
جذب اشاروں میں حسینوں کی ادائیں پنہاں
کان ہیں موقلم ایسے کہ ہو مانی قرباں
کھل چلی ہیں چمنِ حسن میں یا دو کلیاں
دیکھا جب عشق کا ہر پھول نے اظہار کیا
توتھنی چھپ گئی غنچے نے اگر پیار کیا

(۱۹۲)

تیغِ بُرّاں سے نہ بن پڑتی تھی تدبیرِ مفر
خون میں تر ہوتے تھے ہر چار طرف بانیِ شر
سامنے آتے ہوئے ڈرتے تھے فوجی افسر
تہلکہ سے تھا ابنِ سعد پہ اک خاص اثر
حال یہ لشکرِ بے دین کا جو پایا اُس نے
پہلوانوں میں سے طارق کو بلایا اُس نے

(۱۹۳)

وہ شقی پاس جو آیا تو یہ بولا مکّار
کوئی ان میں نہیں ایسا جو کھینچے تلوار
پیاسا دو دن کا وہ اک طفل یہ لشکر جرّار
اس پہ بھی ڈر کے کئے جاتے ہیں میداں سے فرار
حیف صد حیف یہی وقت ہے سر دینے کا
یہی ہنگام ہے انعامِ وغا لینے کا

(۱۹۴)

تو اگر چاہے تو آ جائے لڑائی کا مزا
فوج کٹنے سے بچے ہو نہ یہ ہلچل برپا
بھاگنے والے جمیں پھر تماشائے وغا
نام کا نام ہو اور حق نمک سے ہو ادا
تمغہ مل جائے جوانمردی و جانبازی کا
دھوم ہر سُو ہو جو سر لے کے پھرے غازی کا

(۱۹۵)

بولا یہ کس کو خبر کیا ہو لڑائی کا مآل
دیکھ تو بڑھ کے ذرا چار قدم رنگِ جدال
بچہ پیاسا ہے جو دو دن کا نہ کر اس کا خیال
ہاتھ تلوار کے حیدرؑ کے ہیں حیدرؑ کا جلال
نہ پیادوں نہ سواروں کو اماں ملتی ہے
ہر طرف خوں برستا ہے زمیں ہلتی ہے

(۱۹۶)

کر چکا نام بھی تجھ سے بھی بہت سے پائے
جس کو امید ہو کچھ پاس نمک دکھلائے
ری کا حق دار ہو تو جان کسی کی جائے
مجھے لازم ہے ترا فرض ہے تو سر لائے
جان پر کھیلوں بھی اُس وقت کہ دولت ہاتھ آئے
سر ابھی لاؤں جو موصل کی ریاست ہاتھ آئے

(۱۹۷)

سُن کے یہ ہوگیا ضامن پسرِ سعد لعیں
بولا طارق کہ ابھی جاتا ہوں کچھ دیر نہیں
آگیا رخش طلب کر کے وہ بیٹھا سرِ زیں
بس چلا کبر و تبختر سے اکڑتا بے دیں
دلِ بدخو میں جگہ رحم کی اصلاً نہ ہوئی
راہ میں کوئی کچل جائے یہ پروا نہ ہوئی

(۱۹۸)

تھے جو میداں میں اُنھیں آتے ہی یوں للکارا
رن میں کیوں آئے جو لڑنے کا نہیں تھا یارا
ایک بچے نے جوانانِ عرب کو مارا
خیر اب لڑتا ہوں میں دیکھ لے لشکر سارا
ہٹ کے سب باندھ لیں صف میری لڑائی دیکھیں
جو سپاہی ہیں وہ ہاتھوں کی صفائی دیکھیں

(۱۹۹)

حلقہ تھا چار طرف بیچ میں چھوٹا میداں
آتے ہی بس یہ رجز پڑھنے لگا وہ شیطاں
نام طارق ہے شجاعت میں ہو مشہورِ جہاں
خوں چکاں رہتی ہے ہر جنگ میں یہ تیغ و سناں
ہوں وہ خونخوار کہ سب ڈرتے ہیں کامل مجھ سے
جس کی موت آتی ہے ہوتا ہے مقابل مجھ سے

(۲۰۰)

تیغ چمکا کے یہ نعرہ کیا غازی نے ادہر
راہِ دوزخ تجھے دکھلاؤں گا طارق ہے اگر
رن میں جب آئے تو کیا تیر سے تلوار سے ڈر
ہاتھوں دل بڑھتا ہے یاں نام سناں کا سن کر
گھیر کے طمعِ زر و سیم تجھے لائی ہے
یاد رکھ یاد کہ اب موت تری آئی ہے

(۲۰۱)

یہ سنے کہ جو سُنی غیظ میں آیا مکّار
کھینچی تلوار پئے جنگ بڑھایا رہوار
فرق پر تیغ جو چمکی ہوئے اکبرؑ ہشیار
یوں سپر روک لی پھرتی سے کہ رد ہوگیا وار
پیچھے ناری جو ہٹا سر بہ گریباں ہوکر
فوج حیراں ہوئی انگشت بدنداں ہوکر

(۲۰۲)

غالب آنے کی تگ و دو میں وہ تا دیر رہا
جوڑ کا توڑ اُدھر سے جو ہوا زیر رہا
جب نئی چوٹ کوئی تو بہ شمشیر رہا
اسدِ بیشۂ حیدرؑ کا اسد شیر رہا
خوفِ جاں بڑھتا تھا لڑنے سے تو بچتا تھا
مردنی چھائی تھی تحلیل ہوا جاتا تھا

(۲۰۳)

دست و پا شدتِ ہیبت سے جو ہونے لگے سرد
رخ کیا بھاگنے کا چھوڑ کے میدانِ نبرد
تول کر تیغ جو للکارا تو جھجکا نامرد
جسم تھرّایا سیہ بخت کا چہرہ ہوا زرد
وہ ابھی ڈر کے تھما تھا کہ بس اک وار کیا
سر قلم کرکے ستم گار کو فی النار کیا

(۲۰۴)

حالِ طارق جو یہ دیکھا نہ ہوئی بھائی کو تاب
کھینچی تیغ ایڑ دی گھوڑے کو جھپٹ آیا شتاب
آتے ہی ہوگیا سرگرمِ وغا خانہ خراب
زد پہ جرّار کی لے آیا اُسے جوشِ عتاب
مارا اک ہاتھ تو سر اُڑ کے زمیں پر پہونچا
تن گرا خاک پہ دوزخ میں ستمگر پہونچا

(۲۰۵)

بھر جنگ آیا تو بیٹے کو بھی اُس کے مارا
شیر کی دھاک بندھی دب گیا لشکر سارا
تھا جو ممکن نہ بن سعد کو کوئی چارا
مضطرب چار طرف پھرتا تھا مارا مارا
فتنہ برپا تھا نیا فوج کے مکاروں میں
گہ پیادوں میں گیا اور کبھی اسواروں میں

(۲۰۶)

اپنی مرضی کا جو اُن میں نہ کسی کو پایا
تاؤ پیچ آیا کبھی اور کبھی غم کھایا
فکرِ انجام بڑھی جب تو شقی گھبرایا
طرف مجمع گردانِ قوی تن آیا
چُن لیا سب پہ نظر ڈال کے اک ظالم کو
دے دیا حکمِ وغا بکرِ بن غانم کو

(۲۰۷)

تھا یہ اُستاد فنِ جنگ نہایت مشہور
پہلوانوں میں نہ تھا اُس کے مقابل کوئی سور
نشۂ بادۂ نخوت سے یونہی رہتا تھا چور
منتخب ہونے سے ظالم کا بڑھا کبر و غرور
غول سے اپنے اکڑتا ہوا باہر نکلا
تاؤ دیتا ہوا مونچھوں پہ ستمگر نکلا

(۲۰۸)

تھا پئے جنگ جو میدان میں آنے والا
میان سے کھینچ کے تلوار کو دیکھا بھالا
گاہ پھل تیروں کے دیکھے کبھی دیکھا بھالا
کبھی رہوار کو کاوے پہ شقی نے ڈالا
صاف کی گرد سپر گرزِ گران سر دیکھا
کَس کماں کا کبھی چلّے کو چڑھا کر دیکھا

(۲۰۹)

مختصر یہ ہے کہ میدان میں آیا ناگاہ
ہچکچے ہیبت سے جواں ہٹ گئے چھوڑ کے راہ
آتے یہ دیکھ کے اکبرؑ کو یہ بولا بدخواہ
مجھ کو لڑنے کے لئے بھیجا ہے اس طفل سے واہ
لڑکے بچوں سے دلیروں میں ہے ذلت میری
تھی بن سعد کو منظور اہانت میری

(۲۱۰)

خیر پوچھوں گا اُسے مار کے جاتا ہے کہاں
اپنا شیوہ یہ نہیں چھوڑ کے جاؤں میداں
اس سے کیا ردّ و بدل ہوتا ہے نوخیز جواں
چاہوں گھوڑے سے اُٹھالوں ابھی بالائے سناں
کوئی شاگرد اگر آکے مقابل ہوتا
حاصل اس جنگ کا جو ہے وہی حاصل ہوتا

(۲۱۱)

آج تک معرکہ ہوں سیکڑوں جن سے جھیلے
لڑکے اطفال سے وہ تیغ و سپر سے کھیلے
روکوں للکار کے فوجوں کے اگر ہوں ریلے
تاب کیا وقتِ وغا دیو بھی میدان لے لے
کان یہ ہوگئے سُن حرب میں جھنکاروں سے
چنٹیں اُکھڑی ہیں میرے خود کی تلواروں سے

(۲۱۲)

نعرہ غازی نے کیا چپ ہوا وہ ظلم پسند
ہل گیا دشت بھڑکنے لگے دہشت سے سمند
گر پڑے چھوٹ کے ہاتھوں سے جو نیزے تھے بلند
فرطِ ہیبت سے ہوا ہوگئے صحرا کے پرند
چار آنکھ اُن سے کرے کوئی یہ کس کا دم ہے
رونگٹوں نے یہ کھڑے ہو کے کہا ضیغم ہے

(۲۱۳)

سن کے فرمایا کہ بس روک زبان ہوش سنبھال
یاد گوئی کبھی کرتے نہیں اہلِ کمال
جوش کھاتا ہے لہو خاک بدل وقت نہ ٹال
فن کا ماہر ہے تو تلوار کے کچھ ہاتھ نکال
سب تری جنگ کے مشتاق ہیں شیدائی ہیں
دیکھیں اُستادیاں جتنے یہ تماشائی ہیں

(۲۱۴)

تو ہے اُستاد زمانہ تجھے دعوے ہیں بڑے
ساری کُھل جائے حقیقت ابھی پالا جو پڑے
تیری ذلت ہے اگر پوتے سے حیدرؑ کے لڑے
لے اُٹھا تو سہی برچھی پہ ہم ہیں کھڑے
بل پہ جس زور کے پھولا ہے ذرا دیکھ تو لیں
پہلوانی تری او ہرزہ سرا دیکھ تو لیں

(۲۱۵)

باتیں کہتی ہیں تری صاحب فن ہے جیسا
جیسا تھا ملتا رہا مدِّ مقابل ویسا
خود جس سے نہ کٹا تھا وہ سپاہی کیسا
سر بچایا نہ سپر روک کے تو ہے ایسا
ہم اگر ہوتے تو فی النار ستمگر ہوتا
نہ ترا خود یہ ہوتا نہ ترا سر ہوتا

(۲۱۶)

کھیل بچوں کا ہے سمجھے ہوئے تو ردّ و بدل
او شقی ہوش میں آ کھیلتی ہیں سر پہ اجل
ہم ہزاروں سے نہیں دبتے دمِ جنگ و جدل
جتنے شاگرد ہوں اُن سب کو بلا او اجہل
تیرے ہمراہ لڑیں گور کی منزل دیکھیں
جو تماشے کے لئے جمع ہیں حاصل دیکھیں

(۲۱۷)

تو ہے کیا نفس پہ غالب ہیں وہ جرار ہیں ہم
بھوک اور پیاس میں آمادۂ پیکار ہیں ہم
ہاتھ تلوار کے اٹھائیں گے تیار ہیں ہم
دیکھ مقتول یہ شاہد ہیں کہ ہشیار ہیں ہم
اب بھی پُھرتی ہے وہی اور وہی ہشیاری ہے
ہاں خبردار ہو ظالم کہ تری باری ہے

(۲۱۸)

اپنی جانبازی و ہمت ہے زمانے پہ جلی
دیکھ لے ہوتا ہے نازل غضب لم یزلی
دم بھی لینا نہ ملے گا جو یہ شمشیر چلی
ہوں علی ابنِ حسینؑ اور میرے دادا ہیں علیؑ
ملی اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار جسے
وہ علیؑ کہتے ہیں سب حیدرؑ کرار جسے

(۲۱۹)

جس نے اسلام کی کعبہ میں ہے ڈالی بنیاد
جس کے حملوں سے ہوئی کفر کی ہستی برباد
وہ جو احمدؐ کا تھا حلّالِ مہماتِ جہاد
جس کی جانبازی و ہمت پہ پیمبرؐ کا ہے صاد
جنگِ خیبر میں انہیں یوں نہیں یہ اَوج ملا
غیر فرار سمجھ کے علم فوج ملا

(۲۲۰)

بے ظفر میان میں جاتی نہ تھی جس کی تلوار
نام سے جس کے دہل جاتا ہے خیبر کا حصار
قتل جس نے کیا مرحب سا جوانِ خونخوار
نہ روکا طبقوں سے کھنچی کے بھی جس کا اک وار
کب کو اُلٹا ہوا یہ دہر کا دفتر ہوتا
جبرئیل آڑ نہ آ جاتے تو محشر ہوتا

(۲۲۱)

اک تکاں دے کے اُکھاڑا ہے وہ بابِ خیبر
بند کرتے تھے بمشکل جسے چالیس نفر
آٹھ سو من کا گرانی میں تھا جس کا لنگر
یوں اُٹھائے رہے جاتا رہا سارا لشکر
دب گیا اوجِ سماء بارِ حشم کے نیچے
پر جبرئیل کا تھا فرش قدم کے نیچے

(۲۲۲)

کھینچ کر تیغ بڑھا اور یہ بولا مکّار
ٹوک کر پھر کہے دیتا ہوں کہ رہنا ہشیار
جن کو مارا ہے نہ تھا اُن میں کوئی تجربہ کار
بکر لڑنے کو ہے اوروں کی نہیں یہ پیکار
تم سے کیا جنگ کروں نیزہ سے اور تیر سے میں
سر جدا تن سے کروں گا اسی شمشیر سے میں

(۲۲۳)

نعرہ زن تیغ بکف غیظ میں تھا وہ خود سر
در خیمہ پہ کھڑے دیکھ رہے تھے سرورؑ
یوں پسِ پردہ کلیجہ تھی مسوسے مادر
لو لگائے ہوئے اکبرؑ سے رخِ شہؑ پہ نظر
دیکھ کر چہرۂ شبیرؑ بکا کرتی تھی
خیر ہو خیر الٰہی یہ دعا کرتی تھی

(۲۲۴)

شہؑ سے کہتی تھیں کہ کچھ حال وغا کا کہئے
دشمنوں پر میرے بچے کے بنی کیا کہئے
وہم وسواس سے پھٹتا ہے کلیجہ کہئے
کہربا رنگ ہے کیوں چہرہ کا آقا کہئے
وائی بندی پہ مصیبت کی گھڑی آئی ہے
تیغ کوئی کوئی برچھی تو نہیں کھائی ہے

(۲۲۵)

کہہ دے اتنا کوئی موقع جو ذرا پا جائیں
خون کے پیاسوں کے نرغہ سے یہاں آ جائیں
دل نہیں مانتا ماں کا اُسے سمجھا جائیں
اک نظر شق جوانی مجھے دکھلا جائیں
اُترے چہرے کہ دعا دے کے بلائیں لوں گی
ہوں گے زخمی تو لہو آنسوؤں سے دھو دوں گی

(۲۲۶)

شہؑ نے فرمایا نہ گھبراؤ ابھی تک ہے اماں
زخم شمشیر کوئی ہے نہ کوئی زخم سناں
ہاں مقابل علی اکبرؑ کے ہے اک جنگی تواں
فتح و نصرت کی دعا چاہیے تم کو کہ ہو ماں
یوں تو رکھتی ہے اثر آہ دلِ مضطر کی
نانا کہتے تھے ہے مقبول دعا مادر کی

(۲۲۷)

یا علیؑ کہئیے مدد آپ یہ کہہ کر آئیں
پیٹتی روتی سراسیمہ و مضطر آئیں
اور سیدانیاں بھی ڈھکتی ہوئی سر آئیں
کہتی ہر گام پہ یا خالق اکبر آئیں
کُھل گئے بال نبی زادیوں کے قہر آیا
بس پھریرائے علم فتح کا واں لہرایا

(۲۲۸)

نعرہ زن اب جو ہوئے ٹھاٹھ بدل کر اکبرؑ
اُس کی نظروں میں ہوئے شیر غضنفر اکبرؑ
گو کہ تھے شکل میں صورت میں پیمبرؐ اکبرؑ
چوما قبضے کو جوش ہوگئے حیدرؑ اکبرؑ
سر میداں جو دعاؤں کا اثر جانے لگا
رعب چھایا یہ ستمگر پہ کہ تھرانے لگا

وقت امداد ہے ہاں بادۂ اطہر ساقی
جاں ہونٹوں پہ ہے پیمانہ دل بھر ساقی
نشہ چڑھ جائے تو ہو ہوش فزوں تر ساقی
کہ دکھانا ہے جہاد علی اکبرؑ ساقی
لڑ کے ممدوح جو میدانِ وغا لینے لگے
تیغ کا کام دمِ جنگ زباں دینے لگے

(۲۳۰)

آ کے میخانہ میں گو زخمِ زبان سے نہ سہے
مہرباں تو جو رہا اشکِ ندامت نہ بہے
اب بھی میخواروں کے مجمع میں مری بات رہے
نہیں پہلی سی عنایت یہ زمانہ نہ کہے
کل سے اندازِ کرم آج جداگانہ رہے
وسعتِ ذہن میں آئے نہ وہ پیمانہ رہے

(۲۳۱)

ساقیا بیبیوں کی آہ و بکا کا صدقہ
واسطہ کانپتے ہاتھوں کا دعا کا صدقہ
پیاسے اکبرؑ کی جوانی کا وغا کا صدقہ
مے وہ دے صبر شہؑ ہر دوسرا کا صدقہ
جوش جس بادہ میں ہے تیری ولا کا ساقی
جلوہ ہر موج میں ہے قربِ خدا کا ساقی

(۲۳۲)

سمجھے زاہد جسے روحِ تنِ ایماں وہ شراب
جس سے ملتا ہے سراغِ رہِ عرفاں وہ شراب
جو بناتی ہے مسلماں کو مسلماں وہ شراب
جس کی ہر موج سے وابستہ ہے قرآں وہ شراب
بادہ وہ بادہ جو بہتر ہے مئے جنت سے
کر گئے پینے کی تاکید رسولؐ امت سے

(۲۳۳)

جس کے میخانہ پہ رہتا ہے سدا ابرِ کرم
جس کے ہر قطرہ کا ہے مول سلیماں کا حشم
مست و سرشار رہے پینے سے جسکے میثم
مرتے مرتے نہ ہٹا جادۂ الفت سے قدم
سولی ہوتی رہی ساقی کی ثنا کرتے رہے
کٹ گئی جب کہ زباں عشق کا دم بھرتے رہے

(۲۳۴)

آفتاب آج وہ دے جس سے کہ روشن ہو مزار
مر کے گل آتشِ دوزخ کو بنادے گلزار
باغِ ہستی میں خزاں آتے ہی لائے جو بہار
موت سے بھی نہ ہو جس بادہ کے نشہ کا اُتار
صلحا جامۂ تقویٰ کو کریں تر جس سے
نور چہرہ پہ اُتر آئے مرے پر جس سے

(۲۳۵)

جس کے نشہ کے سبب ہو کوئی پرسش نہ حساب
تیرا دیدار ہو اُٹھ جائیں جو ہستی کے حجاب
جوش کھایا ہی کرے شیشۂ دل میں یہ شراب
چومنا نقشِ قدم سمجھیں ملائک یہ ثواب
حشر کی دھوپ سرک جائے مرے مادہ سے
ابرِ رحمت بنے اُٹھ اُٹھ کے دھواں بادہ سے

(۲۳۶)

ہے وہ عمارؓ نے مقدادؓ نے بوذرؓ نے جو پی
مومن پاک ہوئے مالکِ اشترؓ نے جو پی
اوصیاء سے نہ چھٹی جملہ مقربؓ نے جو پی
ساقیا کعبہ میں خود رحمتِ داور نے جو پی
رستہ کیا اور نہ تھا کوئی ترے جانے کا
کر کے دیوار کو شق در کیا میخانے کا

(۲۳۷)

جو کہ بحرِ غضب ہے حق کو کرے نقش بر آب
سامنے جس کے کہیں چشمۂ حیواں کو سراب
خضر بھی سمجھیں ہیں جس کو خضرِ راہِ ثواب
جام ہے خلد نما جس کا وہ بادہ وہ شراب
جس کے یہ نشہ بنے تھے ترے میخواروں میں
منہ سے ساغر نہ چھٹے چُن گئے دیواروں میں

(۲۳۸)

مست وہ ہوں کہ نہ ہو نزاع کے عالم کی خبر
لو تجھی سے ہو لگی نام ترا ہو لب پر
پتلیاں پھرتی رہیں ماتھا پسینہ سے ہو تر
تل آنکھوں کا ڈھلے جانبِ قبلہ ہو نظر
میں یہ سمجھوں کہ ترشح ہے بہار آئی ہے
ساقی آنے کو ہے گھنگھور گھٹا چھائی ہے

(۲۳۹)

مئے تسنیم سے مطلب ہے نہ کوثر سے ہے کام
کیسا پینا ہے خیالِ طلب اس وقت حرام
لڑنے کو پیاسا مجاہد ہے پلا دے اسے جام
قبضۂ تیغ دو دم چوما ہے لے کر ترا نام
پہلواں پر ہو ظفر پیاس کی ایذا جائے
ان تھکے بازوؤں میں زور ترا آجائے

(۲۴۰)

زور وہ زور جو ہر عقدہ کشائی میں رہا
رعب و شہرہ ترا جس سے کہ خدائی میں رہا
احد و بدر میں خیبر کی لڑائی میں رہا
در پہ سپر کرنے میں جو زور کلائی میں رہا
حملہ ور فوج پہ ہوں مار کے تلوار اسے
ڈھال کی جا پہ اُٹھا لیں معہٗ رہوار اسے

(۲۴۱)

لہ کرنے جو بڑھا جھوم کے وہ بانیٔ شر
علی کہہ کے سنبھل بیٹھے فرس پہ اکبرؑ
تیغ کافر چمکتی جو ہیں آئی سر پر
ٹھ کے پھُرتی سے اُدھر ڈھال ہوئی سینہ سپر
ماری تلوار ستمگر نے تو رد وار ہوا
سارے لشکر کی نگاہوں میں شقی خار ہوا

(۲۴۲)

وش اڑے جب نہ رہی پہلی سی دیکھا بھالی
ب یہ مغلوب ہوا ہو گیا سب پرحالی
ہوئیں جتنی تھیں منی جانے لگی سب خالی
شق چھوٹی ہوئی ہے کہہ کے یہ خفت ٹالی
بزدلا شیر پہ قابو جو نہیں پاتا تھا
آتشِ غیظ سے مردود جلا جاتا تھا

(۲۴۳)

ار جھلا کے جو کرتا رہا بیم اچھل
مانس چڑھنے لگی ملعون کی اتنا ہوا شل
تھ کا واک اُٹھے پھول گیا رد و بدل
در شکستہ ہوئی لوہے کہ زرہ زیرِ بغل
پایا موقع جو ہیں چھوڑا نہ اُسے صفدرؑ نے
ایک ہی ضرب میں بس کردیا وہ اکبرؑ نے

(۲۴۴)

وہ گرا خاک پہ غازی نے بڑھایا رہوار
برسا خون فوج کی بدلی میں جو چمکی تلوار
چھوٹے فوارے لہو کے جو ہیں بھاگے کفار
گر طنابوں پہ کبھی خیموں پہ آئی بوچھار
تہلکہ غدر تھا ہر سمت سیہ کاروں میں
میخیں دہشت سے چھپیں لاشوں کے انباروں میں

(۲۴۵)

خوف سے پاس نہیں آتا کوئی خانہ خراب
ہیں مگر ساتھ وہ دشمن کہ جگر ہے خوں ناب
بھوک بھی پیاس بھی اور دھوپ وہ دل ہے بیتاب
دیئے جاتی ہے برے وقت میں طاقت بھی جواب
جیسے کرتی ہوئی یہ شیر کی موت آئی ہے
ہاتھ قابو میں نہیں باگ چھٹی جاتی ہے

(۲۴۶)

چور زخموں سے ہے تن راکب و رہوار ہے پست
برچھیاں کھاتا ہے گھوڑا کہ نہیں طاقتِ جست
ضعف اسوار کو ہے زین پہ مشکل ہے نشست
فتح اسلام مبارک ہو یہ کہتی ہے شکست
قتل کرتے ہیں اُسے زد پہ جسے پاتے ہیں
ساتھ اس وقت بھی ہمت کا دیئے جاتے ہیں

(۲۴۷)

دیکھ کر حال یہ بڑھ بڑھ کے ستمگر آئے
چار سو اپنے رسالے لئے افسر آئے
تیغیں کھینچے ہوئے غدار قریں تر آئے
ہے غضب بیچ میں خونخواروں کے اکبرؑ آئے
کیا کریں چل گیا تدبیر پہ تقدیر کا وار
ابن مرہ نے کیا فرق پہ شمشیر کا وار

(۲۴۸)

خوں کے فوارہ چھٹے کھل گیا سرتا بہ جبیں
نیزے تلواریں لئے ٹوٹ پڑے اور لعیں
بیٹھا رہنے نہ دیا موت نے آکر سرِ زیں
کاک پر دشت کی تیورا کے گرا عرش نشیں
گرتے ہی دی یہ صدا یا ابتا ادرکنی
آگئی میری قضا یا ابتا ادرکنی

(۲۴۹)

ہوک سینے میں اُٹھی سنتے ہی آواز پسر
قوتِ قلب گئی شق ہوا صدمے سے جگر
رنگِ رخ کہتا تھا جیسے نہ رہیگے دم بھر
کیا عجب منہ سے کلیجہ نکل آئے باہر
سلب طاقت یہ ہوئی بارِ الم اُٹھتا نہیں
دل کھنچا جاتا ہے اُس سمت قدم اُٹھتا نہیں

(۲۵۰)

ہاشمی جتنے جواں تھے سوئے اکبرؑ دوڑے
پیٹتے روتے ہوئے قاسمؑ بے پر دوڑے
تیغ کھینچے ہوئے عباسؑ دلاور دوڑے
پھٹ پڑے جس پہ پہاڑ آہ وہ کیوں کر دوڑے
شاہِؑ دیں تیز روی سے جو نہ جا سکتے تھے
سب تو جاتے تھے یہ سکتے میں کھڑے تکتے تھے

(۲۵۱)

مختصر یہ کہ چلے تھام کے دل کو یوں شہؑ دیں
تیرہ دنیا ہے نہیں سوجھتی مقتل کی زمیں
کانپتا پاؤں کہیں رکھتے ہیں پڑتا ہے کہیں
ہر قدم ضعف یہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ یہیں
بیٹھتے اُٹھتے ہوئے راہ میں حضرت پہونچے
پیش بیٹے کے بصد درد و مصیبت پہونچے

(۲۵۲)

حال وہ دیکھا پسر کا ہوا دل صد چاک
تر بتر خوں میں قبا تیروں سے چھلنی پوشاک
سانس اُکھڑی ہوئی بند آنکھ تو لرزاں تن پاک
سر سے بہتا ہے لہو گیسو و رخسار پہ خاک
جس کا ٹکڑے ہو جگر چین اُسے کیا آئے
گھاؤ سینے میں وہ ہے منہ کو کلیجہ آئے

(۲۵۳)

غش سے چونکے جو شہؑ دیں نے پکارا کئی بار
بولے آہستہ کہ دل تیر و سناں سے ہے فگار
درد و ایذا کے سبب بات ہے کرنا دشوار
اک پیام اہلِ حرم سے ہے یہ خادم ہو نثار
کہیے گا صبر کریں رنج و غم و ہم نہ کریں
موت پر اکبرؑ ناشاد کی ماتم نہ کریں

(۲۵۴)

کہہ رہے تھے یہ ابھی شہؑ سے بحالِ مضطر
کہ زباں بند ہوئی ہوگئی حالت ابتر
عرقِ موت نمودار ہوا ماتھے پر
ہچکیاں آئیں کیا گلشنِ جنت کا سفر
سب کے سب لاش پہ منہ آنسوؤں سے دھونے لگے
دیکھ کر شانِ مجاہد شہؑ دیں رونے لگے

(۲۵۵)

بولے عباسِؑ علی شاہؑ سے با آہ و بکا
رونے سے اور ٹھہرنے سے یہاں فائدہ کیا
لے چلیں گنجِ شہیداں میں انہیں یا مولاؑ
سر جھکا کے کہا حضرتؑ نے رضینا بہ قضا
کہہ کے یہ شاہؑ اُٹھے سرد نفس بھر کے چلے
خاک آلودہ بہ خوں اشکوں سے تر کر کے چلے

(۲۵۶)

اش ہم شکلِ پیمبرؐ کی لئے تھے عباسؑ
ڈگمگاتے ہوئے جاتے تھے شہؑ عرش اساس
فاے تھے بازوؤں کو عونؑ و محمدؑ چپ و راس
پیچھے مجروح فرس قاسمؑ بے پر لئے راس
راہ طے کر کے بصد حسرت و حرماں آئے
مختصر یہ کہ سوئے گنجِ شہیداں آئے

رباعی

منبر پہ جو اربابِ ہنر دیکھیں گے
معلوم تھا حیرت سے ادھر دیکھیں گے
ہم بھی یہ سوچ کر فریدؔ آئے ہیں
موتی بکھرائیں گے نظر دیکھیں گے

رباعی

ہونے کو گناہوں سے بری بیٹھے ہیں
دینے داد سخنوری بیٹھے ہیں
مجلس میں پڑھو کچھ کہ غلط غم ہو فریدؔ
موتی بکھراؤ جوہری بیٹھے ہیں

رباعی

ہر لفظ میں آب و تاب گوہر دیکھیں
معنی سے عیاں رحمتِ داور دیکھیں
بزمِ غمِ شہؑ میں چل کے کہتی ہے زباں
لہریں لیتا جناں میں کوثر دیکھیں

طلسم عالم ہستی کا تھا شباب نہ تھا
زیاد خواب سے غفلت تھی اور خواب نہ تھا
ہوئی جو صبح تو پیری تھی اور شباب نہ تھا
سماں بندھا ہوا اک تھا مگر وہ خواب نہ تھا
درِ جناں پہ چھپا کہہ کے خونِ ریشِ حبیب
شبابِ خلد کا مژدہ تھا یہ خضاب نہ تھا
مریض امامِ حرم بیچ خیمہ گاہ میں تھے
لگی تھی آگ دھواں گھٹ رہا تھا آب نہ تھا
حبیب جب کہ ہو محبوب اُس سے کیا پردہ
تجلی شبِ معراج تھی حجاب نہ تھا
حسینؑ قتل ہوئے حشر اک جہاں میں ہوا
یہ کون کہتا ہے نیزہ پہ آفتاب نہ تھا
وہ تپ کہ عابدِؑ بیمار اُٹھ نہ سکتے تھے
مگر خیام کے جلنے سے اضطراب نہ تھا
یہ شوقِ دید درِ خلد پر جوانی آئے
حبیب شیب سے بڑھ کر ترا شباب نہ تھا
سوال قبر میں تھا تیرا امام ہے کون
رواں تھے اشک یہاں اور کوئی جواب نہ تھا

مرثیہ

داستانِ غم و ہم سب کو سُنانا ہے مجھے

درحالِ حضرت عونؑ و محمدؑ

سنہ تصنیف

1922

داستانِ غم و ہم سب کو سُنانا ہے مجھے

داستانِ غم و ہم سب کو سُنانا ہے مجھے
خود بھی رونا ہے مجھے اور رُلانا ہے مجھے
آگ زہراؑ کے کلیجے کی بجھانا ہے مجھے
ایک مہمان کی تصویر دکھانا ہے مجھے
نام سے جس کے جگر منہ کے قریں آتا ہے
منظرِ کرب و بلا سامنے آجاتا ہے

(۲)

ہو کے مہماں جو رہا فاقہ کش و تشنہ دہاں
جس نے کھینچی ہے جواں بیٹے کے سینہ سے سناں
جس کے ناموس کا بلوہ میں ہوا سر عریاں
سر نے جس پیاسے کے نیزہ پہ پڑھا ہے قرآں
جس کا گھر بھر ہوا تاراج وطن سے آکے
جس نے اُمّت کو بچایا ہے گلا کٹوا کے

(۳)

دونوں عالم نے کیا صبر کو جس کے تسلیم
خون کی دھاروں سے جس نے کہ بجھایا ہے جحیم
کر دیئے جس نے امامت کے فرائض تعلیم
آیا ہے جس کی شہادت کے لئے ذبحِ عظیم
زخمی ایسا کہ ہر ایک روئیں سے خوں بہتا ہے
وہ جو اپنے کو قتیل العبرہ کہتا ہے

(۴)

تشنہ لب تشنہ جگر حاملِ اندوہ و ستم
جس کو مذبوح قفا کہتا ہے سارا عالم
جس نے قرباں کیا وہ طفلِ تبسّم پُرنم
بچہ ناقۂ صالح سے جو تھا عمر میں کم
گود خالی کی خیالِ اُمّتِ جد کا رکھ کر
تیر کھلوا دیا ہاتھوں پہ کلیجہ رکھ کر

(۵)

ظلم اُس پیاسے پہ دس روز میں کیا کیا نہ کیا
جس نے اولاد کو گھر بار کو پیارا نہ کیا
ذکر دکھ درد کا سر کٹنے میں اصلا نہ کیا
منہ سے نکلی تو دعا نکلی پر شکوہ نہ کیا
سچ تو یہ ہے کہ بہت گبرو مسلماں دیکھے
میزباں ایسے نہ دیکھے نہ یہ مہماں دیکھے

(۶)

جو بہا ریگ پہ اُس خونِ مطہر کے نثار
خاک پر جو کہ رہا اُس تنِ انور کے نثار
آخری وقت کے اُس سجدۂ داور کے نثار
ہم سب اُس جنبشِ لب ہائے منوّر کے نثار
جس سے بے آسرا ہر ایک سہارے سے لگا
اسی تحریک سے بیڑا یہ کنارے سے لگا

(۷)

آپ سمجھے بھی انہیں کون ہیں یہ عرش مقام
وہی مظلوم حسینؑ آپ کے اور میرے امامؑ
کوفہ والوں میں نہ کرتا تھا جنہیں کوئی سلام
جو شہیدوں سے مدد مانگتے تھے نام بنام
بے کسی اُن کی نگاہوں میں جو پھر جاتی تھی
استغاثہ کی صدا کان میں صاف آتی تھی

(۸)

پھرنے لگتا ہے نگاہوں میں کبھی وہ صحرا
جن کو طے کر کے گیا قافلہ اس مہماں کا
کوسوں کوسوں نہ جہاں چاہ نہ دریا کا پتا
فصل گرمی کی وہ لو دشت کا وہ سناٹا
راستہ بھول کے رہرو جو اُدھر چلتے تھے
لو کے جھونکوں سے رطوبات بدن جلتے تھے

(۹)

رو نگٹے دن کو کھڑے ہوں وہ ڈراؤنے جنگل
صورتِ آتشِ نمرود دہکتے وہ جبل
وہ کڑی دھوپ وہ تپتے ہوئے میدان چٹیل
تاب کیا تھی کہ نکل جائے اُدھر سے پیدل
خار مجروح کریں پاؤں کو نشتر کی طرح
ریگ اُتر جائے جلاتی ہوئی اخگر کی طرح

(۱۰)

باغ مل جاتا تھا کوئی کسی بستی میں اگر
پاتے تھے گرمی سے ایک ایک کی حالت ابتر
کالے ہو ہو گئے تھے گل شجر و برگ و ثمر
آہ کرتے تھے جو غنچے تو نکلتے تھے شرر
دھوپ سے عارضِ گل پر جو عرق آتا تھا
فرطِ حدّت سے دھواں بن کے وہ اُڑ جاتا تھا

(۱۱)

کونپلیں شاخ میں ہر شاخ شجر میں پنہاں
سایۂ برگ میں ہوتا تھا ہر اک پھول نہاں
منہ چھپائے ہوئے تھیں دامنِ گل میں کلیاں
لیتا تھا پھول ہر اک پھول کے سایہ میں اماں
آنکھیں ملتی تھی جو دامانِ قبائے گل سے
آگ لگ جاتی تھی تارِ نفسِ بلبل سے

(۱۲)

تاب و تب کے تھے بلندی پہ شدائد جو زیاد
کرتے پھرتے تھے ہر اک سمت پرندے فریاد
پتیاں سرو کی گویا کہ تھیں دامِ صیاد
تھی چھری مرغِ چمن کے لئے شاخِ شمشاد
جو کہ اُڑتے ہوئے بالائے ہوا آتے تھے
بُھن کے کرنوں سے شعاعوں کی وہ گر جاتے تھے

(۱۳)

یہ سب اس شان سے طے کرتے تھے دشت و کہسار
اقربا پیچھے تھے ہمراہ شۂ عرش وقار
محملیں بیبیوں کی بیچ میں آگے انصار
اور عباسؑ تھے ناقوں سے ملائے رہوار
دم بدم سب کی بھی خیر خبر لیتے تھے
پیاسا جو ہوتا تھا پانی یہ پلا دیتے تھے

(۱۴)

شاہؑ فرماتے تھے بھائی سے یہ با دیدۂ تر
مشغلہ خوب نکالا ہے یہ ہنگامِ سفر
کیوں نہ ہو کیوں نہ ہو، ہو ساقیٔ کوثر کے پسر
پھر پسند آئے نہ پانی کا پلانا کیوں کر
عرض کرتے تھے مجھے عز و شرف ملتا ہے
بچے پانی جو طلب کرتے ہیں دل ہلتا ہے

(۱۵)

مثلِ مدقوق تھے سوکھے ہوئے اشجارِ چمن
مارے گرمی کے تھے دل بستہ شگوفے ہمہ تن
غنچے غنچے طلبِ آب میں کھولے تھا دہن
منہ سے باہر نکل آئی تھی زبانِ سوسن
زیست بیکار تھی ہر طائرِ گلزار کی بھی
پتلیاں پھر گئیں تھیں نرگسِ بیمار کی بھی

(۱۹)

چرخ سے آگ برستی تھی چمن میں ہر سُو
آبلہ ڈالے جو طاؤس کے نکلے آنسو
نہ نکلتی تھی کبھی دوشِ صبا پر خوشبو
کالا ہو ہو گیا تھا جل کے رگِ گل میں لہو
دھوپ ہوتی تھی کڑی جو جو کہ دن ڈھلتا تھا
تپشِ مہر سے دامانِ ہوا جلتا تھا

(۲۰)

وطن آواروں کو رستے میں جہاں ہوگئی شام
کوئی صحرا ہو کہ بستی وہیں کرتے تھے قیام
بیبیوں کے لئے ہو جاتے تھے استادہ خیام
اِرد گرد اُن کے رہا کرتے تھے انصار تمام
شب کو کھٹکا جو کبھی ہوتا تھا جرّاروں کو
کھینچ لیتے تھے یہ سب میان سے تلواروں کو

(۲۱)

رات بھر خاک برستی تھی مگر اوس نہیں
وطن آواروں کو ملتا تھا نہ آرام کہیں
لو کے دیتی ہوئی دن بھر کی طپیدہ وہ زمیں
پاؤں رکھ رکھ کے ہٹا لیتے تھے بچے غمگیں
اپنی جانوں پہ ہر اک رنج و الم سہتی تھیں
بیبیاں بچّوں کو گودی میں لئے رہتی تھیں

(۲۲)

شب کو ہوتا تھا وہ جنگل کا ڈراؤنا منظر
مارے دہشت کے نکلتا تھا نہ کوئی اختر
آڑ لے لے کے درختوں کی گزرتا تھا قمر
روشنی چھپتی تھی پردہ میں کلف سے ڈر کر
تہ و بالا تھے فلک امن کی نایابی سے
ایک میں ایک نہاں ہوتا تھا بے تابی سے

(۲۳)

رات تاریک وہ اور دشت کا وہ سناٹا
چونکا کرتی تھی دہشت کو درندوں کی صدا
ہل گئے دشت و جبل شیر جو کوئی گونجا
حال کیا عرض کروں بیبیوں اور بچوں کا
زہرے پانی تھے تو کچھ منہ سے نہ کہہ سکتے تھے
دم بدم خیمہ کے پردہ کی طرف تکتے تھے

(۲۴)

دل میں رہتی تھی سمائے ہوئی دہشت شب بھر
ماں سے چمٹا ہوا روتا تھا پلک کے اصغرؑ
رات دھڑکوں میں گزر کے جونہی ہوتی تھی سحر
چل کھڑے ہوتے تھے پڑھ پڑھ کے نمازیں صفدرؑ
راہ کے دکھ تھے وہی آج بھی جو جو کل تھے
وہی میداں تھے کفِ دست وہی جنگل تھے

(۲۵)

منزلوں منزلوں پتھریلی زمیں اور وہ پہاڑ
کوسوں کوسوں کوئی دریا نہ شجر کی کہیں آڑ
دشت ہُو مارتے تھے بستیاں ملتی تھیں اُجاڑ
غم و اندوہ سے تھیں گرمی کی راتیں بھی پہاڑ
بچے ڈر ڈر کے جو روتے تھے نہ نیند آتی تھی
رات کی رات یونہی آنکھوں میں کٹ جاتی تھی

(۲۶)

بعض صحرا میں وہ حبس اور وہ قیامت کی اُمس
قافلہ والوں کا دم گرم تھا رہ رہ کے قفس
کبھی گرمی وہ تب و تاب وہ اور وہ گھبس
دل کی رگ رگ کو جلاتا تھا ہر اک تارِ نفس
لُو کے جھونکوں کا اُدھر سے جو گزر ہوتا تھا
رشتۂ عمر کے جل جانے کا ڈر ہوتا تھا

(۲۷)

گر ہوا بند کبھی چلتے تھے ایسے اندھڑ
ہوتے تھے بچوں کے تھمے سے کلیجے دھڑ دھڑ
ناقے بڑھتے ہوئے ڈرتے تھے وہ رستے بیہڑ
محملیں لیتی تھیں جھونکے وہ ہوا کے تھپڑ
تکڑیں لگتی تھیں خوں بہتا تھا زخمِ سر سے
دودھ گھٹ جاتا تھا ہر دم دہنِ اصغرؑ سے

(۲۸)

شور کرتی تھی یہ محمل سے سکینہؑ دکھیا
یاں کے ہچکولوں سے مر جائے گا اصغرؑ میرا
سر میرا ہوتا ہے زخمی مجھے لے لو بابا
شاہؑ کہہ دیتے تھے بچی سے کہ اچھا اچھا
راحت آرام جو ممکن ہے وہ دیں گے بی بی
اب کی منزل پہ تمہیں گود میں لیں گے بی بی

(۲۹)

بیبیاں کہتی تھیں آپس میں بحالِ مضطر
لوگوں کس قہر کے یہ دشت ہیں کیسا ہے سفر
ہم تو جب جانیں کہ اللہ دکھائے ہمیں گھر
جائیں پھر خیر سے حضرتؑ یونہی سب کو لے کر
لحہ بھر کے لئے آرام نہیں پاتے ہیں
جوں جوں بڑھتے ہیں بلاؤں میں گھرے جاتے ہیں

(۳۰)

نہ تھے اونٹوں کی تکانوں سے بجا ہوش و حواس
ایک سے دوسری منزل پہ پہونچ کی تھی پاس
چوبِ محمل کوئی تھامے تھی بصد درد و ہراس
بچوں کے شانوں کو پکڑی تھی کوئی عرش اساس
کسی پہلو سے جو آرام نہیں پاتے تھے
بچے روتے ہوئے ناقوں پہ چلے جاتے تھے

(۳۱)

ساربانوں سے یہ فرماتے تھے عابدؑ بیمار
تیز ناقہ نہ کرو بیبیاں بچے ہیں سوار
لے چلو اونٹوں کو آہستہ کہ ڈرتے ہیں صغار
کہیں ایسا نہ ہو گر جائے کوئی گل رخسار
کس دو رسّی کوئی ڈھیلی ہو اگر محمل کی
بندشیں اچھی طرح دیکھ لو ہر محمل کی

(۳۲)

کچھ نہ تھی فکر شہِ دیں کو زو استقلال
تھا تو بس پیشِ نظر اُمتِ عاصی کا خیال
کر کے طے منزلیں پہونچے جو بصد استعجال
میزبانوں نے یہ مہماں کا کیا استقبال
عیش و آرام سے اک لحہ گزرنے نہ دیا
مختصر یہ کہ ترائی پہ اُترنے نہ دیا

(۳۳)

رفع شر کر کے بنے واں سے شہِ ہر دوسرا
جلتی ریتی پہ کیا خیموں کو آخر برپا
اس پہ بھی اہلِ ستمِ کا نہ ہوا دل ٹھنڈا
ساتواں دن تھا کہ موقوف کیا آب و غذا
سارے خیموں میں نہ دانہ ہے نہ اب پانی ہے
ہائے شبیرؑ سے مہماں کی یہ مہمانی ہے

(۳۴)

پیاسے معصوم جو ہیں تشنہ لبی سے بے تاب
مائیں بہلاتی ہیں ایک ایک کو با چشم پُر آب
گود میں لیتے ہیں بچی کو شہِ عرش جناب
بیٹھ بھی سکتی نہیں پیاس سے اصغرؑ کی رباب
کبھی جھولا اُسے آ آ کے جھلا دیتی ہیں
جب بلکتا ہے تو آغوش میں لے لیتی ہیں

(۳۵)

گزرے دو دن تو ہوئی اور بھی حالت تغیر
بڑھ گیا ضعف یہ گر پڑتے ہیں اٹھ اٹھ کے صغیر
باز آتے نہیں دکھ دینے سے لیکن بے پیر
کرتے ہیں تیروں کی بوچھار قناتوں پہ شریر
دم بدم صحن میں خیمے کے جو تیر آتے ہیں
لے کے بچوں کو حرم گوشوں میں ہٹ جاتے ہیں

(۳۶)

بڑھ گئی اور زیادہ جو سپاہِ اظلم
لے لیا حلقہ میں مہمان کو مع اہلِ حرم
آج سر کاٹ لو ہوتے ہیں یہ شورہ باہم
لاکے قابو میں دباتے ہیں بصد ظلم و ستم
دم بدم بیعتِ حاکم کے پیام آتے ہیں
مارے غصہ کے امامؑ آپ کے تھراتے ہیں

(۳۷)

زرد ہیں بچوں کی وہ صورتیں پیاری پیاری
گوشہ گوشہ میں ہر اک کرتا ہے آہ و زاری
ضعف سے بیٹھنے اُٹھنے میں بھی ہے دشواری
ہونٹ پپڑائے ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری
ہُمن کے قلب و جگر ایذا جو سوا دیتے ہیں
خشک مشکیزوں کو آنکھوں سے لگا لیتے ہیں

(۳۸)

کوئی کہہ دے کہ ترس کھائیں ستم کے بانی
آج ہی اور ہے مہمان علیؑ کا جانی
عصر تک ختم تو کی جائے گی یہ مہمانی
اب بھی بچوں کے لئے بھیج دیں تھوڑا پانی
خیمے ڈیرے نہ یہ ہوں گے نہ یہ مہماں ہوں گے
قتل کچھ ہوں گے تو کچھ داخلِ زنداں ہوں گے

(۳۹)

ایسے دکھ درد میں ہوں گے نہ کہیں کے مہماں
پیاس سے بچے لگاتے نہیں تالو سے زباں
رو کے ماؤں سے یہ کہتے ہیں کہ پانی اماں
دم دیے دیتے ہیں گہوارے میں اصغرؑ ناداں
دل جگر بچوں کے رونے سے جو ہل جاتے ہیں
شاہِؑ دیں خیمہ سے گھبرا کے نکل آتے ہیں

(۴۰)

رفقا کہتے ہیں حضرتؑ سے کہ اے قبلۂ دیں
رونا بچوں کا سنیں ہم کو یہ اب تاب نہیں
مولاؑ ایسے ستم و جور بھی دیکھے ہیں کہیں
بس ہو اپنا تو گلے کاٹ کے مرجائیں یہیں
اذن ہوجائے تو یہ صدمہ و ایذا نہ رہے
پانی لے آئیں ابھی جان رہے یا نہ رہے

(۴۱)

اسد بیشۂ حیدرؑ کو بھی ہے غیظ کمال
چپ ہیں لیکن کہ نہیں حکم شہِؑ نیک خصال
خود شہنشاہِؑ دو عالم کو جو آتا ہے جلال
روک لیتا ہے انہیں اُمّتِ عاصی کا خیال
دھیان یہ آتے ہی غصہ جو اُتر جاتا ہے
بحرِ لطف و کرم و رحم میں جوش آتا ہے

(۴۲)

صبر کہتا ہے کہ کیا چیز ہیں یہ درد و الم
قول آنکھوں کا ہے جو جو ہوں وہ دیکھیں گے ستم
منتظر ہیں کہ جواں بیٹے کا نکلے کہیں دم
ہاتھ کہتے ہیں کہ کیا دیر ہے تیّار ہیں ہم
تیر بھی کھینچیں گے اور لاش بھی دفنائیں گے
لے کے اصغرؑ کو ہمیں حلق بھی چھدوائیں گے

(۴۳)

دل میں انجام کا اُمّت کے تصوّر جو بندھا
کچھ خبر ہی نہ رہی کس پہ ہیں یہ جور و جفا
ہوئے اتنے میں جو آمادۂ پیکار اعدا
مستعد ہوگئے مرنے پہ امامؑ دوسرا
مع انصار و اعزا شہِؑ ابرار چلے
چھوڑ کے عابدِؑ بیمار پہ گھر بار چلے

(۴۴)

کھولا عبّاسِؑ علیؑ نے جو نشانِ لشکر
وجد میں آئے ملک صلِّ علیٰ کہہ کہہ کر
اوج رایت سے جھکا خسروِ خاور کا سر
چھوٹ سے پنجہ کی مہتاب چھپی چہرے پر
تابِ نظارہ جو اپنے میں نہیں پاتا تھا
مہر چلمن میں شعاؤں کی چھپا جاتا تھا

(۴۵)

گوکہ تعداد میں یہ لوگ تھے کُل سو سے بھی کم
لیکن اللہ رے اس چھوٹے سے لشکر کا حشم
رہنما خلد کا تھا گھوڑوں کا ہر نقشِ قدم
جوں جوں بڑھتے تھے قریب آتا ہی جاتا تھا ارم
تہنیت دینے کو خوشبوئے بہشت آتی تھی
باغِ فردوس میں ناپوں کی صدا جاتی تھی

(۴۶)

پہونچے میدانِ وغا میں جو یہاں سے جرّار
روکا حضرتؑ نے فرس رک گئے سارے رہوار
باجے واں بجنے لگے جوش میں آئے غدار
جنبشِ فوج سے ہلنے لگے دشت و کہسار
صف سے آگے کیا اعدا نے نشاں والوں کو
کھینچا تلواروں کو کاندھوں پہ لیا ڈھالوں کو

(۴۷)

یاں تھا اعدا پہ وہ رحم و کرم اللہ اللہ
وعظ کرنے لگے اُن سب کو شہِؑ عرش پناہ
خطبے ایسے کئے ارشاد بصد صولت و جاہ
جن کا ہر لفظ تھا حضرتؑ کی امامت پہ گواہ
نہ کیا کچھ بھی عمل واں کے ستمگاروں نے
تیر سر کردیے لشکر کے کمانداروں نے

(۴۸)

ہائے تیر آتے تھے حضرت کی طرف تیس ہزار
یاں ہیں تانے ہوئے سینوں کو بہتّر جرّار
لو وہ کام آگئے کچھ کچھ ہوئے زخمی غم خوار
وعظ کو ختم کیا چپ ہوئے شاہِؑ ابرار
گاہ کشتوں کو بصد درد و الم دیکھتے ہیں
کبھی مجروحوں کو با لطف و کرم دیکھتے ہیں

(۴۹)

دل جو لشکر کا بڑھانے لگے فوجی افسر
شہؑ نے ارشاد کیا اپنے رفیقوں سے ادہر
آسماں کی طرف اے پیاسو اُٹھاؤ تو نظر
دیکھا اُن سب نے جو ہی کھل گئے فردوس کے در
کھل گئے غنچۂ دل فضلِ خدا سے سب کے
زخم بھر بھر گئے جنّت کی ہوا سے سب کے

(۵۰)

جوش میں آئے جو شیرانِ نیستانِ وغا
ایک ایک سے یہ کہنے لگا یہ فوج ہے کیا
زخم یوں کھائے کہ ہم لوگ تھے پابندِ رضا
حکم ہو جائے تو ان تیروں کا کھل جائے مزا
قتل اتنے کریں لاشوں سے یہ جنگل بھر دیں
مارے تلواروں کے لشکر کی صفائی کر دیں

(۵۱)

کی حبیبؑ ابنِ مظاہر نے جو سیرِ جنّت
جوش پیدا ہوا اتنا نہ رہی وہ صورت
خون رخساروں سے اب ٹپکا ہوئی یہ رنگت
خم کمر میں نہ رہا ہوگیا سیدھا قامت
غُل ہوا شہؑ کی غلامی کا ثمر پایا ہے
سیرِ بستانِ جناں کرنے شباب آیا ہے

(۵۲)

ہمسنوں سے یہ سخن تھے متبسم ہو کر
پٹکا یہ باندھ لے وہ جس کی خمیدہ ہو کمر
ضعفِ پیری نہیں رعشہ نہیں ہلتا نہیں سر
خون بڑھاتی ہے یہاں موجِ شرابِ کوثر
ہمیں جوشِ جوانی کی نظر آتی ہیں
جھرّیاں ہاتھوں کی لہروں سے مٹی جاتی ہیں

(۵۳)

تھے جوانوں کی طرف دیکھ کے ہر دم یہ سخن
اب اکیلا میں بھگا دوں گا سپاہِ دشمن
آگیا بازوؤں میں زور گیا ضعفِ بدن
ہوگئیں انوارِ ائمہ سے یہ آنکھیں روشن
زور اگر اپنی نظر کا میں دکھاؤں تم کو
رنگ فردوس کے پھولوں کا بتاؤں تم کو

(۵۴)

کوئی کہتا تھا وہ طوبیٰ ہے وہ نہریں ہیں رواں
وہ ہیں انگور لگے اور وہ سیب و رُمّاں
کچھ یہ کہتے تھے وہ دیکھو نظر آتے ہیں مکاں
روشیں وہ ہیں ٹہلتی ہیں وہ حورانِ جناں
غنچہ غنچہ بھی گل تر بھی نظر آتا ہے
لہریں لیتا ہوا کوثر بھی نظر آتا ہے

(۵۵)

جو کچھ انصار بیاں کرتے تھے خوش ہو ہو کر
سنتے تھے کان لگائے ہوئے زینبؑ کے پسر
دل کو پیاسوں کے جو مرغوب تھا ذکرِ کوثر
ہمہ تن شوق کی تصویر تھے وہ رشکِ قمر
تشنگی قلب کو ایذا جو سوا دیتی تھی
بوسے سوکھے ہوئے ہونٹوں کے زباں لیتی تھی

(۵۶)

تھے جو مشتاق تو دونوں کی تھی یہ کیفیت
دل بھڑکتے تھے کہ ہم بھی یونہی دیکھیں جنّت
بھائی سے بھائی یہ کہتا تھا کہ کیجئے سبقت
ادبِ شاہؑ سے بڑتی تھی نہ لیکن جرأت
دل بھرے آتے تھے کوثر کی جو لہر آتی تھی
بے بسی آنکھوں کے پیمانوں کو چھلکاتی تھی

(۵۷)

چھوٹے بھائی سے یہ کہنے لگے عونِؑ ذیجاہ
دیکھنا خلد وہیں چل کے تم انشاء اللہ
گوکہ رخصت نہ کبھی دیں گے شہِؑ عرش پناہ
لیکن امّاں سے تو مل جائے گا اذنِ جنگاہ
اُن کے اصرار سے پروانۂ جنّت دیں گے
وہی چاہیں گی تو حضرتؑ بھی اجازت دیں گے

(۵۸)

اک طرف دونوں یہ شہزادے کھڑے تھے خاموش
شہؑ کو گھیرے ہوئے انصار تھے سب دوش بدوش
محو ایسے تھے کہ باقی تھا تن و جاں کا نہ ہوش
ایک پر ایک گرا پڑتا تھا اللہ رے جوش
نہ سماں دیکھے تھے ایسے جو کسی گلشن کے
طائرِ روح پھڑکتے تھے قفس میں تن کے

(۵۹)

شہؑ سے تھی عرض کہ سرمایۂ عزت ہو عطا
اپنے بچوں کے تصدق ہمیں رخصت ہو عطا
سب کچھ اس گھر سے ملا آج یہ دولت ہو عطا
جان ہونٹوں پہ ہے پروانۂ جنت ہو عطا
آبِ کوثر میں لطافت جو سوا پاتی ہے
جسمِ خاکی سے ہر اک روح کھنچی جاتی ہے

(۶۰)

یہ نمک خوار لڑیں آپ کریں سیرِ وغا
جاں بلب ہوں تو دکھا دیجیئے چہرا اپنا
جادۂ صبر ہو طے ہو جو توجہ مولاؑ
پاؤں تھرائیں تو ثابت قدمی کی ہو دعا
خبر اے جانِ شہؑ عقدہ کشا لیجیئے گا
ڈگمگاتے ہوئے بیڑے کو بچا لیجیئے گا

(۶۱)

اتنے میں طبل نے بج کر کہا آمین آمیں
آکے تیروں نے دیا مژدۂ فردوسِ بریں
صف جمی اذن ہوا لڑنے لگے باہم دیں
مار کے لاکھوں کو مر مر گئے سب اہلِ یقیں
خوش ہوئے شہؑ کی غلامی کے نتیجے پا کے
کریں پیاسوں نے کھولیں لبِ کوثر جا کے

(۶۲)

کام جب آگئے انصار امامِ دوجہاں
امتحاں سخت ہوا بڑھ گئے درد و حرماں
گھر ہو مہمان کا تاراج ہوا وہ ساماں
صبر شہؑ نے کہا ہو جائے گا یہ بھی آساں
بچّہ بچّہ نہ رہے تو بھی نہ منہ موڑیں گے
بخشوا ہی کے گنہگاروں کو یہ چھوڑیں گے

(۶۳)

آئے رخصت کے لئے حضرتِ مسلمؑ کے پسر
دی رضا شہؑ نے رضیا بقضا کہہ کہہ کر
چڑھ کے گھوڑوں پہ روانہ جو ہوئے وہ صفدرؑ
ہوگئے اور سوا عونؑ و محمدؑ مضطر
رو کے کہنے لگے یوں دولتِ دیں پاتے ہیں
دیکھئے رہ گئے ہم خلد میں یہ جاتے ہیں

(۶۴)

پہونچے اتنے میں جو میداں میں وہ دونوں ضیغم
بس کہا باگ کسی رک گئے گھوڑوں کے قدم
بفصاحت جو رجز خواں ہوئے وہ عرشِ حشم
غیرت و شرم سے سر ہو گئے اعراب کے خم
نہ دیا کچھ بھی جواب اُن کا ستمگاروں نے
تیر برسا دیئے مظلوموں پہ بدکاروں نے

(۶۵)

ایسی گستاخیاں کرنے جو لگے خانہ خراب
منہ میں کف لائے فرس ہوگئیں آنکھیں خوں ناب
غصہ میں میان سے باہر ہوئیں تیغیں خوش آب
دیئے جرّاروں نے تلواروں سے تیروں کے جواب
کفر و بدعت کی سزا اہلِ دغا پانے لگے
گرم میداں ہوا دوزخ میں شقی جانے لگے

(۶۶)

حملے روباہوں پہ کرتے تھے جو وہ شیر ژیاں
چشمِ حسرت سے نظر کرتے تھے شاہِؑ دو جہاں
بچتے ہر وار پہ ہو جاتے تھے شاداں شاداں
قتل کرتے تھے اگر وہ کوئی چوٹی کا جواں
ہنس کے عباسؑ علیؑ دادِ وغا دیتے تھے
رو کے ہر ضرب پہ شبیرؑ دعا دیتے تھے

(۶۷)

یاں تو یہ ذکر تھا واں گر گئے وہ شیدائی
وار کرتے چلے اوج کی بدلی چھائی
بات کرنے کی بھی افسوس نہ مہلت پائی
جب تلک یاں سے کوئی جائے نہیں موت آئی
پہونچے یہ سب تو غم و درد کا ساماں دیکھا
خاک اور خون میں ان دونوں کو غلطاں دیکھا

(۶۸)

دیکھ کے لاشوں کو کہنے لگے انا للّٰہ
لائے پھر گنجِ شہیداں میں بصد نالہ و آہ
رکھ کے واں خیمیں گھر میں گئے سب حق آگاہ
یہ خبر سن کے کیا بیبیوں نے حال تباہ
غم میں پیاسوں کے ہر ایک اشکوں سے منہ دھونے لگا
حرمِ شہؑ میں بپا شور و فغاں ہونے لگا

(۶۹)

حرمِ شاہِ امم خیمے میں رونے میں تھے سب
جا کے اک گوشہ میں بیٹھی تھی سرہانے زینبؑ
شورہ آپس میں یہ ہونے لگے با رنج و تعب
کس طرح مادرِ ناشاد سے ہو اذن طلب
بن نہ پڑتی تھی کوئی بات تو غم کھاتے تھے
آہیں بھرتے تھے تو اشک آنکھوں میں آجاتے تھے

(۷۰)

دیتا تھا زوجۂ مسلمؑ کو جو پُرسہ گھر بھر
رو کے سب سے یہی کہتے تھے وہ تپ دیدہ جگر
شکر صد شکر کام آگئے وہ رشکِ قمر
میری قسمت تھی کہ حضرتؑ پہ تصدق ہو پسر
رانڈ بیوہ کا ہو سرمایۂ غربت قرباں
ہو امامِ دوجہاں پر مری دولت قرباں

(۷۱)

اسی حسرت میں جو بسمل تھا دلِ زینبؑ زار
یہ سخن سنتے ہی برچھی ہوئی ایک قلب کے پار
ٹھنڈی ایک سانس بھری دل سے گیا صبر و قرار
متجسس ہوئی نظریں کہ کدھر ہیں دلدار
دل میں ہوک اٹھی تو بزمِ الم و غم سے اُٹھیں
جلد پرسہ دیا روتی صفِ ماتم سے اُٹھیں

(۷۲)

واں سے اُٹھ کے جو نظر کرنے لگی وہ ناکام
دیکھا اک گوشہ میں بیٹھے ہیں وہ دونوں گلفام
ماں کو بچوں نے جو بھی دیکھا تو کانپے اندام
پاک آنکھوں سے کئے اشک بہ تعجیل تمام
پاس آئیں تو بعجلت اُٹھے تعظیمیں کیں
بہ ادب مادرِ ناشاد کو تسلیمیں کیں

(۷۳)

ماں نے بچوں کی جو روئی ہوئی آنکھیں پائیں
دلِ غمگیں پہ غم و ہم کی گھٹائیں چھائیں
ضبط سے گھٹ گئیں آہیں تو لبوں تک آئیں
مامتا بھڑکی تو اشک آنکھوں میں بھی بھر لائیں
بولیں کس واسطے چپ چپ مری جاں بیٹھے ہو
فکر کاہے کی ہے کس سوچ میں یاں بیٹھے ہو

(۷۴)

ذکر آپس میں ابھی کیا تھے بتاؤ بیٹا
حالِ دل مادرِ غمگیں کو سناؤ بیٹا
سن یہ ان باتوں کے ہیں ہوش میں آؤ بیٹا
آنکھیں دیکھوں تو ذرا منہ تو اُٹھاؤ بیٹا
کچھ تو مجھ پر بھی کھلے مشورے کیا ہوتے تھے
آہیں کیوں بھرتے تھے کس واسطے تم روتے تھے

(۷۵)

ساتھ بھائی کے گئے تھے ابھی شاداں شاداں
منہ بنائے ہوئے کیوں آئے وہاں سے مری جاں
کچھ کہا اکبرؑ و قاسمؑ نے تمہیں ماں قرباں
یا کسی بات پہ ناراض ہوئے شاہِ زماں
کیوں چھپاتے ہو بتاتے نہیں مادر کو تم
بڑھ گئی تشنہ لبی دھوپ سے پیاسے ہو تم

(۷۶)

سب آہ و فغاں پوچھ رہی تھی مادر
ڈر سے جی کچھ نہیں جی کچھ نہیں کہتے تھے پسر
کیا اصرار جو ماں نے انہیں قسمیں دے کر
کہا رو رو کے کہ ناراض ہیں ہم سے سرورؑ
اس کا باعث کوئی جز گردشِ تقدیر نہیں
اپنے نزدیک تو اپنی کوئی تقصیر نہیں

(۷۷)

بولی ماں تم سے کوئی بات ہوئی ہوگی ضرور
میں نہ مانوں گی اُسے امر جو ہو عقل سے دور
روح و جان اپنی سمجھتے ہیں تمہیں شاہِؑ غیور
یونہی ناراض ہوئے تھے نہ خطا اور نہ قصور
اپنے بھائی کی طبیعت نہیں پہچانتی ہوں
مجھ سے باتیں نہ بناؤ کہ میں سب جانتی ہوں

(۷۸)

ماں کی غصہ کی نظر دیکھی تو بچوں نے کہا
انہیں قدموں کی قسم اپنی نہیں کوئی خطا
بھائی اکبرؑ بھی تھے قاسمؑ بھی تھے موجود اُس جا
پوچھئے دونوں سے اے بنتِ شہِؑ عقدہ کشا
گر یہی ہو تو ہمیں اذنِ وغا دیجئے گا
ہو خلاف اس کے تو جو چاہے سزا دیجئے گا

(۷۹)

کہا پھر سوچ کے کچھ ماں نے بصد رنج و ملال
اچھا کس بات پہ پیدا ہوا تم کو یہ خیال
بولے یہ دستِ ادب جوڑ کے وہ نیک خصال
شاہؑ ناراض ہیں اُس وقت سے ظاہر ہوا حال
جب سے انصار کو فردوس دکھایا شہؑ نے
ہم کو پوچھا بھی نہیں اور نہ بلایا شہؑ نے

(۸۰)

سب جواں چہرۂ حوارنِ جناں دیکھا کئے
پر جتنے تھے وہ رہنے کو مکاں دیکھا کئے
جو بہت پیاسے تھے کوثر کا سماں دیکھا کئے
اور ہم روئے امامؑ دو جہاں دیکھا کئے
ذکرِ کوثر سے لگیں دل پہ سنانیں اماں
ہم پھرایا کئے ہونٹوں پہ زبانیں اماں

(۸۱)

دل ہٹا آج سے دنیا کو نہیں دیکھیں گے
آسماں یاں کا نہ اب یاں کی زمیں دیکھیں گے
جو نہ دیکھے وہ مکاں اور وہ مکیں دیکھیں گے
ہم بھی اس بات پہ فردوسِ بریں دیکھیں گے
شہؑ سے کہہ سن کے دلا دیجئے رخصت ہم کو
آپ بھی دیجئے پروانۂ جنت ہم کو

(۸۲)

مُسکرا کے کہا بچوں سے یہ زینبؑ نے کہ ہاں
یہ کہو دل میں سمائی ہے تمنائے جناں
اتنی سی بات کے صدمے ہیں بڑے ہو ناداں
مصلحت بھائی کی ہوگی کوئی مادر قرباں
ورنہ سب غیر تو سرمایۂ راحت دیکھیں
جو کلیجے کے ہوں ٹکڑے نہ وہ جنت دیکھیں

(۸۳)

جو نہ دیکھے ہوں کسی نے وہ چمن دیکھنا تم
جنتیں عدن کی اے غنچہ دہن دیکھنا تم
صدقہ اس پیاس کی ماں نہرِ لبن دیکھنا تم
سب تو سب لطفِ شہنشاہؑ زمن دیکھنا تم
دیکھتے ہی تو کلیجے سے لگائیں گے تمہیں
ساتھ لے لے کے وہ فردوس دکھائیں گے تمہیں

(۸۴)

زیب تم پر ہے بہشت اور تم اُس کی زینت
کیوں نہ ہو نورِ حسینیؑ سے بنی ہے جنت
باغِ فردوس کی جس طرح تمہیں ہے چاہت
ویسی ہی اُس کو بھی تم دونوں سے ہوگی الفت
خلد کو حسرتِ دیدۂ رخِ زیبا ہوگی
مجھ میں داخل ہوں خدا سے یہ تمنا ہوگی

(۸۵)

ہے یہی نقشِ قدم زینبِؑ ایوانِ بہشت
ملک نانا کی تمہارے ہے گلستانِ بہشت
خوش نصیبی سے ہو تم روحِ دل و جانِ بہشت
دونوں ماموں بھی ہیں سردارِ جوانانِ بہشت
کیوں کڑھے جاتے ہو ہر طرح تمہیں دعویٰ ہے
مہر میں نانی نے فردوسِ بریں پایا ہے

(۸۶)

رو کے پھر کہنے لگیں زینبؑ آوارہ وطن
کیسے خوش ہوگئے کہتے ہیں اسی کو بچپن
باغِ فردوس کو سمجھے ہو یہاں کا گلشن
جتنی راحت ہے وہاں اُتنا ہی رستہ ہے کٹھن
حسرتِ دید میں دشواریوں کا دھیان نہیں
ملنا جنت کا مری جان کچھ آسان نہیں

(۸۷)

راہیں پُر ہول تو ہیں راستہ دشوار گزار
بیچ میں ملتا ہے وہ بحرِ فنا کا ذخار
جس کا ہر قطرہ ہے طوفان تو کنارہ مجھدھار
جس سے اب تک نہ ہوا عمر کا بیڑا کوئی پار
ناخدائے عملِ خیر ہی کام آتا ہے
وہی ڈوبے ہوؤں کو خلد میں لے جاتا ہے

(۸۸)

صدقے ماں پہلے تو زخموں کا گلستاں دیکھو
چشمِ مشتاق سے روئے غم و حرماں دیکھو
خاک اور خون میں اپنے تمہیں غلطاں دیکھو
یعنی ہتیار سجو جنگ کا میداں دیکھو
راستہ سیدھا اُسی دشت سے تم پاؤ گے
بند کر لوگے جو آنکھیں تو چلے جاؤ گے

(۸۹)

دینِ حق کے لئے کرتا ہے جو ہستی برباد
اُس کی ہر امر میں ہوتی ہے اُدھر سے امداد
زخمی اس راہ میں ہو گے تو رہو گے شاد
جو جو کہتی ہوں وہ کھل جائے گا ہنگامِ جہاد
روح انجام کے آثار یہیں پائے گی
دامنِ زخم سے جنت کی ہوا آئے گی

(۹۰)

جو تھے خاصانِ خدا ظلم و ستم سب نے سہے
خوش نصیبی ہے یہ اس راہ میں گر خون بہے
دل تو یہ چاہتا ہے مانتا جو چاہے کہے
بات اسلام کی اور نام بزرگوں کا رہے
بند تیغوں سے نہ تلواروں کے کھانے سے ہو
یہ دکھا دو کہ محمدؐ کے گھرانے سے ہو

(۹۱)

کام مردوں کا ہے میدان میں کیا جنگ و جدال
ہونا ہرگز نہ کسی وقت ہراساں مرے لال
زخم کا خون کا دکھ درد کا کرنا نہ خیال
سر جو کھل جائے تو تم باندھنا کس کے رومال
تھامے اک بھائی کو اک بھائی جو چکر آئے
بڑھتے بڑھتے لگیں جب گھیرنے لشکر آئے

(۹۲)

کچھ نہ کچھ نکلے ہر اک وار میں شانِ حیدرؑ
غل یہی ہو کہ یہ نانا کے لہو کا ہے اثر
وہ مع فوج اُٹھائے رہے بابِ خیبر
زد پہ جو آئے تو تم لینا اُسے نیزہ پر
غیظ میں جوش جو حیدرؑ کا لہو کھائے گا
ننھے ہاتھوں میں یداللہ کا زور آئے گا

(۹۳)

دھوپ سے پیاس جو بڑھ جائے نہ ہونا مضطر
ست و رنجور سمجھ جائیں گے سب بانیٔ شر
روک کے ڈھال پھرا لینا زباں ہونٹوں پر
دل کے سمجھانے کو ہو اپنے سے چھوٹوں پہ نظر
روئیں روئیں سے مدد کرنا شہِؑ صفدر کی
یاد کرلیجو تم پیاس علی اصغرؑ کی

(۹۴)

تم سے بڑھ بڑھ کے بزرگوں نے اُٹھائیں کڑیاں
تیر برسے ہیں جنازہ پہ کسی کے مری جاں
کسی بے کس کے گلی سجدہ میں تیغ بڑاں
راہِ معبود میں ٹوٹے ہیں کسی کے دنداں
یونہی تم دونوں بھی زحمت کو نہ زحمت سمجھو
برسیں پتھر بھی تو اللہ کی رحمت سمجھو

(۹۵)

خلد لینا ہے تو دکھ درد کو راحت جانو
تلخیٔ مرگ میں بھی شہد کی لذت جانو
ہر گلِ زخم کو تم گلشنِ جنت جانو
کپڑے خوں میں جو بھرے بیاہ کے خلعت جانو
تیر ماریں جو شقی پھولوں کی چھڑیاں سمجھو
خون کی دھاروں کو تم سہرے کی لڑیاں سمجھو

(۹۶)

دیکھو مسلم کے پسر جان پہ کیسا کھیلے
کس دلیری سے لڑے سختیاں کڑیاں جھیلے
کیا ہوئے ہوں گے نہ خونخواروں کے اُن پر ریلے
ہے تو یوں جو ہو شہید آج وہ جنت لے لے
مل گئے کب کے وہ فردوس کے مہمانوں میں
پھر رہے ہوں گے اب اس وقت گلستانوں میں

(۹۷)

آبدیدہ ہوئے سُن کے جو ہیں یہ بولی ماں
بات سنتے ہو کہ روتے ہو یہ مادر قرباں
تم بھی کچھ دیر میں دیکھو گے گلستانِ جناں
آنسو آنکھوں میں نہ اب آئیں مگر میری جاں
شاد ہو مژدۂ فردوسِ بریں لائی ہے
ماں اسی واسطے تم دونوں کے پاس آئی ہے

(۹۸)

ہاں بیاں تو کرو انصار نے کیا کیا دیکھا
عرش کی قدرتِ خالق کا تماشا دیکھا
قصر بھی باغ بھی حوروں کا بھی جلوہ دیکھا
جانیں دے دے کے لیا خلد کچھ ایسا دیکھا
چومتے تھے دہنِ زخم سے تلواروں کو
سمجھے ہنگامِ وغا رشتۂ جاں دھاروں کو

(۹۹)

ذکر جنت کا ہمیں یاد ہے کچھ کچھ نہیں یاد
کیف لطف اُس کا دلوں میں ہے مگر حد سے زیاد
سوچ لیں ہم تو بیاں کرتے ہیں ہنس کے ارشاد
کہا زینبؑ کہ ہاں سُن لے یہ مادر ناشاد
نہیں معلوم کہاں دن کہاں راتیں ہوں گی
پھر تو یہ صورتیں ہوں گی نہ یہ باتیں ہوں گی

(۱۰۰)

کہا زینبؑ سے یہ بچوں نے کہ سنیئے اماں
ہے درِ خلد پہ اک حلقۂ زر آویزاں
منزلوں منزلوں وہ روشنی اسکی وہ سماں
ماسوا اس کے ہے اک صحبتِ معبود عیاں
جب گزرتی ہوئی حلقہ سے ہوا جاتی ہے
یا علیؑ یا علیؑ اُس وقت صدا آتی ہے

(۱۰۱)

تحت و فوق آٹھ بہشتیں ہیں تہِ عرشِ علا
دیکھئے جس کو نظر آتی ہے بس شانِ خدا
پُر تکلف وہ مکاں قصر وہ اعلیٰ اعلیٰ
گوشہ گوشہ میں وہ انوارِ ائمہ کی ضیا
اک سے اک قصر کو دیکھو تو ہے تارا روشن
ایک خورشید یہاں واں یہ ہیں بارا روشن

(۱۰۲)

جس پہ سو جان سے قرباں ہے دلِ حور وہ نور
جس سے غش آیا تھا موسیٰؑ کو سرِ طور وہ نور
پشتِ آدمؑ میں جو برسوں رہا مستور وہ نور
جس کو ہر ایک کہے نورِ خدا نور وہ نور
مختلف کیف ضیا روح ہر اک پاتی ہے
اسی باعث سے وہاں نیند نہیں آتی ہے

(۱۰۳)

صورتیں اہلِ جناں کی ہیں کہ شانِ داور
چہرے وہ نور کے اور تاج جواہر سر پر
کلغیاں جن کی چمکتی ہوئی مثلِ اختر
حلّے ایک ایک ہے پہنے ہوئے سترّ سترّ
سیم و زر کے ہیں تو گل بوٹے پڑے ہیں سب میں
گرد ہر پھول کے یاقوت جڑے ہیں سب میں

(۱۰۴)

روح تازی ہو ہر اک سمت ہے وہ باغ و بہار
مختلف قسم کے میووں سے لدے ہیں اشجار
پھٹے پڑتے ہیں ہیں اتنے رطب و سیب و انار
کہیں انگور کی چھائی ہوئی بیلیں چھت نار
جھکیں دیتی ہے زمیں دامنِ گلچیں کی طرح
خوشے تابندہ ہیں سب خوشۂ پرویں کی طرح

(۱۰۵)

ان کی سی سرد مزاجی کہیں کافور میں ہے
آب و تاب ایسی نہ الماس نہ بلور میں ہے
کیف ان کا سا بھلا کب مئے حور میں ہے
تلخی کوئی نہ کوئی تخمِ انگور میں ہے
کچھ شباہت سی نظر آتی ہے چشمِ تر کی
دخترِ رز تاک میں بیٹھی ہے مئے کوثر کی

(۱۰۶)

صحنِ گلزار میں ہر سمت وہ حوروں کا جماؤ
بال وہ ایڑیوں تک اور وہ قیامت کے بناؤ
تاج سونے کے ڈلے جن میں زمرد کا جڑاؤ
حلّے وہ نور فشاں ہیں کہ جنھیں دیکھے ہی جاؤ
ہنستی ہیں جب گل و غنچہ کی قریں آتی ہیں
بجلیاں خلد میں بیٹھیں چمک جاتی ہیں

(۱۰۷)

جو شش فصلِ بہاری کا جو ہر سمت ہے غل
نام سننے میں نہیں آتا خزاں کا بالکل
ہٹ کے جاتی نہیں غنچے سے گلوں کے بلبل
خوں اُبل پڑتا ہے شاخوں سے جو توڑے کوئی گل
قوتِ نامیہ جوش اپنے یہ دکھلاتی ہے
ہوتے ہی ہوتے قلم شاخ نکل آتی ہے

(۱۰۸)

خم سے ہوتے نہیں سنبل کے پریشاں گیسو
شانِ مستانہ سے پھرتا ہے رگِ گل میں لہو
پتیاں دس ہیں تو ہر اک میں جدا رنگ اور بو
پھول میں پھول نکل آتا ہے اللہ رے نمو
شاخ میں آتے ہی تک رنگ بدل جاتے ہیں
پھول اشجار میں آتے نہیں پھل آتے ہیں

(۱۰۹)

مختلف رنگ کے ہر سمت ہیں وہ گل بوٹے
دیکھ لے اُن کو تو نقاشیٔ مانی چھوٹے
بن گئی قوسِ قزح رنگ جو اُن کے پھوٹے
پھول شاخوں سے گرے سیکڑوں تارے ٹوٹے
نورِ اماموںؑ کا رگِ گل میں وہاں پھرتا ہے
مُن برستا ہے کہ اُن پھولوں سے زر گرتا ہے

(۱۱۰)

دھاریاں ہنکیاں وہ رنگ برنگی اُن پر
بیچ میں زر ہے کہ رکھا ہے طلائے احمر
قوتِ نامیہ وہ آب و ہوا کے وہ اثر
ہے شگوفہ ابھی غنچہ ابھی دم میں گلِ تر
جھونکے جنت کی ہواؤں کے جو چل جاتے ہیں
رنگ حوروں کی قباؤں کے بدل جاتے ہیں

(۱۱۱)

یوں تو ہر گل میں ہے خوشبوئے حسین و حسنی
ہیں مگر رنگ میں جو پھول عقیقِ یمنی
اُن کی رگ رگ میں وہ صنعت ہے کہ اللہ غنی
خطِ گلزار میں ہیں اسم لکھے پنجتنی
دیکھنا کام فقط چشمِ حق آگاہ کا ہے
نام مجموعۂ زر میں رقمِ اللہ کا ہے

(۱۱۲)

باغِ جنت میں ہے پھولوں کی وہ کثرت ہر سو
چشمِ طاؤس سے بہہ سکتا نہیں ایک آنسو
حرکت تک نہیں کرسکتا رگِ گُل میں لہو
تھام کر چلتی ہے دامانِ ہوا کو خوشبو
گُل اُلجھ جاتے ہیں تارِ قفسِ بلبل میں
انتہا یہ ہے سمانی نہیں رنگت گُل میں

(۱۱۳)

جا بجا چشمہ ہیں اتنے نہ شمار اور نہ حساب
تین نہریں مگر ایسی ہیں نہیں جن کا جواب
شہد کی ایک ہے اک دودھ کی اک میں ہے شراب
جنکیں وہ روح فزا ذائقے کیسے نایاب
یہ تکلف ہے کہ اک ساتھ میں گو بہتی ہیں
رنگ میں بو میں مزے میں یہ الگ رہتی ہیں

(۱۱۴)

ذکر یوں کر رہے تھے خلد کا وہ رشکِ قمر
ایک کرتا تھا بیاں بھولتا تھا ایک اگر
سنتے ہی یہ کہاں ماں نے بحالِ مضطر
یاد اگر ہو تو سناؤ مجھے ذکرِ کوثر
اسے عجلت ہے کہ شہ سے نہ رضا پائے کوئی
کہیں ایسا نہ ہو میداں میں چلا جائے کوئی

(۱۱۵)

دل تڑپنے لگے کوثر کا جونہی نام آیا
آنکھیں میخواروں کی کہتی ہیں کہ اب جام آیا
بزم کا رنگ جمانے کو یہ پیغام آیا
نشے بندھتے ہیں ابھی پینے کا ہنگام آیا
فاصلہ یاں سے ہے کیا چار قدم جانا ہے
ہے وہ ساقی کا مکاں اور وہ میخانہ ہے

(۱۱۶)

دیکھیں اس بزم میں کس کس کا بجا ہوش رہے
درد دل مَیں کہوں ساقی ہمہ تن گوش رہے
آج اتنی تو پئیں تا بہ ابد جوش رہے
کہیں واعظ سے کہ آئے بھی تو خاموش رہے
صحبتِ وعظ نہ ہو محفلِ رندانہ ہو
ہم ہوں ساقی ہو یہ میخوار ہوں میخانہ ہو

(۱۱۷)

جوشِ زن بحرِ کرم ہو میرے ساقی کا اگر
عکس اس بزم کا آجائے اس آئینہ پر
رنگِ خونِ جگر و دل جو دکھاؤں بھر کر
گُل مضموں کی رگوں میں نظر آئے کوثر
لفظیں بیت ہوں اُبلتے ہوئے پیمانے کی
ہیئتِ نظم میں تصویر ہو میخانے کی

(۱۱۸)

عرش مادر سے یہ کرنے لگے وہ رشکِ قمر
جنتِ عدن میں کوثر کا وہ پیارا منظر
پٹریاں اُس کی مرصع پہ جواہر یکسر
ہر طرف اُن پہ بچھے رنگ برنگی ساغر
چھوٹیں ہر مرتبہ لہروں پہ جو پڑ جاتی ہیں
مختلف بجلیاں کوثر میں نظر آتی ہیں

(۱۱۹)

نہر کے گرد جو اشجار ہیں دنیا میں کہاں
اردگرد اُس کے وہ اشجار ہزاروں جنباں
وہ کنارہ پہ ہے اماموں کے مکاں نور افشاں
اوپر انگور کی چھت تار وہ بیلیں وہ سماں
عکس گچھوں کے جھلک دے کے یہ دکھلاتے ہیں
خوشہ پریوں کے بھی پینے کو یہیں آتے ہیں

(۱۲۰)

ساق سے عرش کی نکلی ہے یہ نہرِ اطہر
جتنی نہریں ہیں ملی ہیں وہ اسی سے آکر
گہری اتنی کہ مسافت میں ہیں فرسخ سترّ
تہ میں مٹی کی جگہ فرش ہے مشک و عنبر
وہ شراب اس میں کہ مہکی ہوئی جنت بھر ہے
ثلج سے زائد ہے خنک شہد سے شیریں تر ہے

(۱۲۱)

دودھ سے رنگ سفید اور وہ خوشبو نایاب
پری جاتی ہے درِ خلد سے آتا ہے شباب
ٹوٹ کر صاف صدا دیتا ہے ہر جامِ حباب
ہے یہ میخانہ یہ ساغر ہیں یہ موجِ مئے ناب
جھومتا جھامتا موجہ جو کوئی آتا ہے
نامِ ساقی کا ہر اک لہر سے بن جاتا ہے

(۱۲۲)

واں کی وہ بھیڑیں وہ انبوہ وہ اک جمِ غفیر
لطف یہ سب ہیں جواں ایک نہیں طفل نہ پیر
جوق جوق اُن میں نبی اور رسولانِ کبیر
بیچ میں سب کے سند یافتۂ خُمِ غدیر
جام بھی دیتے ہیں اعجاز بھی دکھلاتے ہیں
گو بلندی نہیں پر سب کو نظر آتے ہیں

(۱۲۳)

ہاتھ لاکھوں وہ بلند اور وہ چھلکتے ہوئے جام
لطفِ ساقی سے کناروں تک اُبلتے ہوئے جام
بزم کے رنگ کو ہر لحظہ بدلتے ہوئے جام
بے خودی میں وہ قباؤں پہ اُنڈلتے ہوئے جام
عالمِ وجد میں خاموش نہیں رہتے ہیں
ایک اک گھونٹ پہ سب صلِّ علےٰ کہتے ہیں

(۱۲۴)

ہم بھی ہیں اے مئے کوثر کے پلانے والے
دیکھ پائی ہے یہ بزم اب نہیں جانے والے
اس طرف بیٹھے ہیں سب رونے رلانے والے
سیر کردے کہ نہیں روز کے آنے والے
تیرے فرزند کا دکھ درد سنا جائیں گے
سال بھر بعد جو زندہ رہے پھر آئیں گے

(۱۲۵)

ابرِ غم چھایا ہے دامن میں چھپالے ساقی
مجھکو حسّاد کے حملوں سے بچا لے ساقی
دل میں اب زخمِ زباں ہوگئے آلے ساقی
جام دے دے کے میرے پھوڑے پھالے ساقی
نشہ چڑھ جائے تو فکروں سے سبکدوشی ہو
ٹیسیں اُٹھنے کی خبر ہو نہ جو بے ہوشی ہو

(۱۲۶)

جرعے رندوں میں رہیں آج وہ عزت دے دے
تلخیٔ مرگ بھی شیریں ہو وہ شربت دے دے
پری آئے نہ کہیں بادۂ جنت دے دے
جان ہونٹوں پہ ہے پیمانہ بہ عجلت دے دے
موج سے دیکھ کے اب خونِ جگر ہوتا ہے
خندۂ جام پہ ساقی میرا دل روتا ہے

(۱۲۷)

جوش زن کب سے ہے سینہ میں مئے حبِ ولا
جام دے جام کہ پھٹتا ہے کلیجہ میرا
اک نظر ڈال کے رندوں پہ اِدھر دیکھ ذرا
آنکھیں میری تجھے دکھلائیں گی عالم دل کا
رنگ اپنا کچھ الگ ہے تیرے مستانوں سے
عکس شیشہ کا نظر آئے گا پیمانوں سے

(۱۲۸)

دم نکلتا ہے چھلکتا ہے جو حوضِ کوثر
پٹریوں پر تو بچھے رکھے ہیں اتنے ساغر
ایک ان میں سے اُٹھا دے مجھے تو ہی بھر کر
ہاتھ پکڑے ہے ادب میرا اُٹھاؤں کیوں کر
شانِ مستانہ سے کوثر کی جو لہر آتی ہے
دل تڑپتا ہے طبیعت مری لہراتی ہے

(۱۲۹)

سُن چکیں دونوں سے جب ذکرِ گلستانِ جناں
لے کے ہمراہ وہاں آئیں شہِ دیں تھے جہاں
عرض کی آتے ہی حضرت سے کہ خواہر قرباں
دیکھنے کہتے ہیں یہ خلد کے باغ و بستاں
عید ہو جائے جو پروانۂ جنت مل جائے
بھائی ان دونوں کو میداں کی اجازت مل جائے

(۱۳۰)

کچھ مجھے بھی ہیں انہیں آپ سے بشیر نثار
کہتے ہیں خلد دکھایا کئے شاہِ ابرار
سَیر انصار نے کی رہ گئے یہ دل افگار
اب جناں دیکھے بغیر ان کو کب آتا ہے قرار
ننھے ننھے سے کلیجے جو پھٹے جاتے ہیں
جوش کوثر ہی کے رہ رہ کے انہیں آتے ہیں

(۱۳۱)

رہنا دنیا میں انہیں شاق ہے جینا ہے وبال
نام سے گلشن فردوس کے ہوتے ہیں نہال
دھن ہے جنت کی بندھا ہے انہیں کوثر کا خیال
دونوں رو رو کے کئے ڈالتے ہیں آنکھیں لال
شورہ اس امر کے آپس میں ابھی ہوتے تھے
آہیں بھرتے تھے کبھی اور کبھی روتے تھے

(۱۳۲)

اور سُنیئے ہوئے ماموں جو علمدار سپاہ
ہوئے بے تاب نشاں کے لئے یہ غیرتِ ماہ
دونوں دیکھا کئے رایت کو بصد نالۂ و آہ
کچھ نہ مجھ سے کہا دیکھی جو مری گرم نگاہ
بے محل بات اگر بولتے آفت کرتی
نام لیتے جو علم کا تو قیامت کرتی

(۱۳۳)

اس ارادہ پہ مگر ہو نہیں سکتی میں خفا
ہوتی ناراض بھی ضد ان کی جو ہوتی بے جا
آپ تک ذکر بھی میں آنے نہ دیتی اصلا
لیکن اب فرض ہوئی مجھکو سفارش بھیا
جائیں میداں میں یہ دل کی تمنا نکلے
ان کی ضد کیجئے تو ارمان بھی میرا نکلے

(۱۳۴)

شہؑ نے فرمایا کہ سمجھا میں تمہارا مطلب
روؤں ان دونوں کی فرقت میں یہ خواہش ہے اب
وہ تو ناداں ہیں مگر تم سے نہایت ہے عجب
زیب تم پر نہیں ماں ہو کے یہ کہنا زینبؑ
بس ستم گاروں سے معصوموں کا چل سکتا ہے
ڈھال تلوار کا بار ان سے سنبھل سکتا ہے

(۱۳۵)

عرض کی کون ہوں مَیں اُن کی مجھے دعویٰ کیا
وہی مختار ہے ہیں جس کی امانت بھیا
میری مرضی ہے وہی جو میرے خالق کی رضا
نہ رہے ماتا ٹھنڈی نہ رہے دل ٹھنڈا
کام اُمت کا بنے آپ کے صدقے ہو کر
میں تو خوش ہوں گی انہیں کی قسم اُن کو رو کر

(۱۳۶)

اپنے بچے بھلا ہوتے ہیں کسی کو دو بھر
جانور تک لئے رہتے ہیں پروں کے اندر
بھائی پیارے نہ تھے کیا زوجۂ مسلمؑ کے پسر
رن میں کیوں بھیج دیا کرلیا کیوں دل پتھر
حیف ہے غیر تو دولت کریں برباد اپنی
میں بہن ہو کے نہ صدقے کروں اولاد اپنی

(۱۳۷)

بخشیں کیں ہیں تو بس چاہیے فضلِ داور
لڑ کے یہ دونوں بھگا آئیں گے سارا لشکر
قوت و زور پہ موقوف ہے گر فتح و ظفر
ان کے نانا نے اُکھاڑا درِ خیبر کیوں کر
وہ مددگار تھا ہمت جو نہیں چھوڑتے تھے
گو کہ زانو سے سدا نانِ جویں توڑتے تھے

(۱۳۸)

بارور سمجھوں گی ان کو جو قلم ہوں یہ نہال
عید ہو جائے اگر شہؑ پہ ہوں قرباں میرے لال
سر کٹیں خون بہیں لاشے ہوں چاہے پامال
آنے پائے نہ مگر مہرِ امامت پہ زوال
روشنی آپ کی ہر سو ہے جہانِ رب میں
چار چاند آج اسی دم سے لگے ہیں سب میں

(۱۳۹)

ڈر کے لڑنے سے تو بشاش نہ یوں ہوتے کبھی
جنگ کے نام پہ خوش ہیں یہ امنگیں ہیں جبھی
کہنے پیاسے ہیں تو ہیں پیاس سے بے حال سبھی
ہاں کمک پر ہے کوئی کہ یہ کمسن ہیں ابھی
انہیں بچوں سے جوانانِ عرب زیر رہیں
جا کھڑے ہوں کہیں عباسؑ تو یہ شیر رہیں

(۱۴۰)

بولے عباسؑ یہ ہیں مکر و دغا سے غافل
اتنے انبوہ میں گھر کر ہے نکلنا مشکل
بچے ہیں دیکھ نہیں سکتے تڑپتے بسمل
میں لڑوں اور یہ کریں سیر کہ مضبوط ہو دل
اُڑتے سر گرتے ہوئے لاشے پہ لاشہ دیکھیں
دور سے پہلے کھڑے ہو کے تماشہ دیکھیں

(۱۴۱)

گو کہ یہ شاق ہے مجھ پر مگر اے عرش وقار
جز خموشی کہیں کر سکتا ہے عباسؑ انکار
یہ تو یہ کھول لیں گر آپ کمر سے تلوار
سر جھکانے کے سوا کیا ہو مجالِ گفتار
کاہشیں عین مسرت ہوں جو خورسند رہیں
دل پہ چھریاں ہی چلے آپ رضا مند رہیں

(۱۴۲)

شہؑ نے فرمایا کہ زینبؑ یہ نہیں ہونا ہے
سچ ہے تقدیر میں منہ آنسوؤں سے رونا ہے
جنگ میں بھیج کے ہاتھوں سے انہیں کھونا ہے
رونا کا ہے کا اسی کا تو ہمیں رونا ہے
چاند سی صورتیں یہ خاک میں مل جائیں گی
حشر تک دیکھنے میں پھر نہ کبھی آئیں گی

(۱۴۳)

رو کے کہنے لگیں بھائی سے بصد رنج و محن
بال بیکا جو ہوا آپ کا یا شاہِ زمن
دل میں کانٹے کی طرح کھٹکیں گے یہ غنچہ دہن
بس اسی سوچ میں مر جائے گی گھل گھل کے بہن
وہ تو دیکھوں گی خدا جو مجھے دکھلائے گا
اس طرح دل کو میرے صبر تو آ جائے گا

(۱۴۴)

حدیۂ شاہؑ کے قابل نہیں یہ لال اگر
ایک صدقے علی اکبرؑ پہ ہو اک اصغرؑ پر
ہوں یہ مقبول جو لونڈی کی ہو غربت پہ نظر
اب نہ اس امر میں کچھ کہیئے کہ ٹکڑے ہے جگر
کوئی خدمت نہ ہوئی ہائے یہ غم کھاتی ہوں
بار بار آپ سے کہتے ہوئے شرماتی ہوں

(۱۴۵)

کہہ کے یہ عونؑ و محمدؑ سے اشاروں میں کہا
یہی موقع ہے یہی وقت کرو عزمِ وغا
اپنے ماموں پہ تصدق ہو یہ مادر ہو فدا
کپڑے بدلو سجو ہتھیار کھڑے کرتے ہو کیا
ہو کے خوش جوش میں دلدادۂ جنت آئے
واں سے اُٹھ کے ہوئے تیار پہ عجلت آئے

(۱۴۶)

شہؑ کھڑے ہوگئے کہتے ہوئے بہتر بہتر
گاہ زینبؑ پہ نظر کی کبھی بچوں پہ نظر
کرکے تسلیم چلے ساتھ جو وہ رشکِ قمر
بیبیاں رونے لگیں شق ہوئے صدمے سے جگر
اشک رخسار تک جو آنے لگے بہہ بہہ کر
ماں نے منہ پھیرا خدا حافظ و ناصر کہہ کر

(۱۴۷)

ساتھ سیدانیاں تھیں نوحہ کناں برہنہ پا
بازوؤں پر شہؑ والا کے تھے یہ ماہ لقا
آئے ڈیوڑھی میں جونہی سبطِ رسولؐ دوسرا
بہرِ تعظیم در خیمہ کا پردہ اُٹھا
دی یہ ذرّوں نے صدا قبلۂ ایماں نکلا
جوشنین آج لئے کعبہ سے قرآں نکلا

(۱۴۸)

بچے خوش خوش تھے کہ اب دیکھیں گے باغِ جنت
آئے گھوڑے تو بڑھے ساتھ خوشی کے بہت
تشنہ لب جھک گئے تسلیم کو با صد عجلت
شہ دعا دینے لگے دونوں کو حسبِ عادت
لیکن انجام جو تھے پیشِ نظر ہونے لگے
کہتے ہی جیتے رہو جیتے رہو رونے لگے

(۱۴۹)

گھوڑے خادم کا بڑھاتا تھا بڑھے یہ جرار
یا علی کہہ کے بڑے نے کیا چھوٹے کو سوار
عون کو شہ نے کیا زینتِ پشتِ رہوار
باگیں بچوں نے جو لیں ہو گئے غازی ہشیار
سیرِ جنت کی جب اسواروں میں ہمت دیکھی
پتلیاں جھاڑ کے میدان کی وسعت دیکھی

(۱۵۰)

برق جولاں ہوئے باگوں کا اشارہ پا کر
دیکھتے رہ گئے شہ یاس سے بادیدہ تر
چھپ گئے اتنے میں آنکھوں سے جو وہ رشکِ قمر
پردۂ گرد پہ ٹھہری رہی تا دیر نظر
جو غبار اوج پہ تھا جب سرِ منزل بیٹھا
آہیں بھرتے ہوئے شہ بیٹھ گئے دل بیٹھا

(۱۵۱)

یوں لئے جاتے تھے سادھے ہوئے بچوں کو فرس
تاب کیا تھی کہ تک و دو میں بڑھے صوتِ جرس
کہتی تھی تیز روی آئے وہ جس جس کو ہوس
چل کے دوگام ہوا کرتی تھی جب کہتے تھے بس
دامنِ زیں کے نہ ہاتھ آنے کا دکھ سہتی تھی
نقشِ سم چومنے کو خاک بسر رہتی تھی

(۱۵۲)

ابر و باد و مہ و خورشید سے ہیں تیز فرس
برق ہوں اوج ہوا پر وہ سبک خیز فرس
ہیں عرق ریز فرس یا ہیں گہر ریز فرس
طبع نازک ہے نہیں لائقِ مہمیز فرس
پائے کیا تیز روی میں کوئی گھوڑا ان کو
شوقِ فردوس سواروں کا ہے کوڑا ان کو

(۱۵۳)

شور باجوں کا ہو تلواروں کی ہوں جھنکاریں
ڈر کے چمکیں نہ یہ بھڑکیں نہ یہ ہمت ہاریں
سخت و مضبوط وہ اعضا کہ جو تیغیں ماریں
وار اُچٹ جائیں کبھی گاہ ہوں دہری دھاریں
ایک چرکہ نہ لگے ان کے جو پہروں کٹ جائیں
ہاتھ الگ جھولیں جدا پھل ہوں تو قبضے پھٹ جائیں

(۱۵۴)

منہ سے کف گرتا ہوا غیظ میں سر ہلتے ہوئے
پیاری وہ تھوتھنیاں پھول تھے دو کھلتے ہوئے
طرزِ رفتار غزالوں میں بہت ملتے ہوئے
ہر طرارہ میں وہ سینے سے قدم ملتے ہوئے
ذہن تک ان سے نہ ہنگامِ روانی نکلے
ٹاپ اگر ماریں زمیں شق ہو تو پانی نکلے

(۱۵۵)

توسن اک ان میں کا تصویر تھا اک توسن کی
وہ حسین جن سے بڑھے زینت و رونق رن کی
آئینہ جلد سے تھی فربہی ان کے تن کی
یالیں بکھری ہوئی وہ اور وہ بٹیں گردن کی
طرزِ رفتار کے دکھلائیں اگر تن تن کر
بانہیں گردن میں پڑیں حوروں کی ہیکل بن کر

(۱۵۶)

موڑا چھوٹے نے جونہی رخش بڑے نے موڑا
بھائی کا ساتھ نہ بھائی نے کہیں پر چھوڑا
بجلیاں دو تھیں کہ گھوڑے کے برابر گھوڑا
ایک کی تیزیاں تھیں ایک کے حق میں کوڑا
نہ گماں ہوتی تھی سرعت کی فراوانی پر
پھول دوڑاتے تھے اک تختِ سلیمانی پر

(۱۵۷)

گونج کر کہتی تھیں ٹاپوں کی صدائیں ہر بار
دو دلیر آتے ہیں اے شام کے لشکر ہشیار
پاؤں جم سکتے نہیں ہاتھ ہیں ایسے تیار
خوں برسنے کو ہے ہوتی ہے دہائی کی پکار
سیر جنت کے لئے زیست سے سیر آتے ہیں
حملے عباسؑ سے سیکھے ہوئے شیر آتے ہیں

(۱۵۸)

ذکرِ جنت تھا کبھی جنگ کی باتیں باہم
چھوٹا کہتا تھا کہ اب دیکھیں گے فردوس کو ہم
ہوں گے واں جعفرِ طیارؑ بصد جاہ و حشم
ہوں گے حیدرؑ بھی وہیں اور رسولؐ اکرم
جن کو دیکھا نہیں ہم نے اُنھیں کیا جانیں گے
سبز حلوں سے بڑے ماموںؑ کو پہچانیں گے

(۱۵۹)

آنکھیں ہر ایک بچھائے گا جو پہونچیں گے وہاں
رستہ بتلائے گا ہر قصر و مکاں کا رضواں
کبھی ہوں گے حسنؑ سبز قبا کے مہماں
گاہ دادا کے یہاں ہیں کبھی نانا کے یہاں
ہم ہیں حقدار یہ نانی سے کہیں گے بھائی
قصرِ طیارؑ ہی میں جا کے رہیں گے بھائی

(۱۶۰)

ـ گے بشاش وہاں حضرت مسلمؑ کے پسر
ـتے ہوں گے کبھی کھاتے ہوئے جنت کے ثمر
ـ کے حیران نظر ہوگی کبھی طوبےٰ پر
ـتے ہوں گے نہ تسنیم کے منہ سے ساغر
سیر و سیراب کبھی پیاس کے مارے ہوں گے
جتنے انصار ہیں کوثر کے کنارے ہوں گے

(۱۶۱)

ـد اگر جعفرِ طیارؑ کے ہو سیر وہاں
ـی اوج پہ ہو دیکھ لیں ہر قصر و مکاں
چھپے پھر تو کوئی باغ نہ کوئی بستاں
عجائب نظر آئیں کہ خرد ہو حیراں
ان کے اشتاق جو ہوں دور یہ غم ہوں بھائی
ایک بازو پہ ہو تم ایک پہ ہم ہوں بھائی

(۱۶۲)

ـلیں گے جو ٹہلتے سوئے حوضِ کوثر
پکاریں گے ہمیں پیار سے نانا حیدرؑ
پھیلا کے کہیں گے کہ ادھر آؤ ادھر
ـگے سب راستہ اُٹھ جائے گی مجمع کی نظر
حشر تک پھر نہ لگے پیاس وہ بادہ دیں گے
کربلا کے جو ہیں پیاسے تو زیادہ دیں گے

(۱۶۳)

کیسی باتیں ہیں یہ چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا
سیر و تفریح کا اس وقت بھلا ذکر ہی کیا
کیسے جنت کے ثمر بادۂ کوثر کیسا
یہ نہیں دھیاں کہ ہیں تشنہ گرسنہ آقا
معرکہ پیش جو ہے اس کا کوئی ذکر نہیں
کس طرح نہر پہ قبضہ ہو یہ کچھ فکر نہیں

(۱۶۴)

سیر کا آب و غذا کا ہے ابھی ذکرِ حرام
چاہیئے پہلے تو فکرِ مددِ شاہِؑ انام
تھوڑے ہی دیر میں آتا ہے وغا کا ہنگام
یہ بتاؤ کہ وہاں جا کے کروگے کیا کام
کس طرح فوجِ جفا کار پہ حملہ ہوگا
طے یہ کرنا تھا کہ اندازِ وغا کیا ہوگا

(۱۶۵)

ہیں سپاہی کے یہ جوہر کہ نڈر ہو کے لڑے
پھرتی اور تیزیوں میں مثلِ نظر ہو کے لڑے
چھاؤں میں تیغوں کی بےخوف خطر ہو کے لڑے
ہم ہیں دو ایک سے اک سینہ سپر ہو کے لڑے
وار ایسے ہوں کہ دنگ اہلِ ستم ہوجائیں
نرغۂ اعدا کا بڑھے جب تو بہم ہوجائیں

(۱۶۶)

ـنگ ہو دونوں طرف جب تو یہ ہمت ہاریں
ـخوں کے فوارہ کہیں ہوں کہیں چھوٹیں دھاریں
ـپار سو دھاک بندھے اُٹھ نہ سکیں تلواریں
ـتم سے بچ کر جو نکل جائے اسے ہم ماریں
نہ کھلے زخموں سے دو روز کے پیاسے ہیں یہ
ضربتیں کہہ دیں کہ حیدرؑ کے نواسے ہیں یہ

(۱۶۷)

ـہوگی راحت بھی ہے کچھ دیر مصیبت سہنا
ـات رہ جائے گوارہ ہے لہو کا بہنا
ـم رہیں میمنہ پہ میسرہ پر تم رہنا
ـد پہ آجائے بنِ سعد تو پھر کیا کہنا
کچھ بنا سکتا نہیں حاکم خود سر اپنا
مار لیں اُس کو تو ہو جائے یہ لشکر اپنا

(۱۶۸)

ـلے کے پھر فوج چلیں یاں سے شہنشاہِؑ امم
ـدھیاں بیمار کی راحت کا ہو ہر ایک قدم
ـملیں بیبیوں کی ساتھ ہوں با جاہ و حشم
گھیر لیں جاتے ہی واں قصرِ یزیدِ اظلم
تیغ سے دو مجھے جور و ستم کر ڈالیں
سر شقی کا سرِ دربار قلم کر ڈالیں

(۱۶۹)

مملکت کوفہ کی اور شام کی ہو زیرِ نگیں
زیب سر تاج ہو اور تخت پہ ہوں سرورِؑ دیں
جتنے باغی ہوں رسن بستہ کھڑے ہوں وہ لعیں
سر حاکم ہو لڑھکتا ہوا بالائے زمیں
قید ظالم نے کیا ہو جنھیں آزاد کریں
مطمئن ہو کے وطن اپنا پھر آباد کریں

(۱۷۰)

دیکھو رہ رہ کے چمکتا ہے سنہری وہ کلس
لڑتے بھڑتے ہوئے اُس خیمہ پہ ہم جاپڑیں بس
ہوگا سو ہاتھ وہیں پر وہ سگِ حرص و ہوس
جاتے ہی قتل کریں دیر نہ ہو ایک نفس
ماریں ایک ہاتھ کوئی بہرِ مدد آئے اگر
فتنے پھر سب ہوں فرو شر بھی مل جائے اگر

(۱۷۱)

رن قریب آگیا گھوڑوں کی ہوئی کم رفتار
بھائی نے دوسرے بھائی سے کہا ہاں ہشیار
الغرض پہونچے جو لشکر کے مقابل جرّار
رک گئے دیکھ کے میداں کی حدیں خود رہوار
دل بڑھے بچّوں کے تیغوں کو جو عریاں دیکھا
جھوم کر شیروں نے نیزوں کا نیستاں دیکھا

(۱۷۲)

باجے بجتے ہی علم کھولے سیہ کاروں نے
تیر جوڑے صفِ لشکر میں کمانداروں نے
ہاتھ ڈھالوں پہ بڑھایا ادھر اسواروں نے
اونچے سر کر کے سپر کردئے رہواروں نے
ظلم ملعونوں کے جب حد سے سوا بڑھنے لگے
بس ہوا نعرۂ شیرانہ رجز پڑھنے لگے

(۱۷۳)

دونوں یوں کرتے تھے اظہار حسب اور نسب
نام دادا کا ہے جعفرؑ تو ہے طیار لقب
اور نانا ہیں علیؑ فخرِ عجم مہرِ عرب
ماموں وہ جن کو سمجھتے ہیں امامؑ اپنا سب
فاطمہؑ نانی ہیں جو سیدۂ عالم ہیں
ماں وہ ماں صبر و تحمل میں جو اب مریم ہیں

(۱۷۴)

کرتا ہے صبر کی تصدیق ہمارا آنا
چلتے چلتے ہمیں ہر بار یہی سمجھانا
راہِ معبود میں سر دینا فدا ہو جانا
حرفِ شکوہ کا زباں پہ نہ مگر تم لانا
ذکر کچھ بھوک کا اور پیاس کی شدت کا نہ ہو
دھیان ہو بھی تو شہادت کا جراحت کا نہ ہو

(۱۷۵)

اپنی جرأت کا بیاں اپنی زباں سے ہے فضول
دھیان یہ بھی ہے کہ ہو جائے نہ تقریر کو طول
رن میں ہم آئیں ہیں بہر مدد سبطِ رسولؐ
سر اُڑیں وار چلیں داد شجاعت ہو حصول
کفر تیغوں سے مٹاتے رہے اجداد اپنے
اتنا کافی ہے کہ عباسؑ ہیں اُستاد اپنے

(۱۷۶)

تھا جو خیمے میں ابن سعد لعین خودسر
پیک پر پیک ہر اک امر کی دیتا تھا خبر
شمر موجود تھا اور چند تھے فوجی افسر
مشورے مکر کے کرتے تھے بہم بانیٔ شر
دل بڑھاتا تھا شقی سب سے یہی کہہ کہہ کے
ختم ناصر ہوئے اب کچھ ہیں یگانے شہؑ کے

(۱۷۷)

شمر کہتا تھا کہ ختم آج ہو جنگ ہے اُسے یاس
تو بھی کر سکتا ہے بچوں کی لڑائی سے قیاس
فتح آسان نہیں جیتے ہیں جب تک عباسؑ
نام سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جاتے ہیں حواس
یاد رکھ یاد جبھی ختم لڑائی ہوگی
بھائی اور بھائی میں جس وقت جدائی ہوگی

(۱۷۸)

ابھی کہہ سکتا نہیں کوئی کہ کیا ہو انجام
بگڑیں عباسؑ تو کٹ جائے یہ سب لشکرِ شام
شہؑ اکیلے رہیں تب جان لڑائی ہے تمام
لوں گا پھر کار گزاری کے موافق انعام
خنجرِ ظلم و ستم پیاسے پہ میں تولوں گا
سر قلم کرکے شہِ دیں کا کمر کھولوں گا

(۱۷۹)

اتنے میں پیک نے ملعون سے آکر یہ کہا
بچے دو آئیں ہیں میدان میں اب بہر وغا
حوصلہ پست ہے ہیبت سے جوانمردوں کا
ملتا ہے نعرۂ شیرانہ سے جرأت کا پتا
ایک صف دوسری میں کانپ کے جا ملتی ہے
یوں رجز خواں ہیں کہ مقتل کی زمیں ہلتی ہے

(۱۸۰)

کثرتِ فوج کا کچھ خوف نہ اندیشۂ جنگ
جنھیں ایسی ہیں بچوں کی جواں ہوتے ہیں تنگ
سر ہتیلی پہ لئے دل میں ہے لڑنے کی امنگ
ضبط یہ غیظ میں کیجے سبقت کرنے کو تنگ
آ پڑیں گے تو ہر اک بہر اماں ترسے گا
خوں آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو برسے گا

(۱۸۱)

ایک تو قلب پہ تھا شمر کی باتوں کا اثر
دوسرے پیک نے آکر جو سنائی یہ خبر
رنگِ رخ اڑ گیا ظالم کا ہوا دل مضطر
سب سے کہنے لگا کیا کیجئے کیوں کر ہو مفر
شمر نے اُٹھ کے کہا کچھ نہیں میں جاتا ہوں
باتوں ہی باتوں میں بچوں کو ابھی لاتا ہوں

(۱۸۲)

الغرض آگیا اس شان سے وہ بد کردار
آگے خود پیچھے تھے گردان قوی تن دو چار
اک نظر دیکھ کے دونوں کو یہ بولا مکار
ابھی بچے ہو تمھیں دشتِ وغا سے سروکار
کھیل سمجھے جو پئے جنگ و جدل آئے ہو
شہؑ نے بھیجا ہے کہ تم خود سے نکل آئے ہو

(۱۸۳)

تجربہ کار کا ہے کام جوان ہو کہ مُسن
قلتِ فوج نے افسوس دکھایا یہ دن
ورنہ آتے نہیں میدان میں ایسے کمسن
خیر یوں قتل و مصیبت سے اماں ہے ممکن
یاں کے جراروں کے تلواروں کے جوہر دیکھو
رقصِ بسمل کا تماشہ ادھر آ کر دیکھو

(۱۸۴)

رحم ماں باپ پہ لازم ہے تو بچپن پہ ترس
ہمہمہ فوج کے سُن کر نہ رہے گی یہ ہوس
گھیریں گے بڑھ کے بہادر تو نہ ہوگا کوئی بس
منہ کے بھل آرہو گے ڈر کے جو بھڑکیں گے فرس
ساتھ دیتا ہے اگر ساتھ بھی یوں دیتا تم
قیدِ ناموس ہوں جب خیر خبر لیتا تم

(۱۸۵)

طبل جنگی کی صدا ہوگی جونہی چرخ سے پار
تیر سر ہوں گے تو ہر صف میں کھنچے گی تلوار
موجزن دیکھو گے جب بحرِ فنا کا ذخار
سہم کر گھر کی طرف بھاگنا ہوگا دشوار
ہوگی اک لمحہ میں خونی جو ہوا مقتل کی
ہیبت اس وقت سوا ہوگی پھر اس جنگل کی

(۱۸۶)

یہ وہ میداں ہے جہاں ہوتی ہے خوں کی بوچھار
دل کو دہلاتی ہے اودھڑ سپروں کی ہر بار
پیچھے سرکاتے ہیں جب بھالوں کی نوکیں خونخوار
تھمنا ہو جاتا ہے ثابت قدموں کو دشوار
ننگی تلواریں چمکتی ہوئی جب آتی ہیں
آنکھیں پھر شیر دلوں کی بھی جھپک جاتی ہیں

(۱۸۷)

رختِ ہستی کا یہاں ہوتا ہے تلواروں سے چاک
زرہ بن جاتے ہیں پی پی کے لہو ہیبتناک
حسرتیں مٹتی ہیں ہوتے ہیں جب ارماں تہِ خاک
وہ بھی خوں روتے ہیں سفاک سے جو ہیں سفاک
ایسی پُرہول جگہ تم کو نہ بھیجا ہوتا
وقتِ بد بچ ہے نہیں کوئی کسی کا ہوتا

(۱۸۸)

دھیان یہ ہے کہ ابھی کیا ہے تمہارا سن و سال
صورتیں دیکھ کے انجام کا آتا ہے خیال
یہ کہے دیتا ہوں اچھا نہیں لڑنے کا مآل
فوج کے گھوڑوں سے ہو جائیں گے لاشے پامال
اس طرف آؤ تو خلعت بھی ہے انعام بھی ہے
آب و دانہ بھی ہے راحت بھی ہے آرام بھی ہے

(۱۸۹)

کہا دونوں نے بصد غیظ کہ چپ نا ہنجار
دیتا ہے رحم نما ہم کو فریب او مکار
بدگماں ہوں گے نہ ہم سرورِ دیں سے زنہار
کم ہے قوت میں وہ کونین کا جو ہے مختار
دی ہے اللہ نے یہ ہمت و جرأت اُن کو
ساتھ جو ہیں نہیں اُن کی ضرورت اُن کو

(۱۹۰)

تو سمجھتا ہے حسینؑ آئے لڑائی کے لئے
بے غلط آئے ہیں وہ وعدہ وفائی کے لئے
قید ہیں زند میں اُمت کی رہائی کے لئے
چپ کے ہیں صبر کی دنیا پہ خدائی کے لئے
قصہ تم سب کا جو چاہیں تو ابھی پاک کریں
ذرّے بے حس بھی اُٹھ اُٹھ کے تہِ خاک کریں

(۱۹۱)

یہ وہ صابر ہیں کہ وقت آئے جو اس سے بھی کڑا
ایک ناصر نہ ہو تنہا ہوں شہنشاہِ ہدا
لہریں لیتا ہوا ہو سامنے دریائے فنا
جب بھی یوں پار کریں کشتیٔ اُمت بخدا
موت سے پہلے کریں ٹکڑے دلِ مضطر کو
ڈال دیں گود میں موجوں کی علی اصغرؑ کو

(۱۹۲)

ہے جو انعام کے ملنے کا سہارا تجھکو
ظلم و بدعت ہے شہِ دیں پہ گوارا تجھکو
سامنے زر کے خدا تک نہیں پیارا تجھکو
ہم پہ آئے گا ترس او ستم آرا تجھکو
رحم کیا چیز ہے تجھ عہد شکن کے آگے
سر قلم بھائی کا کر ڈالے بہن کے آگے

(۱۹۳)

ہم کو جنت کے تصور میں نہ ہے بھوک نہ پیاس
سیر و سیراب ہے تو گم ہیں مگر ہوش و حواس
گود میں جن کی پلے اُن کا نہ ہوگا ہمیں پاس
جیسا ناپاک تیرا نفس ہے ویسا ہے قیاس
خاک پر لوٹتے اپنے جگر و دل دیکھیں
رقصِ بسمل کا تماشا اِدھر آ کر دیکھیں

(۱۹۴)

ہول آتا ہے تیری آنکھ سے او ہمرِ لعیں
نکلی جاتی ہے شقی پاؤں کے نیچے سے زمیں
بگڑی بیڑی اُتروائی تھی جس نے بے دیں
وہی بے کس ہے یہ مظلوم کوئی اور نہیں
قید سے تجھ کو چھڑایا تھا اسی دن کے لئے
کیا یہ خنجر بھی ہے شمرؔ سے محسن کے لئے

(۱۹۵)

چاہیئے تھا کہ سمجھتا انہیں اپنا سرتاج
پانی بھجواتا کہ بدلہ ہو اُس احسان کا آج
کیا کرے تو حسد و بغض ہے افتادِ مزاج
کوششیں یہ ہیں کہ گھر جلد ہو ان کا تاراج
جادۂ حق پہ جو چلتے ہیں انہیں ٹوکتا ہے
خود تو خود ہم کو بھی نصرت سے شقی روکتا ہے

(۱۹۶)

تجھ سا شیطان رہے رحمتِ یزداں سے الگ
ہو بھی سکتے ہیں کہیں کعبۂ ایماں سے الگ
کس طرف جائے ہوا ہو کے سلیماں سے الگ
آیتوں کو کہیں قرآن جو ہوں قرآں سے الگ
وصف اضافی جو ہیں کچھ مرتبہ افزوں تر ہے
سنگِ اسود میں ہے کیا ایک سیاہ پتھر ہے

(۱۹۷)

جو کہ شہزادیاں کونین کی ہوں او بے پیر
پردہ داری کرے جن بیبیوں کی ربِ قدیر
اُن کے بارے میں سرِ معرکہ ایسی تقریر
کر بھی سکتا ہے کوئی آلِ محمدؐ کو اسیر
ہیں نبیؐ زادیاں آگاہ ہے دنیا ان سے
وہ ہو بے پردہ زمانے کا ہو پردہ جن سے

(۱۹۸)

جنگ کا ہے یہی دستور اگر تیرے یہاں
جسم پامال ہوں یہ سر بھی ہوں بالائے سناں
پیاسے مقتولوں کی ہو سب سے جدا شوکت و شاں
ٹکڑے تلواروں سے ہوں نعلوں کے گہرے ہوں نشاں
شیر ہیں فوجِ حسینیؑ کے یہ سب جان تو لیں
ہاشمی لاشوں کو ان حملوں سے پہچان تو لیں

(۱۹۹)

شوقِ فردوس میں دیکھا ہے جو میدانِ وغا
ہیں امنگیں کہ ہو گلنار لہو سے جامہ
جوش بڑھ جائے گا خونی ہے اگر رن کی ہوا
بند ہو آنکھ کہیں آئے تو کوئی جھونکا
طائرِ روح میں پرواز کی قوت ہو جائے
زحمتِ ہستی جو اتر جائے تو راحت ہو جائے

(۲۰۰)

باتوں سے راستا کھوٹا نہ کر او عہد شکن
دیکھنے جا رہے ہیں خلدِ بریں کے گلشن
لڑ کے مر جانا ہے میدان میں سپاہی کا چلن
آج تلواروں کی چھاؤں میں کٹے گا بچپن
ساتھ حلقوم کے یہ وقت بھی کٹ جائے گا
ہم کو لینے درِ جنت پہ شباب آئے گا

(۲۰۱)

ہم نہیں جانتے رن کیا کہاں کا میداں
سیدھا رستا تھا یہی اس لئے آ گئے ہیں یہاں
برسے خون آبِ دمِ تیغ کا اُٹھے طوفاں
اب تو نکلے ہیں کہ دیکھیں گے گلستانِ جناں
ہے سماں خلد کا کیوں فکر ہو دکھ سہنے کی
سر نہ کٹنے کی خبر ہوگی نہ خون بہنے کی

(۲۰۲)

خوف کیا لڑنے میں پیروں سے جوانوں سے ہمیں
پار بیڑے ہیں یہ کھلتا ہے نشانوں سے ہمیں
مژدہ کچھ سنتا ہے تیروں کی زبانوں سے ہمیں
خلد کے در نظر آتے ہیں کمانوں سے ہمیں
کیوں ڈریں تیغوں کی ہم تک جو چمک آتی ہے
جنتی ہیں رہِ جنت نظر آ جاتی ہے

(۲۰۳)

ہم تو ہیں پایۂ رکاب اور ہیں ٹھہرے کوئی دم
روشِ باغِ جناں گھوڑوں کے ہے زیرِ قدم
ہاتھوں دل بڑھتے ہیں جب دیکھتے ہیں تیروں کو ہم
کہ بلاتی ہیں اشاروں سے وہ حورانِ ارم
جوش آتا ہے پھریرے جو یہ لہراتے ہیں
نہرِ کوثر کی طرف دیکھ کے رہ جاتے ہیں

(۲۰۴)

ہوں گھرے لاکھ سنانوں میں تو ہمت نہ ہرے
سر کٹیں تن سے اگر نخلِ تمنا ہوں ہرے
رہنا دنیا میں نہیں کل نہ مرے آج مرے
شاد ہوں خون اگر نیزوں کی نوکوں میں بھرے
دل کے سربستہ جو غنچے ہیں کھلے جاتے ہیں
گُل فردوس سرِ شاخ نظر آتے ہیں

(۲۰۵)

خون کا پیاسا جو تلواروں کو ہم دیکھتے ہیں
رگِ گردن کے قریں باغِ ارم دیکھتے ہیں
ہیں جو دنیا میں بہم شادی و غم دیکھتے ہیں
ایک جنت میں تو اک رن میں قدم دیکھتے ہیں
گو کہ ہیں درد دوا شاق مگر جینا ہے
حالِ انجامِ مصیبت کا سب آئینہ ہے

(۲۰۶)

ہاں بڑھو کی ہے صدا طبل سے آنے والی
قدِ آدم ہو گھٹا ڈھالوں کی کالی کالی
چار سو ذرّوں کے رخساروں پہ آئے لالی
رنگِ خوں کھیلا ہے بچوں نے ہو سب پر حالی
شان ہو غازیوں کی یوں سوئے حیدرؑ پہونچیں
تیغ کے گھاٹ اتر کے لبِ کوثر پہنچیں

(۲۰۷)

ڈر سپاہی کو نہیں پاس ہو گھوڑا تلوار
کم حقیقت ہے نگاہوں میں یہ لشکرِ جرار
زیرِ راں ہیں عربی دونوں کے دونوں رہوار
ہم ہیں بچے تو ہمارے یہ فرس ہیں ہشیار
جان سے پیارا سمجھتے رہے بچپن سے ہمیں
گرتے ہوں تو سنبھالیں گے یہ گردن سے ہمیں

(۲۱۱)

جن کی تعریف ہو منبر پہ ہیں ممتاز ایسے
دینِ احمدؐ کا بچائیں گے سر افراز ایسے
کربلا آئے مدینے سے قدم باز ایسے
بادشاہوں کے بھی گھوڑوں کے نہیں ساز ایسے
زینتِ پشتِ مجاہد ہیں شرف تھوڑے ہیں
جن پہ حیدرؑ کے نواسے ہیں یہ وہ گھوڑے ہیں

(۲۱۲)

سیر نیزوں کے نیستاں میں ہیں جرّار فرس
آئے گر منہ کے قریں چاب لیں تلوار فرس
ہیں دمِ جنگ مجاہد کے مددگار فرس
کیوں نہ ہوں خطۂ اسلام کے پرکار فرس
آلِ احمدؐ کی رفاقت سے نہ منہ موڑیں گے
دائرۂ دینِ مبین کا نہ کبھی چھوڑیں گے

(۲۱۳)

ہیں غریب ایسے کہ ہم کھیلا کئے بچپن میں
یال میں لٹکے کبھی جھولے کبھی گردن میں
ہے تمیز ان کو مگر دوست میں اور دشمن میں
زین ہی چھوئے کوئی ہے تو بہت سے رن میں
مسکنِ اصطبلِ شہنشاہِ مدینہ ان کا
پاک کوثر سے زیادہ ہے پسینہ ان کا

(۲۱۴)

دل کی قوت ہیں وہ تلواریں ہیں یہ زیبِ کمر
لڑتے تھے جن سے کہ اک ساتھ جنابِ جعفرؑ
ہوتی تھی وقتِ وغا ایک یہ اک سینہ سپر
آج ہم دونوں کے ہاتھوں سے کھلیں گے جوہر
پانی ایسا کہ یہاں خون کا دریا ہوگا
نہر کے گھاٹ پہ ان تیغوں سے قبضہ ہوگا

(۲۱۵)

دھاریں ایسی کہ بندھا رشتۂ ایماں جن سے
کفر پسپا ہوا مانا گیا قرآں جن سے
قبضے وہ لپٹی رہی رحمتِ یزداں جن سے
گھاٹ وہ گھاٹ اُٹھے نوحؑ کو طوفاں جن سے
ہیں بلا تیغ انہیں ہنگامِ روانی نہ کہو
آبِ گوہر غضبِ حق کہو پانی نہ کہو

(۲۱۶)

زندگی جن سے ہے اسلام کی دم ہیں ان کے
کہیں محرابِ حرم جن کو وہ خم ہیں ان کے
ہاشمی ہاتھوں سے یہ اوج و حشم ہیں ان کے
لوحِ محفوظ پہ سب کام رقم ہیں ان کے
معرکوں میں جو یہ چلتی رہیں ایمان رہا
چھاؤں میں آج تک ان تیغوں کی قرآن رہا

(۲۱۷)

خون سادات کا جن میں نہ بھرا وہ تیغیں
کاٹا اب تک نہ مسافر کا گلا وہ تیغیں
جن کے دامن سے ہے وابستہ قضا وہ تیغیں
کبھی چلتی نہیں بے حکمِ خدا وہ تیغیں
رشتۂ کفر کٹے جن سے یہ وہ دھاریں ہیں
جو ہیں لشکر میں شہِ دیں کے وہ تلواریں ہیں

(۲۱۸)

پاتے ہیں مملکتِ ظلم پہ قابو ان سے
پھیلی ہے عدل کی انصاف کی خوشبو ان سے
نہ مزیّن ہوئے شاہوں کے بھی پہلو ان سے
بھوکے پیاسوں کی بڑھی قوتِ بازو ان سے
مال و دولت کے لئے رن میں نہیں آتی ہیں
کفر و اسلام کی حجت پہ یہ کھنچ جاتی ہیں

(۲۱۹)

دھار وہ کاٹ وہ ہوں جن بھی گریزاں جس سے
ابر وہ ابر کہ شرمندہ ہو نیستاں جس سے
آب وہ خشک ہوا کفر کا عمان جس سے
روشنی وہ نظر آئی رہِ ایمان جس سے
بے رضائے شہِ دیں کھنچنا ہے دشوار ان کا
شرکتِ نفس سے ہے پاک ہر اک وار ان کا

(۲۲۰)

رن میں جب کھنچتی ہیں ہوتی ہے لہو کی بوچھار
دینِ احمدؐ کی سپر میں ہے عبادت ہر وار
دھاریں وہ دھاریں جو ہیں جادۂ خونِ کفار
گھاٹ وہ جس سے کہ اسلام کا بیڑا ہوا پار
تیغیں وہ منحرفِ حق ہوئے دشمن جن کے
ہے چراغِ رہِ ایماں تہِ دامن ان کے

(۲۲۱)

کرتی ہیں نقد ہرن چل کے یہ مہ نوشوں میں
خوف سے ان کے لعیں چھپتے پھرے گوشوں میں
حق پرستی کا خمیر اس لئے ہے جوشوں میں
طفلِ اسلام بڑھا ان کے بھی آغوشوں میں
کربلا میں یہ شرف آج انہیں مل جائے گا
چومنے قبضوں کو ایماں کا شباب آئے گا

(۲۲۲)

تاؤ پیچ آیا جو مردود کو سن کر یہ کلام
سرخ چہرہ ہوا ناری کا تو کانپا اندام
گیا کہتا ہوا غصے میں سوئے لشکرِ شام
نہ کہا ماننے کا خیر ابھی دیکھو انجام
جاتے ہی کی جو خبر منحرفِ داور کو
غیظ میں اس نے دیا حکمِ وغا لشکر کو

(۲۲۳)

بے دھڑک طفل انہیں جان کے بے پیر آئے
لعینے حیران ہوئے صورتِ تصویر آئے
چار جانب سے لعیں کھینچ کے شمشیر آئے
تازیانے ہوئے گھوڑوں کو جونہی تیر آئے
صیحہ اک مارا تو نتھنے بغضب چڑھنے لگے
منہ سے کف گرنے لگا اگلے قدم بڑھنے لگے

(۲۲۴)

باگیں ہاں کہہ کے کہیں ہٹ گئے پیچھے رہوار
گردنیں تھپکیں سنبھل بیٹھے بعجلت جرّار
کھینچ لیں کاٹھیوں سے دونوں نے تیغیں یکبار
مے کشوں جاموں سے اُبلی مئے کوثر ہشیار
رن میں اب پینے پلانے کی بہار آئی ہے
خون برسنے کو ہے ڈھالوں کی گھٹا چھائی ہے

(۲۲۵)

وہ چھلکیں بادہ جو ہے بادۂ عرفانِ خدا
جس کے ہر قطرہ سے آتی ہے نظر شانِ خدا
جس کے پینے سے بڑھی وقعتِ فرمانِ خدا
مے وہ مے جس کے کہ مانا گیا قرآنِ خدا
جو محمدؐ کی رسالت کے لئے تاج ہوئی
نشہ جب اور بڑھا عرش پہ معراج ہوئی

(۲۲۶)

جس کی ہر بوند ہے پاکیزہ و دُرریز وہ مے
رنگ جس کا ہے ائمہ کا دل آویز وہ مے
نشہ کو جس کے رسولوں نے کہا تیز وہ مے
بادۂ حُبِّ علیؑ جس میں ہے آمیز وہ مے
جب تک اس کی نہ ہو شرکت مے عرفاں نہ بنے
دردِ عصیاں کی دوا درد ہو درماں نہ بنے

(۲۲۷)

جس کی تلچھٹ کو کہیں آبِ بقا وہ بادہ
نشہ جس بادہ کا ہے صبر و رضا وہ بادہ
روح اپنی جسے سمجھے مصطفٰی وہ بادہ
جس کو پیتا تھا نصیری کا خدا وہ بادہ
بڑھ گیا کیف محمدؐ کے جو بستر پہ پیا
کعبہ کعبہ ہوا جب دوشِ پیمبرؐ پہ پیا

(۲۲۸)

نام جس بادہ کی مستی کا ہوا ہشیاری
پاک وہ رحمتِ معبود نے کی خماری
نشہ جس کا ہوا خاصانِ خدا میں ساری
دور چلتا رہا پیتے رہے باری باری
روشن اس بادہ کی توقیر زمانے پہ ہوئی
انتہا پینے کی احمدؐ کے گھرانے پہ ہوئی

(۲۲۹)

کھول اے رحمتِ معبود درِ میخانہ
ختم جو دور ہوا اس کا چلے پیمانہ
بزم ساقی کی ہے مستوں کا ہو کچھ افسانہ
مے پرستوں کی ادا دیکھ لے ہر مستانہ
اس کی قدرت کا نمونہ ہو وہ پیمانہ ہو
جام میں جام ہو میخانے میں میخانہ ہو

(۲۳۰)

یہ سمجھتا ہوں کہ مرے پینے کی ہے مشتاق
دور بھی ہوگا طبیعت کو نہ ہوگی ناچاقی
کرم و لطف سے کوئی نہ رہے گا باقی
جلوہ افروز اسی بزم میں ہوگا ساقی
قبل پینے کے سب آئینِ طریقت دیکھیں
مئے عرفاں کے خریداروں کی حالت دیکھیں

(۲۳۱)

پاؤں تھرّا رہے ہیں زرد ہیں رخ حال تباہ
منہ پھیرائے ہوئے دنیا سے ہیں چہرے ہیں گواہ
سجدہ کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں سبحان اللہ
درِ میخانۂ رحمت پہ ہر اک کی ہے نگاہ
صورتیں نور کی پیوند گلے جامے ہیں
گھٹنے ہاتھوں پہ ہیں باندھے ہوئے عمامے ہیں

(۲۳۲)

چشمِ مستانہ کا بادہ جو تماشائی ہے
رنگ بو سے جام سے پھوٹا ہے بہار آئی ہے
خوف عزت ہے نہ اندیشۂ رسوائی ہے
ساتھ قرآن ہے رحمت کی گھٹا چھائی ہے
نور معبود جو ہے جلوہ نما سینے میں
ایک پر اک سبقت کرتا ہے مے پینے میں

(۲۳۳)

دور چلتا ہی رہے بیٹھے ہیں کرکے بھی طے
ہاتھ اُٹھایا جو ہوئی زحمتِ دنیا کوئی شئے
خاتمِ عیش بہا دے کے لیا ساغرِ مے
نہ چھٹی فاقہ پہ فاقہ بھی کئے پے در پے
قرض سے عار ہوئی قیمتِ ساغر دے دی
نہ رہا کچھ تو سرِ پاک کی چادر دے دی

(۲۳۴)

خوبیاں بھرتی ہیں یوں بادہ کی تاثیروں میں
کوئی تلواروں میں پیتا ہے کوئی تیروں میں
کیف اللہ کی باتوں کا ہے تقریروں میں
پی رہا ہے کوئی جکڑا ہوا زنجیروں میں
مدّتِ قید یونہی عمرِ رواں کی کاٹی
موت نے جام لیا پاؤں کی بیڑی کاٹی

(۲۳۵)

کچھ نہیں لیتے زمانے کے مظالم کا اثر
گھر لٹے آگ لگے منہ سے نہ چھوٹے ساغر
تازیانے بھی پڑیں ہوتی نہیں ان کو خبر
کام پینے سے ہے نیزہ پہ چڑھ جائے کوئی سر
کوئی پروا نہیں بے آب جو قربانی ہے
جام ہونٹوں پہ ہے اور آیتِ قرآنی ہے

(۲۳۶)

شوقِ بادہ میں ہے دنیا کی مصیبت آرام
رخ نہیں کرتے جو گھر بھر میں بپا ہو کہرام
رسّی گردن میں بندھے کھینچنے کو ہے بد انجام
سرخ آنکھیں ہیں رگیں پھولی ہیں ہونٹوں پہ ہے جام
جمع دشمن ہیں تماشہ ہے بھرا رہتا ہے
گھونٹ اتر جاتے ہیں جوں جوں کہ گلا کٹتا ہے

(۲۳۷)

ساقیا رحمتِ حق نفسِ خدا ساغر دے
اسی بادہ کا مجھے جام سرِ منبر دے
بڑھ گئی آج کھٹک زخم زباں کے بھر دے
چپ رہا تیرے سہارے پہ تسلی کر دے
جوشِ خوں جوش سے بادہ کے عیاں ہے ساقی
دود ہے کہ میرے دل کا دھواں ہے ساقی

(۲۳۸)

آئی تکبیر کی آواز چلی وہ تلوار
فوج کی بھیڑ چھٹی خون میں ڈوبے خوں خوار
دم بدم میمنہ و میسرہ پر کرتے تھے وار
قلب میں آتے ہی ہو جاتے تھے اک دل جرّار
تیغ کے بھیس میں اعدا کی اجل آئی تھی
خوں کا مینہ پڑتا تھا ڈھالوں کی گھٹا چھائی تھی

(۲۳۹)

رن میں ہر سمت جو برسا رہی تھیں سر تیغیں
نہ علم کرتے تھے دہشت سے فسوں گر تیغیں
دم نہ تھا کانپتی تھیں خوف سے تھر تھر تیغیں
کہ اُٹھا سکتی نہ تھیں ضرب کا لنگر تیغیں
دو بدو ہونے میں کڑیاں جو سوا ہوتی تھیں
قبضہ رہتا نہ تھا قبضے سے جدا ہوتی تھیں

(۲۴۰)

سرخ میدان تھا بہتا تھا لہو چار طرف
خوں میں ڈوبے ہوئے چھپتے تھے عدو چار طرف
تھے لڑھکتے ہوئے سر مثلِ سبو چار طرف
کہتی تھی رن کی ہوا فاتحِ رو چار طرف
بھائی کو بھائی مصیبت کی گھڑی چھوڑتا تھا
باپ منہ موڑتا تھا بیٹا جو دم توڑتا تھا

(۲۴۴)

نعرے دونوں کے تھے اودھر لعیں سامنے آ
گرم میدان ہے خون ریز ہے مقتل کی ہوا
دھمکیاں دے کے دلاتا تھا جنہیں خوف دغا
انہیں بچوں سے جواں بھاگتے ہیں دیکھ تو جا
چین آئے گا سزا اہلِ دغا کو دے کے
ہے اگر مرد تو آ اپنا رسالہ لے کے

(۲۴۵)

گو ید اللہ نہیں ہیں وہی دست و بازو
دیکھ لے نیچوں سے اپنے ٹپکتا ہے لہو
او شقی موت کی تصویریں ہیں یہ بحر عدو
بھاگے جاتے ہیں جری بڑھ کے نہیں روکتا تو
یہ نہیں چاہتے ہم داد وغا دے ظالم
رقصِ بسمل کی ذرا سیر تو کرلے ظالم

(۲۴۶)

جا رہے تھے سوئے دریا ابھی یہ تشنہ جگر
فضہ سب حال کھڑے دیکھ رہی تھیں پسِ در
نہ رہی تاب تو خیمہ میں گئی پیٹتی سر
اور کہا ہائے غضب لٹتی ہے بستیِ حیدرؑ
اشقیا بھاگے ہوئے پلٹے چلے آتے ہیں
تشنہ لب نہر کے رستے میں گھرے جاتے ہیں

(۲۴۷)

حشر اک خیمۂ اقدس میں ہوا سن کے یہ حال
ہوئیں مصروفِ دعا بیبیاں سب کھول کے بال
دیکھا روتے ہوئے گھر بھر کو تو روئے اطفال
ماں کا دل دھک سے ہوا ہو گیا طاقت میں زوال
وہم و دسواس بڑھے سرد نفس بھرنے لگیں
رو بہ قبلہ ہوئیں رو کر یہ دعا کرنے لگیں

(۲۴۸)

تیری امداد کا اب وقت ہے اے ربِّ مجید
کر تحمل ہے سن و سال سے بچوں کے بعید
پیاس بھڑکی ہوئی دو روز سے گرمی یہ شدید
کب سے ہے معرکہ گھیرے ہوئے ہے فوجِ یزید
میری عزت ہے تیرے ہاتھ بچا لے مالک
پیاس کی آگ جو بھڑکی ہے بجھا دے مالک

(۲۴۹)

مامتا ماں کی ہے خلاقِ جہاں تجھ پہ عیاں
دل ہل میرا کہ ہو جائے یہ مشکل آساں
قلب قابو میں رہے منتیں آئیں جو یہاں
نکلے آنسو نہ کوئی ہوں جو لہو میں غلطاں
منہ پھرا لوں جو ہوں ٹکڑے بھی دلِ مضطر کے
نہ ہٹے میری نظر رخ سے علی اکبرؑ کے

(۲۵۰)

ہے دعا تجھ سے کہ پانی کے لئے جی ترسے
پیاسے دنیا سے اٹھیں پیاس بجھے کوثر سے
شاد ہوں خون بہے تیروں کا گر مینہ برسے
کہ نہ شرمندہ ہوں بے شیر علی اصغرؑ سے
دودھ کا میرے اثر ہو تو نہ طینت بدلے
خشک ہو نہر جواں پیاسوں کی نیت بدلے

(۲۵۱)

تو عطا کر انہیں ثابت قدمی یا مولا
دیکھ کر نہر کو جاتا نہ رہے پاسِ وفا
پیاسے دم توڑیں تو ہو میرا کلیجہ ٹھنڈا
مس نہ ہو جسم سے پیاسوں کے ترائی کی ہوا
نہ الگ جادۂ الفت سے کوئی پائے انہیں
پانی پینے کا ارادہ ہو تو موت آئے انہیں

(۲۵۲)

ختم ابھی ماں کی دعا ہونے نہ پائی تھی یہاں
دونوں بچے گھرے خونخواروں کے نرغہ میں وہاں
کس طرح جائیں ترائی کی طرف تشنہ دہاں
راہیں روکے ہوئے ہر سمت سے ہیں تیر و سناں
ہوا آ آ کے ہر اک خون کا پیاسا حائل
ہو گیا آپ دمِ تیغ کا دریا حائل

(۲۵۳)

نہ تھیں فوج کی بھیڑیں وہ ہٹائے دو کے
جتنے چھوٹے پہ ہوئے وار بڑے نے روکے
زندہ اسلام کیا دونوں نے جانیں کھو کے
مختصر یہ کہ گرے گھوڑوں سے زخمی ہو کے
کی خبر دوڑ کے عباسؑ نے جب شاہؑ چلے
قاسمؑ و اکبرؑ ذیجاہ بھی ہمراہ چلے

(۲۵۴)

پہونچے مقتل جونہی تیغ بکف یہ صفدرؑ
وہ ہٹے ڈر کے جو گھیرے ہوئے تھے بانیٔ شر
دیکھا بچوں کو کہ ہیں خاک پہ غش خون میں تر
شہؑ نے آواز جو دی چونک پڑے گھبرا کر
حال زار اپنی زباں سے جو نہ کہہ سکتے تھے
حسرت و یاس سے ایک ایک کا منہ تکتے تھے

(۲۵۵)

اور سب رو رہے تھے بھرتے تھے آہیں شبیرؑ
نظریں دونوں کی تھی ماموںؑ کی طرف وقتِ اخیر
کہ پھریں پتلیاں ہونے لگی حالت غیر
ہچکیاں آتے ہی بے جاں ہوئے دم بھر میں صغیر
منزل عشق جو طے کر گئے پائی جنت
غنچے پژمردہ ہوئے تھے کہ بسائی جنت

(۲۵۶)

لاشے سب لے چلے مقتل سے بصد نالہ و آہ
سر جھکائے شہِؑ دیں کہتے تھے انا للہ
در خیمہ کے قریں پہونچے جو با حال تباہ
خوں جگر ہو گیا رونے لگے بے ساختہ شاہؑ
دھیان یہ تھا کہ بہن جی سے گزر جائے گی
لاشے دو بچوں کے دیکھے گی تو مر جائے گی

(۲۵۷)

سن کے آواز حرم با الم و غم دوڑے
گرتے پڑتے ہوئے اطفال بھی باہم دوڑے
مضطرب چھوڑ کے صف صاحب ماتم دوڑے
لڑکھڑاتے ہوئے با دیدۂ پُر نم دوڑے
دست و پا کانپتے تھے سرد نفس بھرتی تھیں
خیر اکبرؑ کی ہو زینبؑ یہ دعا کرتی تھیں

(۲۵۸)

آئے لاشے تو بپا ہونے لگا شیون و شین
گرد سب اہل حرم جمع تھے اور کرتے تھے بین
دیکھ کر لاشوں کو ہمشیر کو گریاں تھے حسینؑ
چپ کی بیٹھی ہوئی تھیں بنتِ شہِؑ بدر و حنین
سامنے آنکھوں کے ٹکڑے تھے دل مضطر کے
کہ یاس تھی چہرے پہ علی اکبرؑ کے

(۲۵۹)

کہا اکبرؑ سے اِدھر آؤ اِدھر میری جاں
تر بتر خوں سے قبا کیوں ہے تمہارے قرباں
سینہ دیکھوں تو سہی میں کہ لگا زخم کہاں
سن کے یہ ٹکڑے ہوا دل ہوئے اکبرؑ گریاں
جو جو گزری تھی یہ کہتے تھے ہر اک سنتا تھا
بچی اُلٹی تھی کسی کی کوئی سر دُھنتا تھا

(۲۶۰)

سن کے زینبؑ نے یہ فرمایا غضب تم نے کیا
تم سلامت رہو ٹھنڈا رہے دل بھائی کا
اتنا کہہ دیتے کہ دونوں ہوئے حضرتؑ پہ فدا
صدقہ باہر کا اُٹھا کے نہیں لاتے بیٹا
وہم آتا ہے مجھے کپڑے یہ بدلو جا کے
لاش کیوں لائے یہاں بیٹے سے تم لپٹا کے

(۲۶۱)

خاک اور خون میں غلطاں تھے جو وہ لختِ جگر
پھاڑ کر آنکھیں نظر غور سے کی چہروں پر
پیٹ کر زانوؤں کو سر سے اُتارا کبھی سر
سینہ کوٹا کبھی چہروں کی بلائیں لے کر
چومے پژدائے ہوئے لب میرے پیاسوں کہہ کے
پٹکا سر خاک پہ رو رو کے جو گیسو چھٹکے

(۲۶۲)

رو کے چلائیں میرے راج دلارو اُٹھو
سوجھتا ماں کو نہیں آنکھوں کے تارو اُٹھو
زندہ درگور ہوں اے پیاس کے مارو اُٹھو
زیست کی آس بڑھاپے کے سہارو اُٹھو
درد دکھ سن لئے اوروں کی زبانی بچوں
چونک کر آپ کہو اپنی کہانی بچوں

(۲۶۳)

خونچکاں ہیں یہ مہکتے ہوئے گیسو ہے ہے
کھولتے کیوں نہیں تم نرگس جادو ہے ہے
ہے ابھی تو گل رخسار کی خوشبو ہے ہے
اُٹھ کے بیٹھو کہ ہیں خالی میرے پہلو ہے ہے
یہ نہیں منہ سے نکلتا کہ اجل آئی ہے
کبھی دیکھی نہیں وہ رونق و زیبائی ہے

(۲۶۴)

تھے جہاد رہ حق کے لئے بیتاب جو دل
نصرتِ شہؑ سے ہوا قرب خدا کا حاصل
صدقے مادر ہوئی آسان تمہاری مشکل
تیسرے فاقہ شہادت کی ہوئی طے منزل
اسی جنگل میں بسر اب سحر و شام کرو
بھوکے پیاسے نہ رہے چین سے آرام کرو

(۲۶۵)

ماں کو یہ غم نہیں دنیا سے اُٹھے پُر ارماں
سرخ پوشاک ہوئی خوں میں ہوئے یوں غلطاں
میں سمجھتی ہوں کہ دولہا ہو بنے مری جاں
ہاں یہ حسرت رہی جاتی ہے کہ نادار ہے ماں
قبر میں جائے گا ارمان یہ میرا پیارو
باندھتی دونوں کے تابوت پہ سہرا پیارو

(۲۶۶)

ہیں نہ تابوت نہ سہرے نہ ہیں کہنے والے
جائیں ہاتھوں پہ یونہی گود کے جو ہیں پالے
پالا جن سب نے پڑیں ہائے انہیں کے پالے
صدقے ماں دفن بھی ہونے کے پڑے ہیں لالے
ظلم جتنے ہوں وہ کم ہیں میرے صابر بچوں
تم تو شبیرؑ سے بے کس کے ہو ناصر بچوں

(۲۶۷)

ہائے لاشے بھی رہیں نرغہ میں خونخواروں کے
قلب فولاد ہیں پتھر ہیں ستمگاروں کے
دل میرا دھڑکے گا دوڑانے سے رہواروں کے
زخم آئے ہیں ابھی نیزوں کے تلواروں کے
کلمہ پڑھتے ہیں یہ مکار مسلماں کی طرح
سر نہ ہوں نصب کہیں نیزوں پہ قرآں کی طرح

(۲۶۸)

ملگجی ہوتے ہی کہتے تھے بدلنے پوشاک
چھینٹ پڑتی تھی اگر کرتے تھے جلدی اُسے پاک
اب ہو تر خوں میں اٹے گرد میں کپڑے صد چاک
اور بے غسل و کفن ہونا بھی مشکل بہ خاک
ایسی غربت میں بنی ہے تمہیں رو سکتے نہیں
بے زمیں گھر کی مگر دفن بھی ہو سکتے نہیں

(۲۶۹)

تھا بڑھاپا تو یہی آس تھی تم دو گے کفن
موت کو پیارا لگا ہائے تمہارا بچپن
ہو وہ بے کس نہیں کہہ سکتی بنے گا مدفن
بجھ کے شمعیں میرے مرقد کی ہو جنگل روشن
مٹ گئی آس تو یہ شکل بنی ارماں کی
جلد ہو تم بہ خاک اب ہے تمنا ماں کی

(۲۷۰)

ایک پل آنکھوں سے ہوتے تھے جو دن کو اوجھل
دیکھ لیتی نہ تھی جب تک مجھے پڑتی نہ تھی کل
تم ہو مجروح گزندوں سے بھرا ہے جنگل
رات کیا ہوگی کہ ہے کرب و بلا کا مقتل
چار سو رن میں درندوں کی صدائیں ہوں گی
ماں یہاں خاک بسر ہوگی دعائیں ہوں گی

سلام

جو گدائے سروؔرِ ہر دوسرا کے پاس ہے
وہ نہ قاروں پاس ہے نہ پادشاہ کے پاس ہے

کیوں ڈریں مرقد کی ظلمت سے غلامانِ علیؑ
شمعِ داغِ شاہِؑ دیں اہلِ عزا کے پاس ہے

جب شبِ معراج یاد آئے نبیؐ کو مرتضیٰؑ
عرش سے آواز آئی وہ خدا کے پاس ہے

ذوالفقارِ حیدریؑ کے تن پہ یہ جوہر نہیں
فتح کی تحریر تیغِ برق زا کے پاس ہے

دردِ عصیاں کی دوا دنیا میں ہے خاکِ شفا
اے مہوسؔ خاک اہلِ کیمیا کے پاس ہے

کیوں نہ اس کا مرتبہ برتر ہو باغِ خلد سے
گلشنِ زہراؑ زمینِ کربلا کے پاس ہے

جوہری کہتے تھے دندان و لبِ شہؑ دیکھ کر
معدنِ الماس لعلِ بے بہا کے پاس ہے

کہتا تھا حُرؔ وہ بھٹک سکتا نہیں راہِ نجات
اے لعینو جو امامِؑ رہنما کے پاس ہے

سوئے کعبہ کیوں نہ جاؤں بت کدہ کو چھوڑ کر
نار سے ہے دور جو نورِ خدا کے پاس ہے

رباعی

ہم ان کو نبیؐ اور نہ خدا کہتے ہیں
کشتیِ دیں کا ناخدا کہتے ہیں
حیرت ہے ہمیں سُن کے علیؑ کے رتبے
دیکھو تو نصیری انھیں کیا کہتے ہیں

رباعی

مٹی مجھے دے کے دوست غم کھاتے ہیں
دفنا کے عزیز و اقربا جاتے ہیں
کیوں فکر تہہِ خاک ہو تنہائی کی
یہ لوگ چلے تو بو ترابؑ آتے ہیں

رباعی

نقارہ بجا کوچ کا دل مضطر ہے
احباب کا غم نہ فکرِ مال و زر ہے
اعمال جو اپنے ہیں نہ ہونگے اپنے
ساتھی ہیں بُرے مجھے انھیں سے ڈر ہے

مرثیہ

مملکتِ نظم کی ہے تابعِ فرماں کس کی

درحالِ حضرت عباسؑ

سنہ تصنیف

1917

مملکتِ نظم کی ہے تابعِ فرماں کس کی

مملکتِ نظم کی ہے تابعِ فرماں کس کی
خلق میں فوجِ مضامیں ہے فراواں کس کی
دھاک دشمن پہ بندھی رہتی ہے یکساں کس کی
ہے سدا فتح و ظفر بندۂ احساں کس کی
شرق سے غرب تلک چلتا ہے سکّہ کس کا
ہفت اقلیمِ بلاغت پہ ہے قبضہ کس کا

(۲)

ہے فزوں شوکتِ جمشید و حشمت کس کی
قبضہ و ملک میں ہے تختِ فصاحت کس کی
موشگافانِ سخن پر ہے حکومت کس کی
قوتِ سامعہ ہے بندۂ طاعت کس کی
دہر میں کس کو شہنشاہِ سخن مانتے ہیں
زیب وہ تاجِ بلاغت کا کسے جانتے ہیں

(۳)

یہ وہ دولت ہے برابر ہیں جہاں شاہ و گدا
خاک ہوتی ہے یہیں حشمت و جاہِ کسریٰ
یہ تو یہ بندھ نہیں سکتی ہے سلیماں کی ہوا
یاں مگر چلتی ہے اُس کی جو رکھے ذہنِ رسا
کچھ نہیں ہوتا اگر شوکت و شاں رکھتا ہو
تاج و تخت اُس کا ہے جو تیغِ زباں رکھتا ہو

(۴)

تیغ وہ تیغ کہ کھلتا رہے جس کا کس بل
باتوں ہی باتوں میں ہو جاتی ہو جس پر صیقل
معرکوں میں جو نہ رک جائے دمِ رد و بدل
بات کہنے میں کرے فیصلہ ہو ایسا پھل
غولِ اعداء کے حمایت کے لئے ساتھ نہ ہوں
نکلیں جو ہاتھ بتائے ہوئے وہ ہاتھ نہ ہوں

(۵)

کرلے تسلیم جسے شاہِ سخن دنیا بھر
مانے اُستادِ زمانہ جسے ہر فرد و بشر
معرضِ شک میں نہ ہو رکھتا ہو اک عام اثر
مسئلے فن کے کیا کرتا ہو طے شام و سحر
رکھے ہر امر میں جو وضع اب و جد کی بھی
یہ نہ باتیں ہوں تو توہین ہے مسند کی بھی

(۶)

کام انھیں کا ہے یہیں کٹ گئیں عمریں جن کی
چاہئے ہے کرے انسان طلب ممکن کی
زینہ زینہ چڑھو باتوں پہ لگے ہو کن کی
ہم کو بھی دیکھنا ہے یہ ہوا کے ان کی
ہوش جب ہوگا کہو گے کہ یہ ہم کو کیا تھا
پہروں سوچو گے یہی خواب کوئی دیکھا تھا

(۷)

دفعتاً چرخِ چہارم پہ پہونچتا ہے محال
نہ ترقی اسے سمجھو کہ یہ ہے خواب و خیال
بدر کی روشنی دے سکتا ہے کس طرح ہلال
جب بھی ناقص ہو اگر لاکھ کرو کسبِ کمال
موشگافانِ سخن سے کوئی کب جیتا ہے
ہو کے قائل یہی کہہ دیں گے کہ ہاں دیکھا ہے

(۸)

یوں نہ سمجھیں گے مسیحا کبھی بیمارِ سخن
دھوکے کھا کھا کے نہیں پھنستے خریدارِ سخن
منہ پھرا لیتے ہیں دلدادۂ دیدارِ سخن
سرد ہوتا ہی چلا جاتا ہے بازارِ سخن
تھی جو اُس چاہ سے گاہک نہیں اب تک سکتے
نام سے یوسفِؑ کنعاں کے نہیں بک سکتے

(۹)

نہ کہو اُن کی شگوفوں میں جو داماں ڈھونڈیں
خار زاروں میں بہارِ چمنستاں ڈھونڈیں
ذرّوں میں روشنیِ مہرِ درخشاں ڈھونڈیں
زہر میں جو صفتِ چشمۂ حیواں ڈھونڈیں
ایک محتاج کو سمجھیں کہ شہنشاہ ہے یہی
راہ گم گشتہ کو کہہ دیں خضرِؑ راہ ہے یہی

(۱۰)

داغ لالہ کو بھی دل کا سویدا کہہ دیں
آپ بیمار جو ہو اُس کو مسیحا کہہ دیں
لب ساحل کی تری دیکھیں تو دریا کہہ دیں
یہ تو یہ نکتۂ موہوم کو صحرا کہہ دیں
جو سرِ طور ہو اُس شخص کو موسیٰ سمجھیں
برقِ خرمن کو بھی برقِ تجلّی سمجھیں

(۱۱)

دیکھ پائیں گُل پژمردہ تو گلشن سمجھیں
مامنِ زاغ کو بلبل کا نشیمن سمجھیں
ایک دانہ ہو سرِ راہ تو خرمن سمجھیں
حد یہ ہے اسپِ خیالی کو بھی توسن سمجھیں
جو تصور ہے یہ دنیا سے جدا باندھتے ہیں
نقش بر آب کی یہ لوگ ہوا باندھتے ہیں

(۱۲)

زرِ گل دیکھیں تو کرلیں اُسے کندن تسلیم
جھلکیں شبنم کے بھی قطرہ تو کہیں دُرِّ یتیم
جھونکے لیں تند ہوا کھا کے کہیں ہے یہ نسیم
رنگ پا کے گُل کاغذ میں ہوں جویائے شمیم
قصد ہوں غنچۂ پژمردہ کے مہکانے کے
دعوے ہوں بلبلِ تصویر کے چہکانے کے

(۱۳)

ذرّۂ خاک کو یہ مہرِ درخشاں کہہ دیں
مور کو زیب دہِ تختِ سلیماں کہہ دیں
کورِ باطن کو یہ مستِ مئے عرفاں کہہ دیں
ضد پہ آ جائیں تو انجیل کو قرآں کہہ دیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ نرالی کد ہے
سنگِ موسیٰ ہو تو کہہ دیں حجر الاسود ہے

(۱۴)

سب یہ ہے حق بہ طرف جانتے ہیں خوب ہے دل
پر کہیں تو بھی ہے مشکل نہ کہیں تو مشکل
بات کی بیچ ہو تو ہوجائیں نہ کیوں کر قائل
دل بجھے کو بھی کہے جاتے ہیں حُسنِ محفل
عشق ایسا تو ہو دیوانے بنے جاتے ہیں
شمعِ تصویر کے پروانے بنے جاتے ہیں

(۱۵)

خواہش اس سے یہ نہیں سمجھیں یہ یکتا ہم کو
جن کے مدّاح انھیں کا ہے بھروسہ ہم کو
دار دنیا میں کسی کی نہیں پروا ہم کو
فیض سے ان کے ملے مرتبہ اعلیٰ ہم کو
آج مثلِ اب و جد خلق میں نامی ہو جائیں
بگڑی بن جائے اگر اپنے یہ حامی ہو جائیں

(۱۶)

یہ مؤیّد رہیں کافی ہے فقط ان کی ذات
وقفے میں نہ کٹے اپنی ترقی کی حیات
کوششیں رنگ مٹانے کی عبث ہیں دن رات
مدّعی یوں نہیں شاہد بھی ہیں صادق جو بات
جہلا لاکھ کہیں دھیان میں کب لاتے ہیں
جو ہیں فہمیدہ وہ پڑھنے سے سمجھ جاتے ہیں

(۱۷)

کاوشِ اہلِ حسد سے نہیں ہوتا دل تنگ
ان کے منہ لگنا سمجھتا ہوں میں اپنے لئے ننگ
کل سے کچھ آج زیادہ ہے یونہی دل کی امنگ
جوش آ آ کے طبیعت کا ہے بدلا ہوا رنگ
رحمتِ خالقِ یکتا کا تماشا دیکھیں
اب مری طبع کا چڑھتا ہوا دریا دیکھیں

(۱۸)

سُنیئے ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں
کربلا میں جو مچی اُس صفِ ماتم کا بیاں
انبیاء روئے ہیں جس غم میں ہے اس غم کا بیاں
یعنی آلامِ شہنشاہِ دو عالم کا بیاں
وہ جسے حیدرؑ اور زہراؑ و پیمبرؐ روئے
جس کو چالیس برس عابدِؑ مضطر روئے

(۱۹)

خلق میں جس کو معین الضعفا کہتے تھے
روح و جاں اپنی جسے شیرِ خداؑ کہتے تھے
نخلِ چشمِ رسولؐ دوسرا کہتے تھے
جو ہر اک دکھ میں رضیا بقضا کہتے تھے
وادیٔ ظلم میں تاراج ہوا گھر جن کا
نوکِ نیزہ پہ پھرا چار طرف سر جن کا

(۲۰)

جن کو سردارِ جوانانِ جناں کہتے ہیں
جن کو مذبوحِ قفا پیر و جواں کہتے ہیں
صابر و فاقہ کش و تشنہ دہاں کہتے ہیں
جن کو مظلومِ حسینؑ اہلِ جہاں کہتے ہیں
فاطمہؑ خلد سے لینے کو جنھیں آتی ہیں
ہو جہاں مجلسِ ماتم وہیں رو جاتی ہیں

(۲۱)

غیر ممکن ہے کہ ہو ان کے مصائب کا بیاں
دھیان آتا ہے تو اُٹھتا ہے کلیجہ سے دھواں
ساتھ وہ بچّوں کا وہ دھوپ وہ چٹیل میداں
بیچ میں خیمۂ شہؑ چار طرف فوجِ گراں
نہ سنی ہوگی زمانے نے یہ مہمانی بھی
انتہا ہو گئی یہ بند کیا پانی بھی

(۲۲)

بچّے مشکیزوں پہ منہ رکھتے تھے ہو کر بیتاب
العطش کہتا تھا کوئی تو کوئی آب آب
سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے شہِؑ عرش جناب
صحنِ خیمہ میں لئے پھرتی تھیں اصغرؑ کو ربابؑ
دودھ بھی خشک تھا پانی بھی نہیں پاتا تھا
پیاس ایسی تھی کہ رہ رہ کے بلک جاتا تھا

(۲۳)

بار بار آکے یہ کہتی تھی سکینۂ ناداں
آج کیا ہے کہ بہت روتا ہے اصغرؑ اماں
میں سمجھتی ہوں کہ ہے مجھ سے سوا تشنہ دہاں
دم بدم پھیرتا ہے پیاس سے ہونٹوں پہ زباں
میرے بھیّا کو مجھے دو کہ میں بہلاؤں گی
عمّو آجائیں تو پانی ابھی منگواؤں گی

(۲۴)

آئے اتنے میں علمدارِ شہِؑ عرش پناہ
عرض کی شہؑ سے ہیں آمادۂ فتنہ گمراہ
فوج ہی فوج نظر آتی ہے تا حدِ نگاہ
اس پہ بھی امڈی چلی آتی ہے ملکوں سے سپاہ
آپ فرمایئے کیا صلح کے آثار ہیں یہ
رنگ اب ٹھیک نہیں برسرِ پیکار ہیں یہ

(۲۵)

یہ شقاوت ہے کہ دریا کو بھی روکے ہیں لعیں
کچھ ہے لشکر پسرِ سعد کے خیمہ کے قریں
چار سو مورچہ باندھے ہیں ہے اس کا بھی یقیں
کل سے کچھ آج بڑھ آئیں ہیں اُدھر دشمنِ دیں
اشقیا چار طرف تیغ بکف پھرتے ہیں
تیر اب خیمۂ شاہی کے قریں گرتے ہیں

(۲۶)

تشنگی سے ہے صغیروں پہ بہت رنج و تعب
ساتھ ناموس کا اس وقت میں ہے اور غضب
ورنہ کچھ فکر نہ تھی ہوتے جو تنہا ہم سب
فوج بڑھ آئی ہے تاخیر کا موقع نہیں اب
آلِ احمدؐ کی مٹا دینے پہ آمادہ ہیں
دیکھ لیں آپ صفیں فوج کی استادہ ہیں

(۲۷)

حکم ہو جائے ہمیں بھی کہ مناسب نہیں دیر
ورنہ روباہ یہ ہوتے ہی چلے جائیں گے شیر
جا پڑیں لے کے جو تلواریں یہاں سے بھی دلیر
ہر طرف لاشوں کے انبار ہوں ہر سمت ہوں ڈھیر
پست ایک ایک سیہ بخت کی ہمت ہو جائے
دم میں کافور دماغوں سے رعونت ہو جائے

(۲۸)

بولے یہ سن کے برادر سے شہؑ نیک خصال
خواہش اپنی یہ نہیں گرم ہو میدانِ قتال
کلمہ گو کس کے ہیں اتنا تو کرو دل میں خیال
ہم کو زیبا نہیں اے بھائی کریں ان سے جدال
فرض اپنا ہے کہ ان سب کو ہدایت کر دیں
کوئی بات اُٹھ نہ رہے ختم لو حجت کر دیں

(۲۹)

یاں پہ آئے ہوئے امت ہی کہ خاطر ہیں ہم
ظلم جو جو ہوں اُٹھائیں گے کہ صابر ہیں ہم
راہِ معبود میں سر دینے کو حاضر ہیں ہم
شکوہ دکھ درد کا کیا ہے کہ مسافر ہیں ہم
گو کہ مطلب نہیں تکلیف سے مہمانوں کی
خیر اتنا تو ہے بستی ہے مسلمانوں کی

(۳۰)

عرض کی رحم نہ فرمائیں کہ یہ ہیں جلاد
عید ہو ان کو اگر آلِ نبیؐ ہو برباد
گر مناسب ہو تو کر لیجئے سامانِ جہاد
نہیں معلوم وہاں جا کے پڑے کیا افتاد
پاس احمدؐ کا نہ کچھ خوفِ قیامت ان کو
بچے بچے سے یہاں کے ہے عداوت ان کو

(۳۱)

شہؑ نے فرمایا کہ اے بھائی نہ تم گھبراؤ
دھیان میرا بھی یہی ہے نہ مجھے سمجھاؤ
کہہ کے ہمشیر سے لشکر کا علم منگواؤ
مجھ مسافر کے رفیقوں سے بھی کہہ کر آؤ
مستعد بہرِ وغا یاور و انصار رہیں
ساتھ دینا ہے جنہیں میرا وہ تیار رہیں

(۳۲)

یہ اُٹھے سنتے ہی فرمانِ شہؑ عرش اساس
حرمِ پاک کے چہروں سے ٹپکنے لگی یاس
گئے باہر رفقا پاس جنابِ عباسؑ
بدلے اتنے میں یہاں شہؑ کے یگانوں نے لباس
کوئی جرار تو کاندھے پہ سپر رکھنے لگا
ڈاب میں کوئی جری تیغِ دوسر رکھنے لگا

(۳۳)

شہؑ کے پاس آ کے بہن نے یہ کہا با صد غم
کیا تھیں عباسؑ سے اور آپ سے باتیں باہم
مجھ کو الجھن سی ہے اُس وقت سے یا شاہِ اُمم
کچھ تو فرمائیں کہ کیا تھا یہ ابھی ذکرِ علم
ہائے سامان ہی اب اور نظر آتے ہیں
گھر کے لٹنے کے مجھے طور نظر آتے ہیں

(۳۴)

ہوں گے ہیں یہ لعیں جان کے ایسے دشمن
جب تلک رہنے گا پہونچے گے یونہی رنج و محن
میرے نزدیک تو بہتر ہے پلٹ چلئے وطن
اپنے اس کلبہ میں مل جل کے رہیں بھائی بہن
دکھ نہ ہو درد نہ ہوں اور نہ یہ بربادی ہو
کچھ دنوں میں میرے اکبرؑ کی وہاں شادی ہو

(۳۵)

وطن آواروں پہ کیا کم ہے یہی رنج و تعب
قتل کرنے پہ مسافر کے ہیں آمادہ وہ اب
کب سے اس فکر و تردد میں پڑی ہے زینبؑ
خط پہ خط آتے تھے جن کے یہ وہی لوگ ہیں سب
آئے جب یاں نہ ہدایت کے طلب گار ہوئے
گھر مٹانے کو نبیؐ زادہ کا تیار ہوئے

(۳۶)

شہؑ نے فرمایا کہ جو اُس کی مشیت ہمشیر
غمِ دنیا سے ملی کس کو فراغت ہمشیر
سمجھو اس راہ میں تکلیف کو راحت ہمشیر
بیچ منجدھار میں ہے کشتیِ امت ہمشیر
فرق اگر صبر و تحمل میں ذرا آئے گا
امتِ جد کا بنا کام بگڑ جائے گا

(۳۷)

ذہن سے اب یہ خیالات نکالو زینبؑ
آج سے بھائی سے دل اپنا ہٹا لو زینبؑ
شق جگر ہوتا ہے ان ذکروں کو ٹالو زینبؑ
مل کے سب نانا کی امت کو بچالو زینبؑ
سر کٹے آل کی اولاد کی بربادی ہو
آنچ امت پہ نہ آئے تو مجھے شادی ہو

(۳۸)

قتل ہوں لاش ہو پامال میانِ لشکر
حلق پہ تیر کوئی کھائے کوئی سر پہ تیر
چھیدا جائے کسی ناشاد کا برچھی سے جگر
بیڑیاں پہنے کوئی اترے کسی کی چادر
جو جو تکلیف ہو وہ کرلو گوارہ زینبؑ
عاصیوں کو ہے تمہیں سب کا سہارا زینبؑ

(۳۹)

راہِ خالق میں ہر اک ظلم و ستم سہنا ہے
یہ وہی دشت ہے جس میں میرا خوں بہنا ہے
گھر کے چلنے کو مسافر سے عبث کہنا ہے
گھر مبارک تمہیں ہم کو تو یہیں رہنا ہے
دل کو اپنے اسی جنگل کی ہوا بھائی ہے
یہ زمیں تو ہمیں بچپن سے پسند آئی ہے

(۴۰)

کہا زینبؑ نے کہ ہے ہے یہ کہا کیا بھائی
ہائے بس جائے گا یہاں گلشنِ زہراؑ بھائی
میرے بے کس مرے بے پر میرے شیدا بھائی
کیا کروں ہائے یہ اندھیر ہے کیسا بھائی
لٹ کے جنگل میں بصد رنج و محن جاؤں گی
ہائے بے بھائی کی ہو کر میں وطن جاؤں گی

(۴۱)

کہہ کے یہ رونے لگیں شق ہوا صدمے سے جگر
اور غش کھا کے گریں ہائے برادر کہہ کر
شہؑ نے گھبرا کے پکارا جونہی خواہر خواہر
مضطرب ہو کے ہر اک سمت سے آیا گھر بھر
بچے حیران تھے کچھ منہ سے نہ کہہ سکتے تھے
جھک کے سب زینبؑ ناشاد کا منہ تکتے تھے

(۴۲)

ہوش آیا تو سوئے اکبرؑ مہرو دیکھا
اور کہا یہ کہ ارادہ ہے کہاں کا بیٹا
سن کے زینبؑ سے یہ چپ ہو گیا وہ ماہ لقا
شہؑ نے فرمایا کہ جانے دو ابھی خوف ہے کیا
نہ پریشاں ہو کہ لڑنے کو نہیں جاتے ہیں
کچھ تردد نہ کرو تم یہ ابھی آتے ہیں

(۴۳)

پھر کہا شہؑ نے علم بھیج لو کہ اب وقت ہے کم
یہ اُٹھیں سنتے ہی فرمانِ شہنشاہِ اُمم
فضہ حاضر ہوئی لیتی ہوئی سامانِ علم
آگئے اتنے میں عباسؑ بصد درد و الم
عرض کی شہؑ سے کہ انصار کُل آمادہ ہیں
آستانِ در و دولت پہ سب استادہ ہیں

(۴۴)

علمِ فوج جو سجنے کو تھیں دختِ زہراؑ
چوبِ رایت لئے کلثومؑ کھڑی تھیں اک جا
سامنے کشتی میں سامان لئے تھی فضہ
جس میں پرچم تھا پھریرہ اور اک پنجہ تھا
کُل یہ ساماں جو تھے امت کی رہائی کے لئے
بنتِ حیدرؑ بھی بڑھیں عقدہ کشائی کے لئے

(۴۵)

تکتی تھیں یاں علمِ فوجِ علیؑ کی دختر
منتظر تھے رفقا شوقِ زیارت میں اُدھر
باہر آ آ کے یہ کہہ جاتے تھے زینبؑ کے پسر
کوئی وقفہ نہیں تیار رہے سب لشکر
اپنے گھر میں علمِ فوج سجا جاتا ہے
تھوڑی ہی دیر میں جعفرؑ کا علم آتا ہے

(۴۶)

حکمراں وہ کہ نہ ہو فیض رساں جس کا وجود
مسند اُس کی ہے جہاں میں جو کرے نام و نمود
قید پوتے کی نواسے کی یہاں ہے بے سود
رونا بے کار ہے کہہ کر پدرم سلطان بود
وہی وارث ہے بزرگوں کی جو عزت رکھے
اپنے قبضے کی جو شمشیرِ فصاحت رکھے

(۴۷)

جانشینی کو نہ بازیچۂ طفلاں سمجھو
مسندِ رشک کو نہ تختِ سلیماں سمجھو
ان خیالات کو بھی خوابِ پریشاں سمجھو
یہاں کے ہر ذرّہ کو وسعت میں بیاباں سمجھو
ہرگز آتی نہیں قابو میں رعیت اس کی
جس کو وہ دیتا ہے کرتا ہے حکومت اس کی

(۴۸)

یہ وہ کوچہ ہے قدم رکھنا ہے جس میں مشکل
یہ وہ صحرا ہے کہ جس میں نہیں کوئی منزل
یہ وہ دریا ہے کہ ملتا نہیں جس کا ساحل
تیرتے ڈرتے ہیں اس بحر میں فن کے کامل
نصف چکّر میں بسر عمر ہو گرداب وہ ہے
مبتدی کو جو ڈبو دیتا ہے پایاب وہ ہے

(۴۹)

زہر پانی ہے بلا خیز ہے ہر موج رواں
دم بدم ہوتے ہیں اس بحر میں گرداب عیاں
اس کے دامن میں سما جاتا ہے بحرِ عُمّاں
ہر حباب لبِ ساحل ہے طلسمِ طوفاں
دیکھ کر شورِ تلاطم نہ شناور ٹھہرے
زہرہ پانی ہو تو آموز جو دم بھر ٹھہرے

(۵۰)

جزر و مد دل کو نہیں ہوتا گوارا اس کا
تھاہ تو تھاہ نہیں ملتا کنارا اس کا
تیز ہے دھار سے تلوار کی دھارا اس کا
تہ نشیں ہو کے اُبھرتا نہیں مارا اس کا
اس میں پانی پہ ٹھہرنا بھی نہ آساں سمجھو
قطرہ قطرہ میں نہاں نوحؑ کا طوفاں سمجھو

(۵۱)

سن کے انصار میں ہوتے تھے یہ چرچے باہم
دیکھنا ہے کہ کسے ملتا ہے یہ اوج و حشم
پائیں گے حضرتِ عباسؑ ہی سو ہاتھ علم
بھائی کے بھائی ہیں اور حملوں میں مثلِ ضیغم
فتحِ مشکل ہے اگر ہو نہ علمدار ایسا
چاہیئے ہے کہ رہے فوج کا سالار ایسا

(۵۲)

فوج کٹ جائے تو لڑ لینے کی ہمّت بھی ہو
مرد پُر زیب ہے جو وہ قد و قامت بھی ہو
تجربہ بھی ہو دلیری بھی ہو قوت بھی ہو
رعب ہو داب ہو چہرہ پہ جلالت بھی ہو
جس طرف جائے یہ غل ہو کہ دلیر آتا ہے
شان نعروں کی یہ کہتی ہو کہ شیر آتا ہے

(۵۳)

دلیں جرّار ہٹیں مورچے بڑھتا رہے شیر
دم بدم حملے ہوں شیرانہ کہ روباہ ہوں زیر
فتح کر لینے میں خیبر کے لگی تھی کیا دیر
بل یہی تھا کہ علمدار تھا حیدرؑ سا دلیر
فوج کٹوا کے وہ سب آئے نشاں جن کو ملا
بات کہتے میں مہم سر ہوئی جب اُن کو ملا

(۵۴)

یوں تو مختار ہیں شہؑ جس پہ کریں لطف و کرم
کیا ہی اچھا ہو کہ عباسؑ کو مل جائے علم
دیکھیئے آپ پھر اس چھوٹے سے لشکر کا حشم
تو سہی چھوڑ کے میداں جو نہ بھاگیں اظلم
بوٹیاں کاٹنا شمرِ ستم ایجاد رہے
آخری جنگ بھی اسلام کی یہ یاد رہے

(۵۵)

اپنی پشتی پہ اگر ہو اسدِ شیرِ الٰہ
دیکھ لے آج جواں مردیاں دشمن کی سپاہ
کچھ خبر ہی نہ ہو گر کھائیں بھی زخمِ جانکاہ
دل یہی بولے کہ لڑتے ہیں علیؑ کے ہمراہ
سر نہ ہو تن پہ مگر ہاتھ میں تلوار رہے
جوش ایسا ہو کہ پہروں یونہی پیکار رہے

(۵۶)

کبھی کہتے ہیں کہیں آئے نشانِ لشکر
جوش میں کرتے ہیں ذکرِ غزواتِ حیدرؑ
کہیں خندق کا بیاں ہے کہیں ذکرِ خیبر
شوق میں دیکھتے جاتے ہیں مگر جانبِ در
پردہ تحریکِ ہوا سے بھی جو ہل جاتا ہے
کہہ کے اُٹھ بیٹھتے ہیں سب کہ علم آتا ہے

(۵۷)

سج چکیں جب علمِ فوج وہاں زینبؑ زار
عرض کی شہؑ سے کہ کیا حکم ہے اے عرش وقار
بھر کے اک آہ یہ کہنے لگے شاہِ ابرار
دے دو عباسؑ کو رایت کہ یہی ہیں حق دار
وارثِ عہدۂ شاہنشہِ ابرار بنیں
دو پہر کے لئے لشکر کے علمدار بنیں

(۵۸)

دیا زینبؑ نے جونہی رایتِ فوجِ اسلام
جلد ہمشیر کو بھائی کو کیا جھک کے سلام
تہنیت دینے لگے مل کے اعزا جو تمام
یہ تو مسرور ہوئے رونے لگے شاہِ انام
باپ کا عہدہ جو پایا تھا یہ خوش ہوتے تھے
فکرِ انجام سے شاہِ شہدا روتے تھے

(۵۹)

کل یگانہ ہوئے ہمراہ چلے شاہِ امم
شورِ ماتم ہوا رونے لگے سب اہلِ حرم
اک طرف رک گئے عباسؑ علیؑ لے کے علم
شہؑ برآمد ہوئے ڈیوڑھی سے بصد جاہ و حشم
اور سب ثانیٔ حیدرؑ کے چپ و راس آئے
پردہ اونچا کیا اکبرؑ نے تو عباسؑ آئے

(۶۰)

جلوہ افروز شہؑ دیں تھے بصد جاہ و حشم
باری باری رفقا ہوتے تھے تسلیم کو خم
ہٹتا تھا چوم کے ہاتھوں کو ہر اک پچھلے قدم
جوش میں جھوم کے سب پھرتے تھے پھر گردِ علم
تہنیت گاہ علمدارؑ کو سب دیتے تھے
کبھی آنکھوں سے پھریرے کو لگا لیتے تھے

(۶۱)

حقِ آداب بجا لا چکے جب کُل انصار
آیا اصطبل سے شبدیزِ شہؑ عرش وقار
سمتِ اسپ آئے جونہی سبطِ رسولؐ مختار
تھامی جبریلؑ نے با فخر رکابِ رہوار
راکبِ دوشِ محمدؐ سرِ زیں بیٹھ گیا
صاف خاتم پہ جواہر کا نگیں بیٹھ گیا

(۶۲)

باگ لی اسپ چلا ساتھ ہوئے پیر و جواں
کھولا عباسؑ نے اُس چھوٹے سے لشکر کا نشاں
مہکا خوشبو سے پھریرے کی ہوا کا داماں
چمکا پنجہ بنا آئینۂ مہرِ تاباں
غیرت و شرم سے ساری کرنیں گڑنے لگیں
جھائیاں چہرۂ خورشید پہ بھی پڑنے لگیں

(۶۳)

رایت فوجِ حسینیؑ میں بندھا ہے پرچم
قولِ رحمت ہے کہ طوبیٰ پہ ہے یہ ابرِ کرم
آپ گھوڑے پہ لئے بیٹھے ہیں حضرتؑ کا علم
دستِ موسیٰؑ میں سرِ طور ہے یا شمعِ حرم
سر پہ پیاسوں کے پھریرہ نہیں لہراتا ہے
اشربو کہتا ہے کوثر تو چھلک جاتا ہے

(۶۴)

پنجہ رائت کا یہ کہتا ہے لپک کر ہر دم
ہوں نشانِ مجتبیٰؑ مجھ سے ہے واقف عالم
بلبلِ فتح و ظفر کیوں نہ بھرے میرا دم
کس کے کاندھے پہ ہوں دیکھو تو میرا اوج و حشم
مرتبہ آج وہ پایا ہے کہ سب قائل ہیں
بنتِ زہراؑ سے سجا ابنِ علیؑ حائل ہیں

(۶۵)

جنگِ خیبر میں لیا فاتحِ خیبر نے مجھے
دوشِ اقدس پہ رکھا حمزہؑ و جعفرؑ نے مجھے
آبرو آج یہ دی سبطِ پیمبرؐ نے مجھے
کہ رکھا کاندھے پہ اب ثانیٔ حیدرؑ نے مجھے
فخر جو کچھ میں کروں سب وہ بجا ہے مجھکو
بارہا فاطمہؑ زہرا نے سجا ہے مجھکو

(۶۶)

لینے والا میرا ممتاز سے ممتاز ہوا
شق کھلتے ہی درِ فتح و ظفر باز ہوا
جنگِ خیبر میں تو اس طرح سرافراز ہوا
لطفِ محبوبِ الٰہی کا عیاں راز ہوا
چاہا لوگوں نے بہت کچھ نہ علمدار ہوئے
منتخب میرے لئے حیدرِؑ کرار ہوئے

(۶۷)

میں رہا دوش پہ جب تیغِ یداللہ چلی
کفر کے حق میں ہوں برقِ غضبِ لم یزلی
بہرِ اسلام حفاظت کے لئے نادِ علیؑ
جب تو کاندھے پہ لئے ہیں مجھے عباسؑ علی
میرے لینے میں وہی طور ہیں اس صفدرؑ کے
دل بھی کہتا ہے ہوں دوش پہ میں حیدرؑ کے

(۶۸)

اللہ اللہ وہ اُس چھوٹے سے لشکر کا وقار
جس میں کچھ شہؑ کے یگانہ تھے تو کچھ تھے انصار
سر کٹانے کو رہِ حق میں تھے ایسے تیار
راہ میں دیر جو لگتی تھی تو وہ تھی انہیں بار
اُن کی خوشبو سے وہ بن رشک کا وہ گلشن تھا
چاند اٹھارہ تھے جن سے کہ جہاں روشن تھا

(۶۹)

ہو بہو حضرتِ مسلمؑ کوئی شبّرؑ کوئی
حشم و جاہ میں حمزہؑ کوئی جعفرؑ کوئی
کوئی تصویرِ نبیؐ ثانیٔ حیدرؑ کوئی
روحِ زہراؑ و دل و جانِ پیمبرؐ کوئی
چلے جاتے تھے فلک اشکوں سے منہ دھوتے ہوئے
ساتھ تھے حیدرؑ و زہراؑ و نبیؐ روتے ہوئے

(۷۰)

تھے عجب جوش میں انصارِ شہنشاہِ امم
ہاتھوں دل بڑھتے تھے گھوڑے جو اُٹھاتے تھے قدم
تھی دعا ابنِ یداللہ کے کام آئیں ہم
نامِ شبیرؑ کا لے لے کے نکل جائے دم
کبھی کہتے تھے کہ ہمت کو نہ ہارو یارو
ہاں بس اب ساقیٔ کوثر کو پکارو یارو

(۷۱)

غل ہوا پیاسوں میں اے ساقیٔ کوثر مددے
نفسِ احمدؐ مددے رحمتِ داور مددے
صاحبِ تیغِ دوسر قاتلِ اژدر مددے
فاتحِ بدر و احد فاتحِ خیبر مددے
آخری جنگ ہے یہ وقت بھی نام کا ہے
المدد سامنا پھر کفر سے اسلام کا ہے

(۷۲)

نعرے کرتے ہوئے پہونچے جو یہ سارے ضرغام
قلب تھرا گئے دہشت سے پچھے بد انجام
جم گئیں جبکہ صفیں فوجِ حسینیؑ کی تمام
ایک جا بہرِ ہدایت ہوئے استادہ امامؑ
دم بخود خوف سے کل تفرقہ پرواز ہوئے
جتنے باجے تھے وہ سب گوش بر آواز ہوئے

(۷۳)

یوں مخاطب ہوئے لشکر سے امامِؑ عادل
اے مسلمانو ذرا دل میں ہو اپنے قائل
دکھ اُٹھاتا ہوا آپ آئے جو منزل منزل
بے خطا اُس کے ستانے سے تمہیں کیا حاصل
حق نے فرمایا ہے کیا ظالم و جابر کے لئے
لاکھوں خنجر ہیں کھنچے ایک مسافر کے لئے

(۷۴)

تم نے خط بھیجے بلایا مجھے آیا میں یہاں
کچھ تو انصاف کرو ہوں میں تمہارا مہماں
جو جو برتاؤ کئے تھے نہ یہ تم پر شایاں
انتہا ہو گئی یہ بند کیا آبِ رواں
فکر اس کی ہے کہ تاراج کرو گھر میرا
اب یہ مطلب ہے کہ ہو تن سے جدا سر میرا

(۷۵)

منشا اس سے یہ نہیں ہے کہ نہ لوٹو میرا گھر
مدعا یہ ہے ہو انجام تمہارا بہتر
وہ بھی خواہ ہوں کاٹو بھی اگر میرا سر
نہ برا چاہوں تمہارے لئے زیرِ خنجر
اُمت اُمت کی دمِ ذبح صدائیں نکلیں
حلق کٹتے میں بھی بخشش کی دعائیں نکلیں

(۷۶)

وطن آواروں پہ بے جرم نہ خنجر تانو
عدل کو اور قیامت کو بھی برحق جانو
کلمہ گویو نہ ستاؤ مجھے کہنا مانو
کون ہوں کس کا نواسہ ہوں مجھے پہچانو
کل نہ کہنا کہ ہم ان کو تو نہ پہچانتے تھے
یہی احمدؐ کے نواسے ہیں نہ یہ جانتے تھے

(۷۷)

مجھکو کہتے تھے نبیؐ لحمک لحمی اکثر
میرے بابا تھے علیؑ کہتے ہیں جن کو حیدرؑ
اور مادر تھیں تمہارے ہی نبیؐ کی دختر
تم کو زیبا ہے کہ تاراج کرو میرا گھر
یہ سمجھ کے نہ ستاؤ کہ مسلمان ہوں میں
یہ نہ سمجھو تو یہی سمجھو کہ مہمان ہوں میں

(۷۸)

جو کچھ اسلام بتاتا ہے وہی کام کرو
دین کو چھوڑ کے دنیائے دنی پہ نہ مرو
کل کا کچھ دھیان ہے ہشیار ہو اے بے خبرو
دیکھو ہاتھ اپنے میرے خون میں ہرگز نہ بھرو
ساتھ اس طرح نہ یہ روزِ قیامت دیں گی
یہ سنانیں بھی تلواریں شہادت دیں گی

(۷۹)

سن کے تقریر یہ کہنے لگے وہ بد انجام
ہم کو ان باتوں سے مطلب نہیں یا شاہِ انام
ہے اگر کام تو بس طاعتِ حاکم ہے کام
کہہ کے یہ مستعدِ حرب ہوئی فوج تمام
باہر ایک ایک کی پھر میان سے تلوار ہوئی
جنگ کا طبل بجا تیروں کی بوچھار ہوئی

(۸۰)

بپھرے تیر آتے ہی شیرانِ نیستانِ جدال
خون آنکھوں میں اتر آیا تو عارض ہوئے لال
جوشِ الفت ہوا دل میں تو بحد استعجال
روک لی شہؑ کے سر و سینہ پہ عباسؑ نے ڈھال
رفقا آئے قریں رن کی اجازت مانگی
رکھ کے سر قدموں پہ شبیرؑ سے رخصت مانگی

(۸۱)

حسبِ ترتیب معیّن ملی ایک اک کو رضا
ناریوں کے لئے دروازۂ دوزخ ہوا وا
آنچ سے تیغ کی میدانِ وغا گرم ہوا
جو بڑھا تیغ بکف ہوگیا محشر برپا
تھے جو لشکر میں جیالے سے جیالے کاٹے
آنِ واحد میں رسالے کے رسالے کاٹے

(۸۲)

یوں چلی جنگ میں ہر ایک کی برّاں صمصام
بھاگتا پھرتا تھا ہر چار طرف لشکرِ شام
کس سے ہوسکتا تھا وصف اُن کے جہادوں کا تمام
مختصر یہ کہ جو ناصر تھے وہ سب آگئے کام
کبھی دیکھی نہیں یہ ہمتیں جرّاروں کی
لے لیا خلدِ بریں چھاؤں میں تلواروں کی

(۸۳)

بعد غیروں کے ہوئی شاہ پہ کیا کیا بے داد
وہ چھٹے جن کو سمجھتے تھے یہ اپنی اولاد
مرے مسلمؑ کے پسر ہوگئی زینبؑ برباد
بڑھ گئی مرنے سے قاسمؑ کے بہت بھائی کی یاد
دم سے جن جن کو لگائے تھے نہ وہ پاس رہے
اجڑے لشکر میں فقط اکبرؑ و عباسؑ رہے

(۸۴)

یہ بھی ہیں گلشنِ فردوس بسانے والے
بشر یہ کہتے ہیں کہ ہیں رن میں یہ جانے والے
راحت اکدم کی مسافر نہیں پانے والے
اتنے داغوں پہ ہیں یہ داغ اٹھانے والے
ہائے کچھ دیر میں اب ان کا بھی ماتم ہوگا
کہیئے انصاف سے کیا شاہؑ کا عالم ہوگا

(۸۵)

روتے ہیں لاش سے قاسمؑ کی لپٹ کر سرورؑ
پاس ہیں اکبرؑ و عباسؑ بھی با دیدۂ تر
رو کے شہؑ کہتے ہیں کیا شکل بنائی دلبر
ہائے اس دن کے لئے چھوڑ گئے تھے شبّرؑ
اُٹھو بیٹا دلِ شبیرؑ پھٹا جاتا ہے
بھائی کی روح سے رو رو کے حجاب آتا ہے

(۸۶)

کہا عباسؑ نے ہے میرے لئے شرم کی جا
مجھکو بابا نے اسی دن کے لئے تھا پالا
بولے اکبرؑ کہ میں شرمندہ عمو سے ہوا
کام آجائے بھتیجا رہے زندہ بیٹا
داغ اس امر کا اب میں قبر میں لے جاؤں گا
سامنے دادا کے جاتے ہوئے شرماؤں گا

(۸۷)

مدّعا سمجھے تو چپ ہوگئے با صد غم و آہ
ٹال کے ذکر یہ بھائی سے یہ کہنے لگے شاہؑ
ان کو موت آگئی سب ہوں گے وہاں چشم براہ
تکتی ہوگی درِ خیمہ سے نہ مادر کی نگاہ
دیر ہونے سے بہت ہوگی پریشاں بھائی
چلتی ہوں گی دلِ بے تاب پہ چھریاں بھائی

(۸۸)

یہ بھی اک فرض ہے بہتر ہے کہ ہوجائے ادا
چل کے دیں زوجۂ شبّرؑ کو پسر کا پرسا
مل کے ہر ایک سے پھر آئیں سوئے دشتِ وغا
ختم دنیا کے مصائب ہوں کٹے خشک گلا
اپنی آنکھوں سے نہ اب ظلم کسی پر دیکھیں
آئے وہ وقت کہ ہم شمر کا خنجر دیکھیں

(۸۹)

روئے اور کانپ کے عباسؑ دلاور بولے
اس کی طاقت ہے کہ وہ آپ پہ خنجر تولے
پہلے اس تیغ دو پیکر سے تو جانبر ہولے
فرض خادم کا یہی ہے نہ کمر اب کھولے
ہو اجازت عوضِ بغض ابھی لیتا ہوں
کاٹ کر سر انہیں قدموں پہ رکھے دیتا ہوں

(۹۰)

کچھ تردّد نہیں ہو لشکرِ جرّار ادھر
سر ہتھیلی پہ لئے ہوں مجھے کس بات کا ڈر
جب تلک میان میں تلوار ہے اور دوش پہ سر
دم کسی کا ہے کہ حضرتؑ پہ کرے تند نظر
کوئی کر سکتا ہے یہ ظلم و ستم ساتھ اپنے
تیغ قبضہ میں نہیں کٹ گئے کیا ہاتھ اپنے

(۹۱)

رو کے شہؑ نے کہا ان ہاتھوں کو رکھے اللہ
ہے امید اس سے زیادہ مجھے خالق ہے گواہ
جاتے ہی سر کو میرے کاٹ نہ لیں گے بدخواہ
اے مرے شیر ابھی سے ہے یہ غصہ کی نگاہ
کوئی مشکل ہے سوئے لشکرِ غدّار آنا
وقت وہ آئے تو تم کھینچ کے تلوار آنا

(۹۲)

عرض کی مجھ سے نہ ہوگا کہ میں دیکھوں یہ ستم
ہے غضب گھیر لے آقا کو سپاہِ اظلم
یہی حسرت تھی کہ ان قدموں پہ نکلے میرا دم
منتظر اب رہوں اُس وقت کا یا شاہِؑ امم
دل پہ اپنے ادھر صدمۂ و ایذا گزرے
جاؤں جب تک نہیں معلوم وہاں کیا گزرے

(۹۳)

رن کی ایک ایک نے حضرتؑ سے اجازت پائی
حملے لاکھوں پہ کئے دادِ شجاعت پائی
اپنے آقا سے ہر اک شخص نے عزت پائی
یہ تو سب ایک طرف دین کی دولت پائی
ضبط تقدیروں پہ ان سب کی مجھے آتا ہے
خادمِ خاص ہی محروم رہا جاتا ہے

(۹۴)

خوں میں جوش آیا مگر آپ سے ناچار رہے
ورنہ سب فوج کٹے اور علمدارؑ رہے
تیغ قبضہ میں ہو اور حسرتِ پیکار رہے
پھر تو بیکار ہے کس واسطے تلوار رہے
دل کے سو ٹکڑے ہوئے ظلم و ستم دیکھنے سے
برچھیاں پڑتی ہیں اب تیغ دو دم دیکھنے سے

(۹۵)

آپ فرمائیں کہ شرمندہ نہ ہوں گے بابا
جس گھڑی خلد میں رو کر یہ کہیں گی زہراؑ
نام اسی کا ہے محبت اسے کہتے ہیں وفا
میرے بچے کو زمیں پر تہِ خنجر دیکھا
ہائے کس وقت میں عباسؑ نے جاں پیاری کی
بھائی نے بھائی سے کیا خوب وفاداری کی

(۹۶)

صدقۂ اکبرؑ کا مجھے رن کی اجازت مل جائے
دولت عز و شرف ان کی بدولت مل جائے
راحت آلام سے ہو اجرِ شہادت مل جائے
منہ سے ہاں کہہ دیں کلید درِ جنت مل جائے
وقت ہے اُمتِ عاصی پہ فدا کرنے کا
آج دن ہے مجھے قدموں سے جدا کرنے کا

(۹۷)

نہ مروں آج تو کچھ زیست کا حاصل ہی نہیں
زور کیا اپنا کہ حضرتؑ کا وہ اب دل ہی نہیں
نام فردِ شہدا میں میرا شامل ہی نہیں
اپنا منہ کوثر و تسنیم کے قابل ہی نہیں
داغ اٹھانے سے تو بہتر وہیں مرجانا تھا
ایسی قسمت تھی تو بیکار یہاں آنا تھا

(۹۸)

زندہ رہ کے ستم فوجِ بد اختر دیکھوں
خیمے لٹتے ہوئے اور جلتے ہوئے گھر دیکھوں
سر سے زینبؑ کے اترتے ہوئے چادر دیکھوں
لوٹتے سیدِ سجادؑ کا بستر دیکھوں
ہو کے مجبور مقید ہوں ستمگاروں میں
ساتھ رانڈوں کے پھروں شام کے بازاروں میں

(۹۹)

اس غم انگیز بیاں نے تو غضب کر ڈالا
پڑ گیا دکھتے ہوئے دل پہ ستم کا بھالا
پھر گیا نظروں میں جو جو کہ تھا ہونے والا
رو کے بھائی سے یہ کہنے لگے شاہِؑ والا
یہ ستم عابدِؑ بیمار پہ پیہم ہوں گے
نہ تمہیں ہوں گے برادر نہ ہم اُس دم ہوں گے

(۱۰۰)

سن کے تقریر یہ عباسؑ دلاور روئے
ہچکیاں بندھ گئیں اتنا علی اکبرؑ روئے
دل کے سو ٹکڑے ہوئے یوں شہِؑ صفدر روئے
کبھی بیٹے کبھی بھائی سے لپٹ کر روئے
نظر اُمت پہ جو کی صبر کے پہلو نکلے
واہ رے ضبط نہ پھر آنکھ سے آنسو نکلے

(۱۰۱)

رو کے بھائی سے یہ کہنے لگے شاہؑ شہدا
خوب حالِ دلِ شبیرؑ سے واقف ہے خدا
کہ ہمیشہ تمہیں اولاد سے بڑھ کر سمجھا
یہی باعث ہے کہ اب تک نہ دیا اذنِ وغا
غم اُٹھانے کا تمہارے نہیں یارا ہے مجھے
جاؤں میں یا علی اکبرؑ یہ گوارا ہے مجھے

(۱۰۲)

خلق میں طرۂ دستارِ شجاعت ہو تم
سالکِ جادۂ اسرارِ محبت ہو تم
جنت و کوثر و تسنیم کی زینت ہو تم
بخدا زیبِ دہ فردِ شہادت ہو تم
قحط ایسا نہ پڑا ہے نہ پڑے گا عباسؑ
اس طرح کوئی لڑا ہے نہ لڑے گا عباسؑ

(۱۰۳)

وہ جہاد آج کرو گے کہ جو دیکھا نہ سنا
سرخرو ماں سے بھی نانا سے بھی ہوں گے بابا
سر سے سینہ کو لگائیں گے رسولؐ دوسرا
رو کے ان شانوں کو چومیں گی جنابِ زہراؑ
سب شہیدوں کو تمہیں دیکھ کے غبطہ ہوگا
وہ تو میں کیا کہوں جو حال تمہارا ہوگا

(۱۰۴)

دل کو تسکین ہوئی اب بھی چلو گے کہ نہیں
ہوں گی سیدانیاں واں مضطر و مغموم و حزیں
دل نہ تھوڑا کرو تم داغ اُٹھائیں گے ہمیں
آؤ ہو جائے گا طے مرحلہ رخصت کا وہیں
تم کو یا اکبرؑ ناشاد کو رخصت دیں گی
جس کو چاہے گی بہن اُس کو اجازت دیں گی

(۱۰۵)

بولے بھائی سے یہ عباسؑ بصد نالہ و آہ
گھر میں جاتے ہوئے شرماتا ہوں خالق ہے گواہ
ٹالنا حکم کا لیکن میں سمجھتا ہوں گناہ
یہی مرضی ہے اگر آپ کی تو بسم اللہ
آپ بابا کی طرح کرتے ہیں شفقت مجھ پر
ہوں غلام آپ کا ہے فرض اطاعت مجھ پر

(۱۰۶)

ذکر کرتے ہوئے قاسمؑ کا بصد یاس چلے
نا امیدی ہوئی ان سے بھی تو بے آس چلے
سو طرح کے غم و اندوہ چپ و راس چلے
پیچھے پیچھے بہ ادب اکبرؑ و عباسؑ چلے
جوں جوں رستہ ہوا طے دل ہوا مضطر شہؑ کا
رہ گیا چند قدم خیمۂ اطہر شہؑ کا

(۱۰۷)

آتے فضہ نے جو دیکھا تو وہاں دی یہ خبر
حرمِ پاک میں آتے ہیں شہؑ جن و بشر
اک طرف بھائی ہے اور ایک طرف نورِ نظر
خیریت ہو مرا آقا ہے جھکائے ہوئے سر
اپنے سایہ میں خدایا حشم و جاہ رکھے
بیٹے جیتے رہیں اس جوڑی کو اللہ رکھے

(۱۰۸)

سن کے یہ جانبِ در بیبیاں مضطر دوڑیں
بانوؑ گہوارہ میں اصغرؑ کو لٹا کر دوڑیں
یا علیؑ کہتی ہوئی دخترِ حیدرؑ دوڑیں
سینہ زن خاک بسر زوجۂ شبرؑ دوڑیں
یہ دعائیں تھیں کہ ہو خیر سے آنا یارب
میرے بچے کو ہر آفت سے بچانا یارب

(۱۰۹)

ماں تڑپتی تھی یہاں با الم و شون و آہ
ذکرِ قاسمؑ میں اُدھر کٹ گئی شبیرؑ کی راہ
در کے پاس آئے جونہی بادشہِؑ عرش پناہ
اُٹھ کے پردہ نے بہ تعظیم کہا بسم اللہ
دولتِ عز و شرف ذرّوں کو یکبار ملی
آپ اِدھر آئے اُدھر کعبہ کی دیوار ملی

(۱۱۰)

آ لئے اکبرؑ و عباسؑ تو با حالتِ زار
ماں نے قاسمؑ کی نظر کی طرف در کئی بار
قلبِ شہؑ ہل گیا بولے یہ بچشمِ خونبار
رستہ کیا دیکھتی ہو ہوگئے اُمت پہ نثار
داغ ان سب کے اُٹھانے کے لئے زندہ ہوں
آج وہ دن ہے کہ ایک ایک سے شرمندہ ہوں

(۱۱۱)

کہہ کے یہ بیٹھ گئے خاک پہ شاہِؑ شہدا
بیبیاں رونے لگیں ہوگیا محشر برپا
جوشِ رقت میں کسی کے نہ رہے ہوش بجا
مادرِ قاسمؑ ناشاد نے سر دے پٹکا
رو کے چلائیں کہ جنگل کو بسایا بیٹا
رانڈ ماں کا بھی تمہیں دھیان نہ آیا بیٹا

(۱۱۲)

گھر بسانے کے مرے دل میں بڑے تھے ارماں
نام پہ بیاہ کے ہو جاتی تھی شاداں مری جاں
دن گنا کرتی تھی تم ہو کہیں جلدی سے جواں
انہیں ذکروں میں رہا کرتی تھی غلطاں پیچاں
کیسا مضبوط تھا دل تھا جو سہارا بیٹا
اب کس امید پہ کاٹوں گی رنڈاپا بیٹا

(۱۱۳)

روٹھ کے مجھ سے کہاں آج سدھارے آؤ
میرے مرقد کے چراغ آنکھوں کے تارے آؤ
میری جاں میرے کلیجے میرے پیارے آؤ
آؤ اے ماں کے رنڈاپے کے سہارے آؤ
کس کی باتوں سے اب اپنے تئیں بہلاؤں گی
دل جو تڑپے گا تو کیا کہہ کے میں سمجھاؤں گی

(۱۱۴)

ہو گئے جیتے ہی جتھیار تم اب ایسے نڈر
یہ سفر دور کا طے ہوگا مری جاں کیوں کر
ملنے آ جاتے تو لے لے کے بلائیں مادر
پھونک دیتی ترے بازو پہ دعائیں پڑھ کر
ماں تھی ارمان بھری لاش جو آتی پیارے
تیری میت ہی کو چھاتی سے لگاتی پیارے

(۱۱۵)

ان کے پہلے تو ایسے نہ تھے مادر ہو فدا
آج کیا ہے کہ نہیں کرتے سماعت اصلا
سن یہ کچھ زخم یہ اور اس پہ یہ جنگل کی ہوا
ٹیسیں پڑ جائیں گی گھر میں چلے آؤ بیٹا
اور کیا بس کہ ہے محتاج دوا کی پیارے
پٹیاں باندھتی ماں اپنی ردا کی پیارے

(۱۱۶)

لوگ کہتے ہیں کہ اس سن کی نہ ٹوٹے کونپل
کاش آجاتی تمہیں بسترِ راحت پہ اجل
ہائے یہ دھوپ یہ لو اور یہ میداں چٹیل
ریگ پہ سوتے ہو کھائے ہوئے برچھی کا پھل
صدقے مادر ہو یہی شان ہے جرّاروں کی
نعشِ صد پاش پہ بھی چھاؤں ہے تلواروں کی

(۱۱۷)

قبر کی رات ہوا کرتی ہے پہلی بھاری
دشت یہ وہ ہے کہ ہو اور بھی ہیبت طاری
خون کی بو پہ درندے اگر آئیں واری
نہ دہلنا کہ شہیدوں پہ ہے فضلِ باری
تیری حالت پہ وہ سب رو کے چلے جائیں گے
ڈر لگے گا جو تجھے شبیرؑ خدا آئیں گے

(۱۱۸)

پرسہ دے کر اُٹھے عباسؑ علی اور اکبرؑ
دے کے تسکین کہا شہؑ نے یہ بادیدۂ تر
کہتے ہم تم سے کہ سمجھو علی اکبرؑ کو پسر
ان کے بچ جانے کی ہوتی ہمیں امید اگر
دل کا جو حال ہے اس وقت خدا عالم ہے
جانے والے ہیں یہ بھی جہاں قاسمؑ ہے

(۱۱۹)

سن کے یہ دنگ ہوئیں بھول گئیں آہ و بکا
دیکھ کر منہ شہؑ والا کا یہ خواہر نے کہا
پرسہ دینے میں بھلا فرض تھا کیا ذکر ان کا
قابل بد ان کی زباں سے نہ نکلا او بھیا
یوں تو جو چاہے کرے ہے وہی مالک سب کا
قلب قابو میں نہیں ہل گیا دل زینبؑ کا

(۱۲۰)

شہؑ نے فرمایا کہ ہاں تم کو نہیں اس کی خبر
دیکھ کر میت قاسمؑ یہ ہوئے تھے مضطر
ظاہر اُس وقت کی باتوں سے ہوا عزم سفر
یہ تو یہ مرنے پہ عباسؑ نے باندھی ہے کمر
جو مرا حال ہے پوچھے کوئی میرے دل سے
پرسہ دینے کو بھی یہ آئے ہیں بڑی مشکل سے

(۱۲۱)

ان کو زیبا ہے کہ اس وقت میں یہ منہ موڑیں
ہو کے ہم خاک بسر چار طرف سر پھوڑیں
غم میں ان کے ہو کمر خم تو یہ بازو توڑیں
یہی مرضی ہے تو بہتر ہمیں تنہا چھوڑیں
دل میں یہ غور کریں خلد کے جانے والے
ایسے ہوتے ہیں کہیں لاش اُٹھانے والے

(۱۲۲)

چھوٹے بھائی سے کہا حضرتِ زینبؑ نے کہ ہاں
سچ کہا سچ کہا بھائی نے بہن ہو قرباں
ایک اگر قوتِ بازو ہے تو ایک راحتِ جاں
دل یہ چاہے گا کہ ہو جائیں یہ نظروں سے نہاں
گھاؤ جب قلب پہ کھاتے ہیں وہی کیا کم ہیں
جن سے مضبوط ہے دل اب وہ بھی دو دم ہیں

(۱۲۳)

آئی ناگاہ سکینہؑ کے بلکنے کی صدا
بولے گھبرا کے علمدار شہؑ ہر دوسرا
دیکھیئے پیاس سے بچی کوئی شاید رویا
کہا زینبؑ نے بھتیجی ہے تمہاری بھیا
صبح سے آج یونہی اشکوں سے منہ دھوتی ہے
جاں بلب پیاس سے ہے پیٹتی ہے روتی ہے

(۱۲۴)

عرض کی زینبؑ ناشاد سے بادیدۂ تر
آپ فرمائیں کہ یہ حال میں دیکھوں کیوں کر
سن کے رونے کی صدا چل گیا دل پر خنجر
ہم ہوں اور پیاس کی ایذا ہو یہ معصوموں پر
پانی لے آئے جو عباسؑ کو رخصت مل جائے
پیاس کا صدقہ سکینہؑ کی اجازت مل جائے

(۱۲۵)

بنتِ زہراؑ نے کہا رو کے برادر جاؤ
خون کے پیاسوں میں اے جانِ حیدرؑ جاؤ
داغ اُٹھائے گی تمہارے بھی یہ خواہر جاؤ
اے مددگار شہؑ بے کس و بے پر جاؤ
راہِ معبود میں اپنے تئیں قربان کرو
پیاس پر بالی سکینہؑ کی فدا جان کرو

رباعی

صد شکر کہ تقدیر رسا آج ہوئی
یہ نظم مری نظمؔ کی سرتاج ہوئی
کی مدحت مداحِ نبیؐ شاہ دکن
منبر پہ ملا اوج یہ معراج ہوئی

رباعی

قائم رہے سر پہ ذوالمنن کا سایا
ہے زینتِ تاجِ پنجتنؑ کا سایہ
ابرِ کرم و رحم ہیں اعلیٰ حضرت
ہم سب پہ رہے شاہ دکن کا سایا

رباعی

آئینہ مملکت کے جوہر ہیں یہ
کم ہے جو کہوں فخرِ سکندر ہیں یہ
کیا رتبہ بیاں کروں میں اللہ اللہ
مداحِ دل و جانِ پیمبرؐ ہیں یہ

(یہ رباعیات حیدرآباد دکن میں نواب میر عثمان علی بہادر کے حضور میں پڑھی گئیں)

سلام

کوئی کہہ سکتا تھا اُمت پر فدا ہو جائیں گے
ڈوبتے بیڑے کے اصغرؑ ناخدا ہو جائیں گے
جب نمایاں چشم میں اشکِ عزا ہو جائیں گے
دل کے آئینے کے جوہر آئینہ ہو جائیں گے
کیا خبر تھی مال و زر لٹنے کے بعد اے کربلا
چادرِ تطہیر والے بے ردا ہو جائیں گے
ے کدہ پہونچیں گے ہے دل میں جو پینے کی امنگ
ولولے بڑھ کر نجف کے رہنما ہو جائیں گے
عاصی و خاطی کو مل جائے گی تھوڑی سی جگہ
دفن تجھ میں ہم بھی کیا اے کربلا ہوجائیں گے
عاصیوں کے ذکر پر بچپن میں کہتے تھے حسینؑ
ذبح ہوتے وقت مصروفِ دعا ہو جائیں گے
ہوگا مر مٹنے پہ بھی اعجازِ حُبِ اہلِ بیتؑ
خاک ہو کر قبر میں خاکِ شفا ہو جائیں گے
دل قوی ہے کیا بتائیں گے مرا منکر نکیر
ان سے پہلے قبر میں مشکل کشا ہو جائیں گے
کہہ کے یہ کرتی ہیں تر رومال اشکوں سے بتولؑ
میرے بچے کے یہی آنسو دوا ہو جائیں گے
باگ لی عونؑ و محمدؑ نے تو بچپن بول اُٹھا
چلتی دو پھول ہیں تازی ہوا ہو جائیں گے
تھام کر دامن سکینہؑ نے کہا میرے چچا
لایئے پانی نہیں تو ہم خفا ہو جائیں گے

مرثیہ

سب سے مل جل کے کہا آؤ سکینہؑ آؤ

درحالِ حضرت عباسؑ

سنہ تصنیف

1926

سب سے مل جل کے کہا آؤ سکینہؑ آؤ

سب سے مل جل کے کہا آؤ سکینہؑ آؤ
آؤ بس ہو چکا روؤ نہ گلے لگ جاؤ
رو کے وہ بولی کہ چچا تو نہ مجھے بہلاؤ
میں تو جب جانوں تحت ہے کہ پانی لاؤ
پیاس بھر کے بھی پیئوں میں تو سزا دو مجھ کو
اپنے ہی ہاتھ سے دو گھونٹ پلا دو مجھ کو

(۲)

بھر کے اشک آنکھوں میں فرمایا کہ اے راحتِ جاں
پانی ہوتا تو تمہیں دیکھتے یوں تشنہ دہاں
بھولی باتوں پہ تری جان چچا کی قرباں
لائے پانی کوئی مشکیزہ تو تم لاؤ یہاں
آئے جب آپ ہمیں بھول نہ جانا بی بی
اپنے ہاتھوں سے تم ہی سب کو پلانا بی بی

(۳)

سُن کے یہ چپ ہوئی چہرے پہ بشاشت چھائی
تھی جو بے تاب، اٹھی اور بہ عجلت لائی
دے کے مشکیزہ گلے لگ گئی وہ شیدائی
گود میں لے کے کھڑے ہو گئے رقت آئی
نہ ہوئی تابِ توقف جو دلِ مضطر کو
جھک کے تسلیم کی شبیرؑ کو اور خواہر کو

(۷)

ساتھ اک عمر کا چھٹنے کو ہے پھٹتے ہیں جگر
اور اُمنڈ آئے ہیں دل خیمہ سے آ کے باہر
جھکتے ہیں حضرت عباسؑ علی قدموں پہ
شاہؑ سینے سے لگا لیتے ہیں ہاں ہاں کہہ کر
ہے جدائی کی گھڑی ہوتے ہیں ٹکڑے دل کے
روتا ہے بھائی سے بھائی جو گلے مل مل کے

(۸)

اذن لے کر جو بڑھے جانبِ شبدیز جناب
تھامنا چاہی بہ عجلت علی اکبرؑ نے رکاب
روک کر اُن کو فرس پر ہوئے اسوار شتاب
رانیں مَس ہوتے ہی ہونے لگا گھوڑا بے تاب
اب سکوں بار ہے دم بھر نہیں دم لیتا ہے
اپنی بے چینیاں قدموں سے دکھا دیتا ہے

(۹)

بھر کے اک آہ سنبھل بیٹھے جنابِ عباسؑ
کئے پاک اشک چھپی صورتِ رنج و غم و یاس
زور تسموں پہ دیا، دیکھیں رکابیں چپ و راس
ایڑ دی، رخش بڑھا، شیر سا بے خوف و ہراس
گرد اٹھی ٹاپوں کی تا دور صدا جانے لگی
بجلی اک کوندتی جنگل میں نظر آنے لگی

(۱۰)

متواتر یہ خبر دیتے تھے جاسوس اُدھر
غازیؑ آتا ہے یوں ضیغمِ یزداں کا پسر
خشک لب پیچ بہ جبیں تیغ کے قبضہ پہ نظر
شیر کا رخ اسی جانب ہے ترائی ہے جدھر
جو پھریرا کہ ابھی دور نظر آتا ہے
ہم سمجھتے ہیں کہ دریا ہی پہ لہراتا ہے

(۱۱)

برچھی تانے رہیں نہر پہ جو ہیں جرار
نہ رہے آگے سواروں کے پیادوں کی قطار
نئی بھرتی کا نہ ہو ایک بھی پیدل نہ سوار
خوب سمجھے ہوئے ہوں فوج کے سارے راہوار
ہمہمہ کر کے وہ ضیغم جو ادھر آئے گا
گھوڑے بھڑکیں گے تو سب کام بگڑ جائے گا

(۱۲)

کچھ یہ کہتے ہیں کہ اب جان بچانا ہے محال
بھاگو بھاگو نہ کرو ان سے لڑائی کا خیال
جنگ کیسی کہ نہیں آنکھ ملانے کی مجال
اسدُاللہ کے تیور ہیں وہی رعب و جلال
چتونوں میں کشش قہر و غضب پاتے ہیں
صاف وہ شیر ترائی میں نظر آتے ہے

(۱۳)

فرطِ ہیبت سے جو بگڑا ہے نظامِ لشکر
پسرِ سعد شقی کانپ رہا ہے تھر تھر
کسی افسر کو نہیں اپنے رسالے کی خبر
ابتری کا ہے سواروں کی پیادوں پہ اثر
سر کے جاتے ہیں جری ہاتھوں میں تلواریں ہیں
اب صفیں فوج کی کھلتی ہوئی دیواریں ہیں

(۱۴)

صورتوں سے ہیں غم و یاس کے آثار عیاں
مردنی چھائے ہوئے چہرے ہیں ہونٹوں پہ ہے جاں
منتشر فوج کا میدان میں طرفہ ہے سماں
دس ادھر پانچ اُدھر آٹھ یہاں چار وہاں
ہر طرف ذکر یہی اور یہی چرچا ہے
رنگ اب ٹھیک نہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے

(۱۵)

شمر کہتا ہے کہ پہلے سے مجھے تھا یہی ڈر
کوششیں میں نے بہت کیں کہ یہ آجائیں ادھر
چھوڑتا حضرت شبیرؑ کا دامن کیوں کر
ہاتھ میں دیں گئے ہیں ہاتھ جنابِ حیدرؑ
شیر یہ قوتِ بازوئے شہِؑ والا ہے
اس کو حیدرؑ نے اسی دن کے لئے پالا ہے

(۱۶)

دم میں ہُو مارتا یہ دشت یہ صحرا ہوگا
لہریں لیتا ہوا یاں خون کا دریا ہوگا
گھاٹ کا روکنا اس وقت نہ اچھا ہوگا
بھاگو یہ شیر کئی روز کا پیاسا ہوگا
جان بچ جائے گی تم سب کی ادھر آنے سے
غصہ کم ہوگا ترائی کی ہوا کھانے سے

(۱۷)

منتشر ہیں وہ سوا پیک جو لاتے ہیں خبر
اپنے افسر کا ادب تک نہیں غالب ہے یہ ڈر
شانِ آمد کے تصور سے ہے حالت ابتر
خبریں دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں مڑ مڑ کر
نام جب حضرت عباسؑ کا آ جاتا ہے
کہنے لگتے ہیں ہر اک بات پہ شیر آتا ہے

(۱۸)

نظریں اٹھ جاتی ہیں سب فوج کی ہو کر حیراں
پھر کہتے ہیں کہاں ہے تو یہ کہتے ہیں جواں
دیکھو وہ دیکھو نمودار دھواں سا ہے جہاں
گرد میں ہوتا ہے رہ رہ کے وہ پنجہ تاباں
بات کہتے میں قریب اور ہوا جاتا ہے
وہ نشاں ہے وہ پھریرا وہ سمند آتا ہے

(۱۹)

آتے ہی شیر سد اللہ کا گونجا رن میں
ایک سناٹے کا عالم ہوا سارے بن میں
رعشہ دہشت سے پڑا پیل تنوں کے تن میں
دم نہ اسوار میں تھا اور نہ کسی توسن میں
منزلوں تک نہ درندے بھی نکل سکتے تھے
گھوڑے سہمے تھے کنوتی نہ بدل سکتے تھے

(۲۰)

دم بدم جھوم کے نعرے تھے کہ اے لشکرِ شام
روئیں شیروں کے کھڑے ہوتے ہیں سُن کر مرا نام
ہوں میں عباسؑ اسد ربِّ علا کا ضرغام
جن کے لوہے کو ہیں مانے ہوئے اعراب اعجام
وہ جری جن کو ولی ابنِ ولی کہتے ہیں
چوم کر تیغ کے قبضہ کو علی کہتے ہیں

(۲۱)

ہوں غلام اُس کا جو ہے حاملِ اندوہ و تعب
کربلا آنے سے مظلوم ہوا جس کا لقب
ہے حسینؑ ابنِ علیؑ فخرِ شجاعانِ عرب
قدمِ اسلام کے تھراتے تھے جس کے سبب
روحِ احمدؐ کی کہو فاطمہؑ کی جان کہو
جس کو ناطق کیا خالق نے وہ قرآن کہو

(۲۲)

بچھڑے شیروں کا علمدار ہوں غم خوار بھی ہوں
پیاسے معصوموں کی الفت میں گرفتار بھی ہوں
زیست درکار ہے گو جان سے بے زار بھی ہوں
مشک بھی بھرنا ہے لڑ مرنے پہ تیار بھی ہوں
لاشے مقتل میں ہیں کچھ جوش دلانے کے لئے
بچے مچلے ہوئے ہیں پانی کے لانے کے لئے

(۲۳)

غیر ممکن ہے ہر اک میری مصیبت جانے
وہ سمجھ سکتا ہے جو جذبۂ فطرت جانے
مانے قرآن کو احکامِ شریعت جانے
فرض ہر طور سے آقا کی رفاقت جانے
ہو غلامِ شہِ کونین وفا رکھتا ہو
جام دل کا مئے الفت سے بھرا رکھتا ہو

(۲۴)

لال نازوں کے پلے ساتھ ہوں جرار بھی ہو
غیر کا دشت ہو بند آب ہو بے یار بھی ہو
زندگی پیاس سے معصوموں کی دشوار بھی ہو
طلبِ آب میں دشمن سے اُسے عار بھی ہو
تیغ کیا کھینچے گا قابو میں نہ جب دل ہوگا
لڑنا نامردوں سے جرار کو مشکل ہوگا

(۲۵)

کٹتے سر سیکڑوں ایک ایک دلاور کے لئے
لڑ کے مر جاتا میں اُجڑے ہوئے لشکر کے لئے
پانی لینا ہے مگر شاہؑ کی دختر کے لئے
بے بسی ہے اسی بیٹی کی غضنفر کے لئے
رشتہ امید کا ہر سانس سے یوں باندھا ہے
اس نے رو رو کے دیا ہے یہ وہ مشکیزہ ہے

(۲۶)

شیر استادہ ہے جکڑا ہوا زنجیروں میں
پھر بھی بڑھنے کی نہیں ہمتیں بے پیروں میں
جان تن میں نہیں یا دم نہیں شمشیروں میں
ہو چکی دور ہی سے دیر ہے کیوں تیروں میں
ٹوکو تو رخ کرے لشکر کی صفائی کی طرف
دل کھنچا جاتا ہے ضیغم کا ترائی کی طرف

(۲۷)

کیا مجال ہے قدم لشکرِ جاہل کے بڑھیں
برچھے تانے ہوئے مضبوط جو ہوں دل کے بڑھیں
روک لیں بڑھ کے کہیں مورچے ساحل کے بڑھیں
جرأتِ شیر یہ کہتی ہے کہ سب مل کے بڑھیں
بھاگتے پھرتے ہوں وہ خوں میں شرابور جو ہوں
ہو تگ و دو میں فشار اُن کا لبِ گور جو ہوں

(۲۸)

ہر طرف برق جہندہ ہو فرس رانوں میں
آئے تیغوں کی شپا شپ کو صدا کانوں میں
حملے شیرانہ ہو نیزوں کے نیستانوں میں
ہو دہائی بھی دریا کے نگہبانوں میں
لاش ہی لاش ہو ہُو مارتا یہ صحرا ہو
اسداللہ کے ضیغم کا وہاں پہرا ہو

(۲۹)

شمع کی لو کے مرقع ہیں سنانیں یہ نہیں
سوختہ خار ہیں تیروں کی زبانیں یہ نہیں
بگڑی تصویریں ہیں ابرو کی کمانیں یہ نہیں
جکڑی زنجیریں ہیں ہاتھوں میں عنانیں یہ نہیں
پھینک دو کھول کے تیغیں کہ خرد باختہ ہو
فکر سپاہانہ دکھاؤ سپر انداختہ ہو

(۳۰)

طعن آمیز یہ فقرے تھے سنانوں سے بھی تیز
ٹکڑے ٹکڑے جگر و قلب ہوئے قبل ستیز
دل ہلے سُن کے جو تقریرِ شجاعت آمیز
جان کا خوف بڑھا کر گئے نامرد گریز
پست ہمت ہوئے کوئی نہ پئے جنگ بڑھا
پسرِ سعد شقی دیکھ کے یہ رنگ بڑھا

(۳۱)

اُن سے کچھ دور کھڑے ہو کے یہ بولا مکار
کیوں کر اُس فوج کو دوں آپ سے حکمِ پیکار
جس میں ہوں شمر کے ماتحت رسالے کے سوار
حکمِ شاہی سے مگر زور نہیں ہوں ناچار
دھیان سے میرے فقط کچھ نہیں ہو سکتا ہے
سوچیے پاس و خیال آپ کو بھی زیبا ہے

(۳۲)

شمر بھی آپ کا کوئی ہے یہ بھائی ہیں اگر
جنگ کرنا نہیں زیبا ہے مخالف ہو کر
اک طرف سے ہوں بُرے، جان کا ہو مفت ضرر
یہی انسب ہے کہ لڑیے نہ اِدھر اور نہ اُدھر
شاق رنج ان کا بھی ہو بار ملال ان کا بھی
پاس ان کا بھی رہے اور خیال ان کا بھی

(۳۳)

آرہے ہیں متواتر کئی دن سے یہ پیام
ظلم و سختی سے کرو جنگ بہت جلد تمام
بند ہو آب رواں اور جلیں شہؑ کے خیام
قتل بچے ہوں لٹیں قید ہوں ناموسِ امامؑ
جو کوئی حال پہ بیکس کے ترس کھائے گا
حاکمِ شام کا اس پر بھی عتاب آئے گا

(۳۴)

بیٹھیے آپ اِدھر آکے بہ عیش و آرام
نوش فرمائیے موجود ہے یاں آب و طعام
سخت دشوار ہے اب فتح شہنشاہِ انامؑ
جان خطرے میں پھنسانے کا شجاعت نہیں نام
وہ لڑے، لڑنے کو حاکم سے جو بہتر جانے
جیسا ہو جانیں امامؑ اور یہ لشکر جانے

(۳۵)

شہؑ سے یا کہیے کریں بیعتِ حاکم منظور
دخل کچھ اُن میں نہ دیں سلطنتی ہیں جو امور
ڈالنا تہلکہ میں جان کا ہے عقل سے دور
ورنہ لکھ لیجیے یہ ہوگی شکست آج ضرور
دیکھیے سیکڑوں جرار ہیں اور صفدر ہیں
اُس طرف کون ہے اب آپ ہیں یا اکبرؑ ہیں

(۳۶)

کہہ کے لاحول یہ فرمایا کہ بس روک زباں
رحم کھا شمر کے باعث سے نہ تو او شیطاں
پاس ملحد سے میں چھوڑوں شہؑ دیں کا داماں
دوں نجس ہاتھوں میں کفار کے ناطق قرآں
بیٹھ کر کھاؤں پیوں چین سے غداروں میں
اور پیمبرؐ کا کلیجہ رہے تلواروں میں

(۳۷)

پاسِ حکم اُس کا ، جو ہے بانیٔ ظلم بے داد
جس کی شاہی کی ہے پیاں شکنی پر بنیاد
دھیان کچھ اُس کا نہیں او ستم آرا جلّاد
ہے جو شاہِ دو جہاں تیرے نبیؐ کی اولاد
زر کی امید میں ہے ظلم و جفا سے مطلب
نہ قیامت کا ہے کھٹکا نہ خدا سے مطلب

(۳۸)

نہر لہراتی رہے جاں بہ لب اصغرؑ ہو جائے
تشنہ لب قتل ہر اک شیرِ دلاور ہو جائے
نہر پانی سے اگر حلق میرا تر ہو جائے
دم نکلنے کی جو ایذا ہے فزوں تر ہو جائے
پیاسا دم توڑنے کا دل میں تاسف نہ کروں
ہو اگر نہر یہ کوثر بھی تو میں تف نہ کروں

(۳۹)

جانے کیا ہم سے شجاعوں میں ہے ہمت کیسی
ملتی ہے تیغوں کے پھل کھانے سے لذت کیسی
درد جب آپ دوا ہو تو اذیت کیسی
اٹھنا دنیا سے شہادت ہے ہلاکت کیسی
جو جو کام آگئے مردہ نہ وہ کہلائیں گے
رزق دروازۂ رحمت سے سدا پائیں گے

(۴۰)

ان کی تیغوں کی رہیں تا بہ ابد جھنکاریں
ہوں‌گی اب اور نہ ہوئیں ایسی کبھی پیکاریں
ان میں کفاروں کی چمکے گی نہ اب تلواریں
ہاشمی خون کی بے کار نہ ہوگی دھاریں
جھنڈا اسلام کا اُس اوج پہ لہرائے گا
کہ ہر اک گوشۂ دنیا سے نظر آئے گا

(۴۱)

سوجھے کیا تجھکو، کدھر حق ہے کدھر ہے باطل
ارے بیعت کریں ظالم کی امامِ عادل
کہتا ہے فتح نہ ہوگی، ہے جدل لا حاصل
فعلِ معصومؑ عبث ہوتا ہے کیوں او جاہل
قید ناموس ہوں اسباب لُٹے گھر جل جائے
فتح یہ ہو کے رہے حلق پہ خنجر چل جائے

(۴۲)

اس سے پہلے کے جہادوں کی رہی شان جدا
ہیں وہ میدان جدا اور یہ میدان جدا
کربلا کا ہے جہاد اس کا ہے عنوان جدا
وقت کو دیکھ کے رحمت کے ہیں سامان جدا
آج اس طور سے دشمن پہ ظفر پائیں گے
بے کسوں پاس ہے جو کچھ وہ لٹا جائیں گے

(۴۳)

درد دکھ ذلت و توہین و مصیبت آلام
ہیں یہ سب کوشش اس کی ہو بقائے اسلام
کامیابی کے ہیں آثار شہادت کے پیام
دینِ احمدؐ رہے قایم ہے یہی فتحِ امامؑ
ہے شکست اپنی اگر آج تو بس بیعت ہے
آخری کفر اور اسلام کی یہ حجت ہے

(۴۴)

آج حیدرؑ سا نہ فاتح نہ ہے صفدر فاتح
تھے نہ ایسے کبھی ہمراہ پیمبرؐ فاتح
پیاسے بچے بھی ملا کر ہیں بہتر فاتح
حد شجاعت کی یہ ہے ہیں علی اصغرؑ فاتح
ہے جدا شانِ جہاد اس میں سبھی فاتح ہیں
ناتواں عابدؑ و ناموسِ نبیؐ فاتح ہیں

(۴۵)

دیں کے شاہوں کی یہی فتح نہیں او بے پیر
قتل و غارت ہو اسیری ہو بہ زورِ شمشیر
حق جو ہے ساتھ تو ہیں درد بھی ان کے اکسیر
ہے ظفر ہوئے شہادت کہ لٹیں یا ہوں اسیر
مقتدر ہونے پہ ڈرتے بھی کبھی کھاتے ہیں
بے کسی عاصیوں کی دیکھ کے رہ جاتے ہیں

(۴۶)

تو سمجھتا ہے حسینؑ آئے لڑائی کے لئے
ہے غلط آئے ہیں وہ وعدہ وفائی کے لئے
قید ہیں نرغہ میں امت کی رہائی کے لئے
چپ کے ہیں صبر کی دنیا پہ خدائی کے لئے
قصہ لشکر کا جو چاہیں تو ابھی پاک کریں
ذرّے بے حس بھی اٹھے اٹھ کے تہِ خاک کریں

(۴۷)

جنگ کے دھیان سے بالغرض جو سرورؑ آتے
اس علالت میں بھلا عابدؑ مضطر آتے
مانا یہ سینہ سپر ہونے کو اکبرؑ آتے
کس لئے آتے حرم کیوں علی اصغرؑ آتے
سعی سامانِ وغا حسبِ ضرورت کرتے
یوں مصر ہوکے نہ انصار کو رخصت کرتے

(۴۸)

ہیں یہ آثارِ غضب فتح کے عنواں نہ سمجھ
دوزخی شعلے سمجھ بزمِ چراغاں نہ سمجھ
قتل کو حضرتِ شبیرؑ کے آساں نہ سمجھ
عرصۂ حشر سمجھ جنگ کا میداں نہ سمجھ
آخری دین کی تکمیل کی منزل ہے آج
صبرِ شہؑ ظلمِ یزیدی کے مقابل ہے آج

(۴۹)

آزمایش تو کرے گھیر کے لشکر تجھکو
کس لئے کہتے ہیں سب جانِ حیدرؑ تجھکو
کثرتِ فوج سے دھمکاتا ہے خودسر تجھکو
شیر سے بڑھ کے سمجھتے ہیں غضنفر تجھکو
مرمٹوں جب بھی مرے غصے سے تھرائیں گے
مرے مدفن کی بھی جھوٹی نہ قسم کھائیں گے

(۵۰)

دیکھے صف بستہ جواں، بڑھتے قدم بھی دیکھیں
زورِ بل بازوؤں کے تیغوں کے دم بھی دیکھیں
اپنی جاں بازیاں سب اہلِ ستم بھی دیکھیں
اسنے لشکر میں جری کون ہے ہم بھی دیکھیں
بھاگنا فوج کا ہر افسر بدخو دیکھے
کون ادھر ہے یہ سمجھنے کا مزا تو دیکھے

(۵۱)

حملے شیرانہ کوئی آڑ سے تکتا ہوا ہو
پچھلے پیروں کوئی دہشت سے سرکتا ہوا ہو
نکلے دم اور شکار اپنا پھڑکتا ہوا ہو
خون برچھوں سے تنائی پہ ٹپکتا ہوا ہو
خوب ہے جدوکد اس وعدہ وفائی میں جو ہو
شیر کو موت بھی پیاری ہے ترائی میں جو ہو

(۵۲)

چپ ہوا سنتے ہی یہ کچھ نہ دیا اُس نے جواب
دوزخی تھا وہ لعیں سوجھتی کیا راہِ ثواب
غیظ غصے میں جو پلٹا طرفِ فوج شتاب
مستعد ہر جدل ہوگئے سب خانہ خراب
منہ جو ملعون کا افواجِ خطا نے دیکھا
قبضۂ تیغ اسد شیرؑ خدا نے دیکھا

(۵۳)

طبل نے دی یہ صدا جنگ کی نوبت آئی
چل کے تیروں نے کہا فوج کی شامت آئی
آستیں الٹی قدم چومنے نصرت آئی
شان اُس وقت کی بول اٹھی قیامت آئی
کھنچتے ہی تیغ اوڑے سر رعب بے جا الٹی
تھے جو شہپر ہوئی خیر نہ دنیا الٹی

(۵۴)

خوں سے رنگیں جو ہوئی تیغ پری بن کے چلی
دم میں لاکھوں کے گلے کٹ گئے جب تن کے چلی
پرزہ کرتے ہوئے گر بکتر و جوشن کے چلی
کرکے اسوار کو دو زین پہ توسن کے چلی
کاٹ کر رخش کو جب سوئے زمیں آتی ہے
یا علیؑ کہتے ہیں طبقے تو یہ رک جاتی ہے

(۵۵)

جھک کے ملتی ہے گلے کاٹتی ہے سر تلوار
دست و بازو کے دکھا جاتی ہے جوہر تلوار
زد پہ آجائے اگر کاٹ دے پتھر تلوار
وہ کہاں برق میں رکھتی ہے جو لنگر تلوار
کیوں گراں قدر نہ ہو کیوں نہ ہو شہرت اس کی
ضربتِ ابنِ یداللہؑ ہے ضربت اس کی

(۵۶)

حق میں کافر کے ہوائے دمِ شمشیر ہے قہر
دھار کہئے نہ یہ بحرِ غضبِ حق کی ہے لہر
پانی وہ پانی جو دشمن کے لئے قاتل زہر
چھوٹیں ہیں آب میں ہے تیغ چھلکتی ہوئی نہر
جتنے جوہر کے جو ہر بار جھلک جاتے ہیں
تارے ڈوبے ہوئے پانی میں نظر آتے ہیں

(۵۷)

رخش کے ٹھاٹھ وہ ہیں شیرِ نیستاں کہیے
دیکھ کر اوڑتے ہوئے تختِ سلیماں کہئے
کم سے کم برق مجسم دمِ جولاں کہیے
ذہن تھک جائے اگر قدرتِ یزداں کہئے
نظریں شوقینوں کی اٹھتی ہیں جدھر پھرتا ہے
چشمۂ نور ابلتا ہے کہ کف گرتا ہے

(۵۸)

ہوش پریوں کے اوڑیں اوڑنے میں انداز ایسا
مرمٹے چال پہ معشوق قدم باز ایسا
بیٹھے عباسؑ سا اسوار سرفراز ایسا
زیرِ سُم جادۂ حق رہتا ہے ممتاز ایسا
حشم تختِ سلیماں سے حشم برتر ہے
علمِ فوجِ خدا سایہ فگن سر پہ ہے

(۵۹)

سایا پڑ جائے اگر ابر کو نسیاں کر دے
پھول غنچوں کو کرے پھولوں کو خنداں کر دے
ہو عرق ریز تو جنگل یہ چراغاں کر دے
ناز رفتار سے معشوقوں کو حیراں کر دے
سمِ ایجادوں کا ہر گام پہ چہرہ اترے
جب پڑے نقشِ قدم حشر کا نقشہ اترے

(۶۰)

عاشقِ آلِ نبیؐ بغض ہے بے پیروں سے
کوشش آپ میں غافل نہیں تدبیروں سے
جاتا ہے بچتا ہوا نیزوں سے شمشیروں سے
برچھوں اوڑتا ہے کہ مشکیزہ بچے تیروں سے
رحمت اللہ کی ہے ساتھ یہ وہ گھوڑا ہے
پیاسے بچوں کا خیال اس کے لئے کوڑا ہے

(۶۱)

دن ہوا ڈھالوں سے تاریک یہ اندھیر بڑھا
ہر طرف لاشوں کا انبار بڑھا ڈھیر بڑھا
چل تن تیغ سے ہوتے جو گئے زیر بڑھا
وہ دبی فوج ترائی کی طرف شیر بڑھا
پٹے جراروں کے کائی کی طرح پھٹتے تھے
بڑھتے تانے تھے مگر، پچھلے قدم ہٹتے تھے

(۶۲)

برق جولاں ہے فرس اوج پہ ہے ابرِ غبار
جگمگاتے ہوئے ذرّوں میں ہے تاروں کی بہار
شب میں ڈھالوں کی چمکتی ہے ہلالی تلوار
کیوں ہیں چپ، بادہ پرستوں میں ہو ساقی کی پکار
ہاں جمے رنگ لپکتا ہوا سبزہ بھی ہے
چاندنی رات بھی ہے ابر بھی دریا بھی ہے

(۶۳)

خندۂ برق وہاں ہے، ہو یہاں خندۂ جام
ہوتے ہیں خوں میں شرابور ادھر بد انجام
تر بہ تر ہوں مئے عرفاں سے ادھر رند تمام
مژدہ ہوں خلد کے یاں نار کے واں ہوں پیغام
ہو اُدھر شور اماں فوج کے مکاروں میں
اس طرف نعرے ہوں صلوات کے مئے خواروں میں

(۶۴)

ساقیا روح ہے بے چین بس اب ساغر دے
مئے عرفاں کا مجھے جام سرِ منبر دے
بڑھ گئی آج کھٹک زخم زباں کے بھر دے
چپ رہا تیرے سہارے پہ تسلی کر دے
جوشِ خوں جوش سے بادہ کے عیاں ہے ساقی
دودِ مئے ہے کہ مرے دل کا دھواں ہے ساقی

(۶۵)

ہے تری بذل و عطا سے ہے زمانہ آگاہ
میکش اب اور بڑھے بزم میں ماشاءاللہ
کل بھی پی مئے سرِ جوش یہ منبر ہے گواہ
آج بھی مجھ پہ رہے خاص عنایت کی نگاہ
سب کی نظریں ہیں ادھر بات میری رکھ لینا
جو مرے منہ کو لگا ہے وہی بادہ دینا

(۶۶)

جس کے پینے سے گناہوں کا ہو دفتر سادہ
حکمِ خالق سے بنایا جو گیا وہ بادہ
نظر میں جس کے نہیں چھوٹتا حق کا جادہ
جس سے خوش رنگ اطاعت کا ہوا سجادہ
جو ہر ایک مرحلہ آسان کرے عقبیٰ میں
جس کے پینے کے لئے آئے ہیں سب دنیا میں

(۶۷)

آ بہی جس کی ہر اک بوند میں جنت کی شمیم
نور سے جس کے اُسے جانا ہے رحمٰن و رحیم
جلوہ جس بادہ کا دیدار خدا سمجھے کلیم
کیف جس مئے سے اٹھایا کئے ہیں ابراہیم
آنکھیں تلووں سے رو صبر و رضا ملتی ہے
جس کے پینے سے کلیجہ پہ چھری چلتی ہے

(۶۸)

چشمِ حق بیں میں بڑھا دیتی ہے جو عز و وقار
مر مٹے جس پہ جوانانِ جناں کے سردار
جس کے چھینٹوں کو سمجھتے تھے خلیل ابرِ بہار
موج وہ نوح کی کشتی ہوئی طوفان سے پار
جس کے نظر میں تمناؤں کا ساحل ڈوبا
دیکھتے رہ گئے اُف کر نہ سکے دل ڈوبا

(۶۹)

کہہ سنایا تھا جو کل میں نے کچھ افسانۂ دل
دی شراب ایسی کہ روشن ہوا کاشانۂ دل
نظرِ لطف سے رحمت ہوئی پروانۂ دل
آج بھی بھر اُسی انداز سے پیمانۂ دل
دیکھے جو تجھکو اُسے پینے کا جوش آجائے
مئے پرستوں کو مرے نظر سے ہوش آ جائے

(۷۰)

جمع میکش ہیں ترے دستِ کرم پہ ہے نظر
حال روشن ہو میرا دیکھ پیالے کو اگر
موج بادہ ہے کہ آئینۂ قلبِ مضطر
حرکت ہے جام کو اوڑتی ہے مئے دے ساغر
ضبط سے شوق کے جذبوں کا اثر جانے لگا
دل کی لو لگتی ہے بادہ میں وہ جوش آنے لگا

(۷۱)

جامۂ زہد کے جس بادہ سے رنگیں ہوئے تار
پھول ہو جس میں معصیت نے بھرے رنگ ہزار
کانٹا لگنے کا نہ ہے عیب نہ ہے نقصِ خمار
دم بدم پی نہ چھکے پھر بھی رسولؐ مختار
اشکِ خوں آنکھوں سے قلت پہ سدا بہتے رہے
سیر نیت نہ ہوئی آپ بھی کہتے رہے

(۷۲)

ہے مہک ایسی کہ آجاتا ہے بے ہوش کو ہوش
کرتی ہے بوند ہر اک آتشِ دوزخ خاموش
موج آئینۂ فردوس نما عصیاں پوش
جوش زن قلزمِ رحمت ہے کہ بادہ میں ہے جوش
مئے سے اٹھ اٹھ کے دھواں اوج پہ چھا جاتا ہے
چشمِ حق بیں میں ہوا حمد کا لہراتا ہے

(۷۳)

اتنا مجمع ہے کہ زانو ہے بدلنا مشکل
لیکن اعجاز سے کیا جام کا چلنا مشکل
محو میخوار ہیں ساغر ہے سنبھلنا مشکل
آنکھیں کہتی ہیں کہ بادہ ہے اگلنا مشکل
ساعتیں آج تمنائیں بر آنے کی ہیں
نظریں تری ہوئی مینا کے گلے لپٹی ہیں

(۷۴)

طلبِ بادہ بھی مستِ مئے دیدار بھی ہے
دیکھئے جس کو وہ بے ہوش بھی ہشیار بھی ہے
مے کی تعریف میں کیفیتِ اسرار بھی ہے
تو تو اس بادہ کا ساقی بھی ہے میخوار بھی ہے
کیوں نہ پھر پینے پلانے کا یہ پیمانہ ہو
گھر جب اللہ کا ساقی کا زچاخانہ ہو

(۷۵)

واقعہ کہتا ہے میں کیوں کہوں کیوں کر پی ہے
بھرے میدان میں دن کو سرِ منبر پی ہے
ایک ہی جام میں ہمراہِ پیمبرؐ پی ہے
فرقِ احمدؐ سے بلند آپ نے ہو کر پی ہے
دیکھ کر ہوش و حواس اہلِ وفا کے گم تھے
دیں کی تکمیل کا پیمانہ غدیری خم تھے

(۷۶)

بت کدہ میں بھی کبھی دور مئے اطہر تھا
کیفِ بادہ سے تجھے جوش جو افزوں تر تھا
دوشِ محبوبؐ الٰہی پہ لئے ساغر تھا
پیچھے ہی پیچھے صنم خانہ خدا کا گھر تھا
اوج کو تیرے ہر اک جن و ملک تکتا تھا
نشہ ایسا تھا کہ تو عرش کو چھو سکتا تھا

(۷۷)

بارہا پی سپر شافعِ محشر بن کے
کفر پسپا ہوا پی قاتلِ عنتر بن کے
پی ہے خندق پہ کبھی فاتحِ خیبر بن کے
پی کبھی بسترِ احمدؐ پہ پیمبرؐ بن کے
معجزے بادۂ عرفان کے بھی ہوتے ہیں
کہدیا دیکھنے والوں نے نبیؐ سوتے ہیں

(۷۸)

وہ نگہبانوں میں دریا کے اٹھا شورِ اماں
گھاٹ کی فوج بھی سب ہوگئی خوں میں غلطاں
بھاگتے پھرتے ہیں کہتے ہوئے یہ پیلِ تواں
غصہ کم کیجئے اب بہرِ شۂ ہر دو جہاں
روکئے ہاتھ علم تیغ شرر بار نہ ہو
حملہ اب کوئی پئے حیدرؑ کرار نہ ہو

(۷۹)

مل گئی خوب ہمیں اپنے گناہوں کی سزا
رحم کر رحم بس اب اے اسدِ شیرِ خدا
دشت تیرا ہے ترائی تری دریا تیرا
واسطہ پیاسی سکینہؑ کا ہے بھر مشکیزہ
ہم کو پینے کی رضا دے نہ رضا دے چاہے
نام پر پیاسے شہیدوں کے لٹا دے چاہے

(۸۰)

نعرے مڑ مڑ کے یہ ہیں جنگ میں کرتے ہو قصور
بھالے ہاتھوں میں ہیں اس پر بھی ہٹے جاتے ہو دور
لاشے ہیں ٹھوکروں میں ان کے جو تھے فوج میں سور
ہے سزا اُس کی جو سمجھے شہیدوں کو مجبور
جام کوثر کے منگانے سے نہیں قاصر ہیں
دین دنیا کے ہیں مختار مگر صابر ہیں

(۸۱)

حکم کرتے تو نہ کر سکتا کنارہ دریا
آتا خشکی میں زمیں کاٹ کے سارا دریا
میرِ کوثر کے خلف سے ہے کیا پیارا دریا
اب کہو ہے یہ تمہارا کہ ہمارا دریا
کہہ کے یہ فتح کا جھنڈا بہ حشم گاڑ دیا
مشک لی کاندھے سے ساحل پہ علم گاڑ دیا

(۸۲)

نہر میں گھوڑا بڑھاتے ہوئے جب آئے جناب
سمتِ ساحل کیا رخ پانی کے دھارے نے شتاب
موجیں تعجیل سے بڑھنے لگیں ہو کر بے تاب
پھوٹ کر روئے بڑھے آب رواں ہو کے حباب
حسرتیں تھیں کہ دمِ تشنہ دہانی پی لے
میرِ کوثر کا خلف نہر سے پانی پی لے

(۸۳)

باوفا حضرتِ عباسؑ تھے پیتے کیوں کر
پھنکتا تھا سرد ہواؤں کی برودت سے جگر
الغرض تسمے کو کھولا جو بحالِ مضطر
مشک کو بچوں کی موجوں نے لیا ہاتھوں پر
جوش زن نہر ہوئی پیاسوں کی بے آبی سے
پانی مشکیزہ میں آنے لگا بے تابی سے

(۸۴)

مشک بھرتے ہیں نظر دل کی ہے یزداں کی طرف
نگراں ہیں یہ غضب فوجِ بد ایماں کی طرف
گہ نظر خیمۂ شاہنشۂ ذیشاں کی طرف
گہہ یاس کبھی گنجِ شہیداں کی طرف
دیکھ کر نہر جو بچھڑے ہوئے یاد آتے ہیں
دل جگر پھٹتے ہیں اور اشک ٹپک جاتے ہیں

(۸۵)

کہتے ہیں کاش کہ تم سب لبِ ساحل ہوتے
تر یہ پپڑائے ہوئے ہونٹ خنک دل ہوتے
آب لے جانے سے مانع جو یہ جاہل ہوتے
مشک پہ سینہ سپر ہو کے مقابل ہوتے
خوں برستا ہوا ہر تیغ دو دم سے جاتا
پانی بچوں کا بڑے جاہ و حشم سے جاتا

(۸۶)

وہ مدد چاہتا ہے تم سے وفا داروں کی
تن تنہا جو لڑا فوجوں سے غداروں کی
بے دھڑک کود پڑا آنچ میں تلواروں کی
کیا کرے مشک ہے یہ فاطمہؑ کے پیاروں کی
بے بسی وہ ہے کہ دل ٹکڑے ہو جاں بازوں کا
آج عباسؑ کو ڈر ہے قدر اندازوں کا

(۸۷)

بھر چکے مشک جو ساقیِ حوضِ کوثر
تسمہ عجلت سے کسا نام خدا کا لے کر
چار سو دیکھ کے مشکیزہ رکھا کاندھے پر
بھر کے اک سرد نفس نہر سے آئے باہر
ہائے اک گھونٹ دمِ تشنہ دہانی نہ پیا
ذکر کیا آپ کا راہوار نے پانی نہ پیا

(۸۸)

گھاٹ پہ آگئے جب آپ بصد درد و الم
رکھا کاندھے پہ اُسے نصب کیا تھا جو علم
سمت خیمہ نہ بڑھے تھے ابھی دو چار قدم
بھر گئی رن کی زمیں ڈٹ گئی یوں فوجِ ستم
کھنچ گئیں تیغیں ہزاروں ہوئے اعدا حائل
سامنے شیر کے تھا لوہے کا دریا حائل

(۸۹)

اپنی مجبوریوں پہ زخمِ جگر ہیں آلے
پانی بھر لائے تو لیجانے کے اب ہیں لالے
آسماں وعدہ وفاؤں پہ نہ ایسی ڈالے
سرخ آنکھیں ہوئیں بڑھ آئے جو برچھی والے
جوش پہ جوش بہادر کو چلے آتے ہیں
مشک پہلو میں جو ہے دیکھ کے رہ جاتے ہیں

(۹۰)

تن کے فرماتے ہیں تم کو نہیں کچھ شرم و حیا
پیاسا دو روز سے ہے آقا کا بچہ بچہ
مشک سے ایک بھی قطرہ جو گرا پانی کا
نہر کے سامنے لہرائے گا خوں دریا کا
روئیں گے پیاسوں کے غنچے نہ اگر دل ہوگئے
بچے واں تڑپیں گے کشتہ یہاں بسمل ہوگئے

(۹۱)

پانی جب بھرتے تھے ہم کیوں نہ بڑھے ظلم اساس
خیر ایسے میں ہے کہ ہٹ جاؤ بہ عجلت چپ و راس
غیظ غصے کو بہت ٹال رہا ہے عباسؑ
صدقے اس پانی کا اس مشک سکینہؑ کا ہے پاس
راستہ دیکھ رہی ہوگی ملال اس کا ہے
پیاسی بچی سے جو وعدہ ہے خیال اس کا ہے

(۹۲)

غش پہ غش آتے ہیں اب طاقتِ فریاد نہیں
دل ہے انسان کا پتھر نہیں فولاد نہیں
ہم جری شیر بہادر ہیں یہ جلاد نہیں
تم میں سے کوئی بھی کیا صاحبِ اولاد نہیں
ضد جو بچوں کی ہو بے جا بھی اٹھا لیتے ہیں
پیاس سے پھڑکیں تو پانی نہیں لا دیتے ہیں

(۹۳)

سُن کے تقریر یہ سکتے میں ہوئے عربدہ جو
ٹکڑے پتھر کے کلیجے ہوئے ٹپکے آنسو
رنگ یہ دیکھ کے بولا ابن سعدِ بدخو
چھوڑا اس وقت اگر پھر نہ رہے گا قابو
تر نہ ہو خون سے ایسی کوئی شمشیر نہ ہو
گھیر کے مار لو اب شیر کو تاخیر نہ ہو

(۹۴)

چار جانب سے یہ سنتے ہی ستم گر آئے
بھاگے تھے جو وہی نامرد قریں تر آئے
تیغیں تولے ہوئے کھینچے ہوئے خنجر آئے
غیظ عباسؑ سے غازی کو نہ کیوں کر آئے
کانپے غصے سے ہوا قہر کی یکبار چلی
سر کٹے دم میں چھٹی بھیڑ وہ تلوار چلی

(۹۵)

یک بہ یک فوج کا انبوہ بڑھا اور سوا
دونوں شانوں پہ پڑے وار ہوئے ہاتھ جدا
گرا تھرّا کے زمیں پر علمِ فوجِ خدا
مشک گرنے جو لگی دانتوں سے تسمہ دابا
واقف اُن سے نہیں دکھ درد جو تقدیر میں ہیں
بچے پیاسے نہ رہیں آپ اسی تدبیر میں ہیں

(۹۶)

خون شانوں سے رواں ضعف کے مارے ہیں نڈھال
تسمہ دانتوں میں دبا سینے پہ مشکِ اطفال
مطمئن نفس یہ ہے جان کا خطرہ نہ خیال
ہے تو بس تشنہ دہانی کا صغیروں کی ملال
سُن سے دل ہوتا ہے جب تیر ستم آتے ہیں
معہ مشکیزہ یہ رہوار پہ جھک جاتے ہیں

(۹۷)

دل یہ کہتا ہے سکینہؑ سے مخاطب ہو کر
بی بی تقدیر سے ہو جاتا ہے مجبور بشر
زور کیا اپنا ہم اس وقت یہ چاہیں بھی اگر
بوند پانی نہ گرے خون بہے چلّو بھر
حال معلوم ہے تم تک مگر آ سکتے نہیں
پاس پانی ہے مری جان پلا سکتے نہیں

(۹۸)

ہائے اب حضرت عباسؑ میں باقی نہیں دم
خوں بہا شانوں سے اتنا کہ ہے غش کا عالم
وار ہر سمت سے کرتے ہیں پیا پے اظلم
ہے غضب مشکِ سکینہؑ پہ لگا تیر ستم
مردنی چھایا ہوا چہرا بھی کہتا ہے
پانی مشکیزہ سے یا دل سے لہو بہتا ہے

(۹۹)

کیا کریں ہاتھ نہیں پانی کو روکیں کیوں کر
پیاسے بچے رہے اس دھیان سے پھٹتا ہے جگر
تھی نظر آبِ رواں پر کبھی ہاتھوں پہ نظر
کہ پڑا گرزِ گراں بار سرِ اقدس پر
جس کا یہ حال ہو کیوں کر نہ وہ جرّار گرے
ہائے راہوار سے عباسؑ علمدار گرے

(۱۰۰)

فتح کے باجے بجاتی تھی اُدھر فوج گراں
غش تھے یاں حضرتِ عباسؑ لہو میں غلطاں
گرد پھرتا تھا جو رہوار پہ درد و حرماں
آ نہ سکتا تھا جری پاس کوئی دشمنِ جاں
شور و غل جب یہ سنا مضطر و غمگیں آئے
لے کے ساتھ اکبرؑ مہرو کو شہؑ دیں آئے

(۱۰۱)

لپٹے بھائی کے گلے آکے شہنشاہِؑ ہدا
زور بازو کا گھٹا دیکھے جو ہیں ہاتھ جدا
گُل زہراؑ سے دماغ ان کا معطر جو ہوا
آگیا ہوش کھلی آنکھ کہا صلِّ علیٰ
شہؑ نے فرمایا نہ خاموش رہو اے بھائی
غم سے دل پھٹتا ہے کچھ حال کہو اے بھائی

(۱۰۲)

جو جو گزری تھی سنا کر یہ کہا وقت ہے کم
آخری عرض یہ ہے آپ سے اے شاہِ اُمم
رستہ وہ دیکھ رہی ہوگی بہ چشمِ پرنم
دیجیے گا مری پیاسی کو تسلی ہیہم
آسرا پانی کا کاہے کو اُسے دے کے چلا
تشنہ لب رہ گئی دنیا سے یہ غم لے کے چلا

(۱۰۳)

مجھ سے مانوس ہمیشہ سے ہے وہ نورالعین
اس کا آنسو جو گرا روح رہے گی بے چین
نہ بچھے صف مرے ماتم کی نہ پرسہ ہو نہ بین
سن کے کھائے گی پچھاڑیں وہ بصد شیون و شین
ہوں غلام آپ کا زحمت نہ یہ فرمائے گا
لاش عباسؑ کی خیمہ میں نہ لے جایئے گا

(۱۰۴)

دیکھ کر آپ کو پوچھے جو کہ عمو ہیں کہاں
کہیے گا آتے وہ شرماتے ہیں اے راحتِ جاں
پانی لاتے تھے تمہارے لئے بی بی وہ یہاں
کہ لگا تیر چھدی مشک ہوا آب رواں
روئے گی حال یہ میرا نہ بتا دیجے گا
خون چھٹ جائے تو مشکیزہ دکھا دیجے گا

رباعی

توصیفِ علیؑ کر سکیں یارا ہی نہیں
جز عجز و سکوت اور کوئی چارا ہی نہیں
دو ہاتھ لگانا بھی ہے اس میں مشکل
یہ بحر ہے وہ جس کا کنارا ہی نہیں

رباعی

گو مجرم و پُرگناہ و خاطی ہوں میں
پَر دل سے غلامِ شہؑ عالی ہوں میں
دیتی تو ہے فشار مجھکو اے قبر
لیکن یہ سُن لے بوترابی ہوں میں

رباعی

ہے فخر کہ یہ اوج مجھے آج ملا
محتاج تھا جس تاج کا وہ تاج ملا
منبر پہ کی مدحتِ محبوبِؐ خدا
گویا کہ مجھے پایۂ معراج ملا

سلام

مصطفیٰ و مرتضیٰ کی جب ثنائیں ہو گئیں
آئینہ پر ظلم کے دوہری جلائیں ہو گئیں

مچھلیاں شانوں کی اُبھریں خوں میں جوش آنے لگا
تنگ وقتِ حرب پیاسوں کی قبائیں ہو گئیں

چادریں چھیننے پہ صبر ایسا تھا آلِ پاک کا
بادباں اُمّت کے بیڑے کی ردائیں ہو گئیں

شکر کے سجدے میں جب سرورؑ کا سر کٹنے لگا
ناخدائے کشتیِ اُمّت دعائیں ہو گئیں

لوہا اُس تیغِ زباں کا کیوں نہ مانیں جوہری
صیقلیں کتنی ہوئیں کتنی جلائیں ہو گئیں

آئی سرخی سی رخِ شہؑ پر ہوئے اصغرؑ جو قتل
صبر اُتنا بڑھ گیا جتنی جفائیں ہو گئیں

شام کا بازار گہ زنداں کبھی دربارِ عام
ہر جگہ ناموسِ احمدؐ پر جفائیں ہو گئیں

مرنا بچّوں کا سُنا شہؑ سے تو زینبؑ نے کہا
یہ کہو بھیّا تمہاری رد بلائیں ہو گئیں

منزلِ کرب و بلا تھا ہر قدم سجادؑ کا
شام تک جانے میں کتنی کربلائیں ہو گئیں

مرثیہ

مجبور جب جہاد پہ شاہِ امم ہوئے

در حالِ حضرت عونؓ و محمدؓ

سنہ تصنیف

1926

مجبور جب جہاد پہ شاہِ اُمم ہوئے

مجبور جب جہاد پہ شاہِ اُمم ہوئے
رو رو کے سینہ زن حرم محترم ہوئے
رخصت جو اہلبیت سے با چشم نم ہوئے
خویش و رفیق دینے پہ جانیں بہم ہوئے
باندھی کمر جہاد پہ ہر شیخ و شاب نے
گھوڑا طلب کیا شہِ گردوں رکاب نے

(۲)

آتے ہی رخش زیں پہ ہوئے جلوہ گر امامؑ
کہرام اہلبیت میں تھا ، جلتے تھے خیام
عجلت سے بیٹھے گھوڑوں پہ چھوٹے بڑے تمام
ڈیوڑھی پہ خاک اُڑی کہ چلا شہؑ کا خوش خرام
رنگت یہ کہہ رہی تھی زمیں آسمان کی
جاتی ہے باغ خلد میں رونق جہان کی

(۳)

اوج علم سے شوکتِ اسلام تھی نمود
رایت کھلا مہک نے کیا عرش تک صعود
ارض و سماء میں گونج گیا نعرۂ درود
پنجے کی ضو سے مہر کی تھی پست ہست و بود
مغرب کی سمت رُخ تھا کئے اضطراب میں
جاتا تھا منہ چھپائے کرن کی نقاب میں

(۴)

آگے علم لئے ہوئے عباسؑ نامدار
بڑھتے ہوئے درود عقب میں تھے جانثار
ہمراہ یگانہ تیغ میں شمشیرِ ذی وقار
ہیں پیچھے پیچھے آپ کے باقی رفیق و یار
لشکر روش شناس جو ہے حق کی راہ کا
سینہ سپر ہر اک ہے شہِ دیں پناہ کا

(۵)

شانِ نشانِ فتح وہ دم کفر کا ہے بند
ہے ساتھ بڑھ کے شوکتِ اسلام چار چند
تسبیح خواں ملک ہیں زیارت سے بہرہ مند
عیسیٰؑ کہے ہیں چرخِ چہارم سے سر بلند
اُڑتا پھریرا نور کے دریا کی موج ہے
پنجہ ہوا ہے عرش کا تارہ یہ اوج ہے

(۶)

سب کہتے ہیں جو یا اسداللہ دم بدم
بڑھتا ہے اور جوشِ شجاعت قدم قدم
دھڑکا نہیں کچھ اس کا کہ تعداد میں ہیں کم
غازی ہیں ٹھاٹھ کہتا ہے پہلے لڑیں گے ہم
ہو کر شہید گلشنِ جنت بسائیں گے
ہمت یہ ہے کہ موت پہ غالب ہی آئیں گے

(۷)

پیاسی وہ تھوڑی فوج کہ قدرت کا تھا ظہور
عمامے باندھے ماتھوں پہ گلگلے رخوں پہ نور
تنگے کسے قباؤں پہ وہ تھیں طہور
حق نقطۂ نگاہ خیال نمود دور
چہروں پہ آئینہ وہ جلالت وہ جاہ ہے
کہتے ہیں یہ ملک ، یہ خدا کی سپاہ ہے

(۸)

فاقوں میں شاد شاد ہے ہر اک خجستہ خو
سولہ پہر کی پیاس ہے گو خشک ہے گلو
تسنیم کی ہے چاہ نہ کوثر کی جستجو
جوشِ ولا میں نصرتِ شہؑ کی ہے آرزو
اسلام پہ فدا ہوں یہ دل کی مراد ہے
کہتے ہیں سب کی زیست کا حاصل جہاد ہے

(۹)

خم صورتِ کماں جو تھے وہ جانثار پیر
یہ ولولے یہ جوش کہ سیدھے ہیں شکلِ تیر
کہتے ہیں تن کے آئے کہیں وقتِ دار و گیر
موقع کمل سے کاش ملے فوج کا امیر
کٹے دن جئے گے موت بھی آئے تو غم نہیں
وہ بانیِ ستم نہیں یا آج ہم نہیں

(۱۰)

فاقوں سے تھے جو زرد ہیں سرخ و سپید رنگ
کلّوں سے خون ٹپکتا ہے اللہ رے جوشِ جنگ
خوشیاں جہاد کی تو شہادت کی یہ اُمنگ
ڈھیلی قبائیں ہوگئیں بالیدگی سے تنگ
تھرّاتے پاؤں قلب ہوئے ہیں ثبات میں
کیا جان، موت ڈال بھی دیدے حیات میں

(۱۱)

سمجھے ہیں یہ جہاں کے سپید و سیاہ کو
پتلی کی طرح رکھتے ہیں آنکھوں میں شاہؑ کو
ہر گام صاف دیکھتے جاتے ہیں راہ کو
غصے میں تک رہے ہیں عدو کی سپاہ کو
بھاری ہے ایک لاکھوں پہ ایسے دلیر ہیں
شیرِ خُدا کے شیر کے ساتھی بھی شیر ہیں

(۱۲)

طے کر کے راہ پہنچے جو مقتل میں تشنہ کام
عباسؑ جھومے دیکھ کے لشکر کا اژدحام
شانوں کی مچھلیاں اُبھر آئیں کسی لگام
گردن جو جھکی ہو گیا تصویر خوش خرام
گھوڑے کو روک کے ہر اک اسوار تھم گیا
دریا جو موجزن تھا وہ یکبار جم گیا

(۱۳)

آگے تھے گھوڑا روکے علمدارِ نام ور
غازی کے رعب و داب سے تھا تہلکہ اُدھر
افسر جو منتشر تھے رسالوں پہ تھا اثر
ہیبت سے آ بنی تھی پیادوں کی جان پر
عباسؑ سے جو لشکرِ جرّار زیر تھا
ہر اک دلیر سب کی نگاہوں میں شیر تھا

(۱۴)

باجوں سے بڑھ رہی تھی وغا کی اُدھر اُمنگ
تکبیریں یاں بڑھاتی تھیں پیاسوں کا جوشِ جنگ
دی طبل نے گرج کے صدا اب نہیں درنگ
آئے جو تیر ہوگیا مقتل کا اور رنگ
انصار آلِ پاکؑ پہ سینہ سپر ہوئے
کچھ ہو گئے شہید تو کچھ خوں میں تر ہوئے

(۱۵)

بھرے تھے شیر باجہ بجاتے تھے بادہ نوش
کف منہ میں سرخ آنکھیں نہ تھا جان وتن کا ہوش
سینے سے خونی اشک ٹپکتا تھا دل کا جوش
کیا بس امامؑ عصر تھے سر خم کیے خموش
پابندِ اذن دل پہ غم و رنج سہہ گئے
قبضوں پہ ہاتھ پہونچے قدم بڑھ کے رہ گئے

(۱۶)

قدموں پہ شہؑ کے رکھ دئے بیتاب ہو کے سر
کی عرض جاں نثاروں پہ ہو لطف کی نظر
یہ صبر و ضبط ختم ہے مولاؑ بس آپ پر
نکلے کلیجہ منہ سے نہ لیں اذن ہم اگر
رُکتا یہ جوشِ موت کا اپنی پیام ہے
ہم میں کوئی نبیؑ ہے نہ کوئی امامؑ ہے

(۱۷)

دیکھے یہ ولولے تو دیا اذن کار زار
بہر جہاد جانے لگے رن میں جاں نثار
مقتل میں تہلکہ ہوا حملوں سے آشکار
اتنوں کو مارا دب گئے ایک ایک سے ہزار
سب رفتہ رفتہ سرورِؑ دیں پہ فدا ہوئے
ہو کر شہیدِ حق وفا سے ادا ہوئے

(۱۸)

سخت امتحاں ہے اب کہ یگانے ہیں اذن خواہ
خونِ جگر وہ چھٹتے ہیں فطری ہے جن کی چاہ
حسرت سے ایک ایک کا منہ تک رہے ہیں شاہؑ
بیتاب و بے قرار ہے دل کی طرح نگاہ
کس کو لگائیں چھاتی سے کس کو جدا کریں
پردیس میں یہ وقت ہے شبیرؑ کیا کریں

(۱۹)

اس بیکسی پہ روتا ہے منہ پھیر کر کوئی
سر رکھے چپ ہے قبضۂ شمشیر پر کوئی
تکتا ہے رُوئے بادشاہِؑ بحر و بَر کوئی
بیتاب ہو کے رکھتا ہے قدموں پہ سر کوئی
بے خود ہے اس قدر کوئی جوشِ عتاب میں
تلوار کھینچ کھینچ کے رکھتا ہے ڈاب میں

(۲۰)

مضطر ہے کوئی بہر رضا اور کوئی حزیں
مجبور اب ہیں داغ اُٹھانے پہ شاہِؑ دیں
اصرار کر رہے تھے جو مسلمؑ کے نازنیں
رخصت ملی گئے طرفِ فوج بدیقیں
زینبؑ کے لال دل پہ غم و رنج سہہ گئے
تصویرِ بیکسی ہوئے جو اشک بہہ گئے

(۲۱)

استادہ دور سب سے تھے یہ دونوں خرد سال
ہمراہ شرم جوشِ وفا تھا بصد ملال
ماموں سے کہہ نہ سکتے تھے اپنے جو دل کا حال
روتے تھے چھپکے چھپکے تو آنکھیں ہوئیں تھی لال
تھے رعبِ شاہِؑ دیں سے جو ہمت ہرے ہوئے
ماں پاس آئے آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے

(۲۲)

لٹکائے منہ کھڑے تھے عقب میں جو رشکِ ماہ
زینبؑ نے مُڑ کے دونوں کے چہروں پہ کی نگاہ
غصّے میں کانپنے لگیں بولیں یہ بھر کے آہ
میں سب سے زرد رُو ہوئی کیا کہنا واہ واہ
نعمت کوئی دھری تھی کہ تھا مال و زر یہاں
مرجاتے کاش آتے نہ تم بے ظفر یہاں

(۲۳)

کل تک بڑے تھے حوصلے رن میں کریں گے جدل
اس وقت گھر میں آنے کا تھا کونسا محل
بچّوں میرے ریاض کا اچھا دیا یہ پھل
کیا نیچے چلاتے تو ہو جاتے ہاتھ شل
چھوڑ آئے خوں کے پیاسوں میں کیوں ماموں جان کو
کس طرح منہ دکھائے گی ماں خاندان کو

(۲۴)

میدان چھوڑ بھاگے ہیں رُخ پر ہراس و یاس
باتیں بنا کے چھپنے کو آئیں ہیں میرے پاس
رن میں کرے جہاد اگر کوئی حق شناس
کپڑے نہ تکتے ہوں رہیں برق دم لباس
ماں ہو کے اور نہ سمجھوں یہ باتیں یوہی نہیں
مقتل سے آئے چھینٹ بھی خوں کی کہیں نہیں

(۲۵)

آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ روئے بھی ہو ضرور
کیا سمجھو اونچ نیچ نہیں یہ سن شعور
تم بے خطا ہو لال ہے میرا ہی یہ قصور
پہلو سے دل جگر کی طرح کرسکی نہ دور
مانا یہ میں نے کھیلنے کے دن تمہارے ہیں
رونے پہ ہنستے ہونگے جو ہمسن تمہارے ہیں

(۲۶)

آ کر قریب زوجۂ مسلمؑ نے یہ کہا
ماں کے خلاف بات بھی کرتا ہے کوئی ہاں
سہمے کھڑے ہیں بچّے نہ اب ہوجئے خفا
کردیجئے معاف ہوئی ہو اگر خطا
بچپن ہے ناسمجھ ہیں نہ غصّے میں آئیں آپ
روتے ہیں کب سے اُن کو گلے سے لگائیں آپ

(۲۷)

جنت میں بے نظیر تو جرأت میں بے مثال
ماں کے مطیع باپ کے تابع یہ خوش خصال
چاہت کا ماموں جان کی روشن ہے سب پہ حال
جوہر ہیں ایسے ان میں کہ ہیرا ہیں دونوں لال
دل سے عزیز رکھتے ہیں یہ ہر یگانہ کو
اولاد ایسی نیک خدا دے زمانہ کو

(۲۸)

باہر سے سُن جو آئے کہ ماموں سے ہوگی جنگ
پھر کیا کہوں وہ ٹھنٹنے وہ جوش وہ اُمنگ
دیکھا کہ سر جھکائے انکھیوں سے اُن کے رنگ
آپس میں کہتے جاتے تھے ہے زیست عار و ننگ
کرتے تھے صاف نیچے سینہ جو تان کے
قربان دل میں ہوتی رہی اُن کی شان کے

(۲۹)

زینبؑ یہ بولیں رونے کا مجھ پر نہیں اثر
چلتے میری نگاہوں پہ ہوتے سعید اگر
ہوں ماں کسی کی اور نہ میرا کوئی پسر
ماں جائے کا جو ساتھ دے بس ہے وہ دل جگر
ماموں کے ہوں شریک ہے اُن سے بعید یہ
لاشوں کے گرد پھرتی جو ہوتے شہید یہ

(۳۰)

بیگانوں میں جو شکل کماں ہو رہے تھے پیر
ہمت یہ تان تان کے سینے پہ کھائیں تیر
تم نے تو بنتِ شیرِ خدا کا پیا تھا شیر
اور تھے بیگانے کیا کیا پھر وقتِ دار و گیر
اے کاش سنتی لڑکے جوانوں سے بڑھ گئے
لاشے جو آتے جاتی پروان چڑھ گئے

(۳۱)

تھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ ذی شعور
دیتے نہ تھے بڑوں کو بھی رخصت شہِ غیور
ہم اپنی بے بسی پہ کھڑے رو رہے تھے دور
جرأت ہوئی نہ کہنے کی بس ہے تو یہ قصور
لائق سزا کے سمجھیں تو گردن جھکائے ہیں
چھپنے کے واسطے نہیں ہم گھر میں آئے ہیں

(۳۲)

آئے یہاں کہ قدموں پہ ماں کے جھکائیں سر
بس جائیں باغِ خلد میں اب کاٹا ہے گھر
عزت ہو شہؑ سے سعی و سفارش کریں اگر
روشن ہو نام صدقے جو ہوں ماموں جان پر
اماں یقین کیجئے کچھ اس کے سوا نہیں
ہر اک سے پوچھیئے کوئی اپنی خطا نہیں

(۳۳)

منہ کو کلیجہ آگیا اماں یہ کیا کہا
بودا وہ ہوگا جس نے کہ دودھ آپ کا پیا
اک ماموں شاہؑ ، ایک ہیں عباسؑ باوفا
شیرِ خدا کا خوں نہیں اپنی رگوں میں کیا
ہمت میں فن میں صبر و قناعت میں کم نہیں
میدان چھوڑیں خوف کے مارے وہ ہم نہیں

(۳۴)

یہ کہہ کے بے تحاشہ جو رونے لگے پسر
لے کر بلائیں چہروں کی بولیں بچشمِ تر
اللہ میری بات بُری تھی کیا اس قدر
بس ہو چکا کلیجے سے لپٹو بڑھو اِدھر
بچے ادب سے جھک گئے منشاء جو پا لیا
ماں نے بڑھائے ہاتھ گلے سے لگا لیا

(۳۵)

پٹکی بندھی تھی کاندھوں پہ سر تھے بصد فغاں
دے کر دلاسا دونوں کو یہ کہہ رہی تھی ماں
قائل میں آپ ہوں کہ غلط تھا مرا گماں
تم پر بھی اس خیال پہ بھی صدقے میری جاں
جب خوش ہوں میں تو کس لئے ہے رنج و غم تمھیں
واری نہ روؤ اب مرے سر کی قسم تمھیں

(۳۶)

بچوں نے اشک پونچھ کے کاندھے سے سر ہٹائے
ماں نے جو مرنے والوں کے چہرے اُداس پائے
چاہا بنے خیال دلوں سے غبار جائے
خوش دیکھ لوں خبر نہیں تقدیر کیا دکھائے
بولیں یہ شوق دید کہ دل ناصبور ہے
معلوم بھی ہے خُلدِ بریں کتنی دور ہے

(۳۷)

بشاش ہو کے جلدی سے چھوٹے نے یہ کہا
مقتل میں پہونچے اور درِ خلد آ گیا
بولے یہ مُسکرا کے بڑے کہہ رہے ہو کیا
گھبراتے کیوں ہو بات کہو سوچ کر ذرا
منزل ہے دور آپ یہ سمجھے قریب ہے
وہ دیکھے باغِ خلد کا جو خوش نصیب ہے

(۳۸)

میداں میں ہے جہاں کا سپید و سیاہ بھی
دین دار فوج بھی ہے منافق سپاہ بھی
ہے رحمتِ الٰہ تو قہرِ الٰہ بھی
جنت کا راستہ بھی ہے دوزخ کی راہ بھی
رستے کے دکھ سبھی کے لئے بے شمار ہیں
دونوں مقام رن کے یمین و یسار ہیں

(۳۹)

چہرہ اُتر گیا جوہی بھائی سے یہ سُنا
ماں نے کہا کہ مجھ سے سُنو تم پہ میں فدا
آساں کرے گی مشکلیں شمشیر کی ولا
زخمی جو ہو تو خون کی دھاریں ہوں رہنما
تم آپ دیکھو گے جو بھی ہوگا نبرد میں
سچا اگر ہے عشق تو لذت ہے درد میں

(۴۰)

شفقت تمہارے حال پہ ماموں کی کم نہیں
اُلفت تمہیں بھی ہو تو سمجھو کہ ہم نہیں
ہو جو الم خوشی کی بناء وہ الم نہیں
بند آنکھ ہوتے ہی یہ مصیبت یہ غم نہیں
طے کرنا تم کو منزلِ صبر و ثبات ہے
ہے باغِ خُلد دور یہ کہنے کی بات ہے

(۴۱)

یوں آزماؤ تم نہ ہٹو رن سے ایک گام
کرتے رہو جہاد ہی بگڑے بنیں گے کام
بچپن کٹا جوٹی کہ جوانی کی آئی شام
پھر لہلہاتا باغ ہے اور میرے لالہ فام
دنیا کے غم گئے تو کنول دل کا کھل گیا
مقتل میں تھے کہ خُلد کا گلزار مل گیا

(۴۲)

طاعت مآلِ زیست ہے عابد کے سامنے
دنیا کا عیش کچھ نہیں زاہد کے سامنے
قدرت کی جلوہ گاہ ہے ساجد کے سامنے
مقتل ہے باغِ خُلد مجاہد کے سامنے
بس اتنا فاصلہ ہے چمن کی بہار سے
حلقوم جتنی دور ہے خنجر کی دھار سے

(۴۳)

تعریف کچھ سنی ہے جو ہے آرزوئے خُلد
بے وقت ابھی سے ہے مری جاں جستجوئے خُلد
حق دار پہلے ہو لو تو پھر جاؤ سوئے خُلد
غازی ہو پسینہ سے آئے گی بوئے خُلد
کرکے جہاد لشکرِ خانہ خراب سے
کوثر کی لہریں دیکھنا تیغوں کی آب سے

(۴۴)

جنت کو جن پہ رشک ہو ایسے چمن بنیں
زخموں کے اتنے گل ہوں کہ گلزار تن بنیں
دولہا جہاد کے میرے گل پیراہن بنیں
کپڑے لہو بھرے ہوئے خونی کفن بنیں
نانی بلائیں لیتی ہوں وہ آن بان ہو
جاؤ جو خُلد میں تو شہیدوں کی شان ہو

(۴۵)

آٹھوں بہشت دیکھنا اک باغِ خُلد کیا
ہے شرط جان توڑ کے دونوں کرو وفا
بچپن بھی شوق دید بھی ہے تم پہ میں فدا
نصرت میں شہؑ کی ہونے نہ پائے کمی ذرا
اک تہلکہ ہو لشکرِ ابنِ زیاد میں
واری خلوصِ قلب ہے لازم جہاد میں

(۴۶)

نصرت ہو اس طرح نہ ہو دل میں ہوائے خُلد
پھر خُلد ہے تمہارے لئے تم برائے خُلد
ہو آخری وہ سانس بسا دے فضائے خُلد
مجروح ہو کے نزع میں تڑپو کھنچ آئے خُلد
ثابت یہ ہچکیوں سے ہو جنّت کے در کُھلے
بند آنکھ میرے پیاسوں کی کوثر ہی پر کُھلے

(۴۷)

بے دیکھے کیا بیاں ہوں وہاں کے تکلّفات
افسوس آج احمدؐ مرسل نہیں حیات
دیکھا تھا یوں بہشتوں کو معراج ہی کی رات
محبوبؐ بھی حبیبؐ بھی اللہ کی تھی ذات
کیا جانے کوئی سَیر وہ کس شان سے ہوئی
قربت کی کچھ خبر ہمیں قرآن سے ہوئی

(۴۸)

واں کے عجائب اُن سے اگر سُنتے میری جان
کھنچ جاتا اک مرقّع جنّت دمِ بیان
نظروں میں ہوتا خُلد کے گلشن کا وہ سماں
حیرت سے تم یہ کہتے کہ اس وقت ہیں کہاں
حالت بدلتی لفظوں سے قلبِ ملول کی
جنّت کے پھول جھڑتے زباں سے رسولؐ کی

(۴۹)

اُس طرح گو بیاں نہیں کر سکتی میں کبھی
لیکن یہ چاہتی ہوں سدھارو ہنسی خوشی
نادم بھی ہو رہی ہوں کہ بیجا خفا ہوئی
ماں صدقے چپ نہ ہو سنو مدحت بہشت کی
دل کی کلی کھلے وہ گلستاں دکھاؤں گی
آئیں جو شاہؑ اذنِ وغا بھی دلاؤں گی

(۵۰)

گردن جھکا کے دونوں سعیدوں نے یہ کہا
ناراضگی بجا تھی ندامت کی وجہ کیا
امّاں ہمیں خیال بھی اس کا نہیں ذرا
چپ چپ ہیں یوں کہ سوچ یہ ہے رن میں کیا ہوا
بہتر ہے ذکرِ گلشنِ جنّت ضرور ہو
کٹ جائے وقت غم ہو غلط ، فکر دور ہو

(۵۱)

دے کر دعائیں حضرتِ زینبؑ نے یہ کہا
تم سے یہی امید تھی اے میرے مہ لقا
ماں صدقے چتونوں پہ نہ اب میل ہو ذرا
بشّاش ہو کے دیکھو مرقّع بہشت کا
واں دیکھ لینا جاتے ہی جو کچھ یہاں سنا
لو ابتدا سے باغِ جناں کا بیاں سنو

(۵۲)

اک نہر پہلے ملتی ہے رحمت ہے جس کا نام
غسل و شیب کرتے ہیں واں رکھتی سلام
نکلے نہا کے اور جوانی کی آئی شام
خوں دوڑا تن گلاب کی پتی ہوا تمام
دیکھے نہیں کرشمے یہ دنیائے زشت نے
کرتے ہی غسل ہوتے ہیں داخل بہشت میں

(۵۳)

پھر ہے وہ باغ دیکھ کے انسان ہو باغ باغ
کلیوں میں یہ مہک کہ معطر ہو دل دماغ
لالے کا دل ہے صاف نہ دھبہ کہیں نہ داغ
کھلتے ہی رنگ پھوٹے کہ جلنے لگے چراغ
نقشے ہوائیں کھینچتی ہیں دورِ جام کے
ساغر چھلک رہے ہیں مئے لالہ فام کے

(۵۴)

سرخی رگوں میں پھولوں کی دوڑا ہے یا لہو
بڑھتے ہیں لحہ لحہ میں اللہ رے نمو
دل کے نظر کے روح کے جاذب ہیں رنگ و بو
شاخیں زمیں پہ جھکتی ہیں کہہ کہہ کے اُسجدو
پیدا ہُوا ہے شان قیام و قعود کی
آتی ہیں پتّیوں سے صدائیں درود کی

(۵۵)

کیا کیا بیاں ہو صنعتِ خلاق خشک و تر
شاخ ایک رنگ رنگ کے میوؤں سے بارور
اتنی لدی کہ لوٹ رہی ہے زمین پر
چاہو تو کھاؤ قصر میں مسند پہ بیٹھ کر
لذّت کا ذوق ہوتے ہی فوری وہ پکتے ہیں
کھانے بھی جنّتی سبدوں میں لٹکتے ہیں

(۵۶)

کب تک کہوں ہیں میوہ کی قسمیں ہزارہا
شکل ایک سی ہے رنگ الگ ذائقہ جدا
کچھ ہیں انار سبز زمرّد سے بھی سوا
یاقوت کہئے سرخ وہ دانہ بڑا بڑا
ہیں خوشنما تو دیکھنے سے جی بہلتا ہے
چھلکوں سے رنگ دانوں کا پھوٹے نکلتا ہے

(۵۷)

رنگت میں کچھ ہیں برف سے زیادہ سپید انار
اور ذائقہ میں شہد سے شیریں و خوش گوار
مہکیں وہ جن پہ مشک ہو صدقے ہزار بار
لٹکے ہوئے درختوں میں دیتے ہیں کیا بہار
دیکھا انہیں جو آنکھوں کے وہ تارے بن گئے
جھونکا چلا ہوا کا تو سیارے بن گئے

(۵۸)

انگور تاک میں کہیں ، سایہ کہیں ہے نور
دیکھے سے کیف کھانے سے لذّت ہے اور سُرور
اُن میں عرق بھرا ہے کہ مستیِ چشمِ حور
جنباں ہوا سے یا دلِ عاشق ہے ناصبور
محفل جو دُخترِ رز کی ہے سب بادہ نوش ہے
کوثر کی بو پہ جھوم رہے ہیں یہ جوش ہے

(۵۹)

شکلیں یہاں سے ملتی کہ مانوس ہو نظر
پھل ایسے کھا چکے ہیں کہو گے یہ دیکھ کر
اتنا مزے میں فرق ہے کہتا ہوں مختصر
ہے امتیاز دین کو دنیا سے جس قدر
چھلکا انار خُلد کا اک دن جو پایا تھا
تعریفیں کر کے حضرت سلمانؓ نے کھایا تھا

(۶۰)

یاں کے پھلوں سے پھل جو مشابہ ہیں مری جاں
اک وجہ ان کی اور بھی ہے کرتی ہوں بیاں
تخم اسکے کھانے کا ہے یہیں کا اُگا وہاں
پھر کیوں مشابہت نہ ہو دونوں کے درمیاں
جب خوبیِ عمل سبب مرحمت ہوئی
دنیا اسی سے مزرعۂ آخرت ہوئی

(۶۱)

طوبےٰ ہے جس کا نام ہے اتنا بڑا شجر
کہتا ہے عقل شاخ ہر ایک دیکھ کر
دوڑائے شہسوار بھی سو سال اسپ اگر
طے کر سکے نہ سایہ ہے گنجان اس قدر
جنت میں جو ہے فیض سے وہ بہرہ مند ہے
آٹھوں بہشت پست ہیں اتنا بلند ہے

(۶۲)

ثانی کا عقد ہونے میں جنت بنی دُلہن
غنچے تھے پھول ہو کے مسرت سے خندہ زن
اظہار کا خوشی کے جو تھا حکمِ ذوالمنن
طوبےٰ لٹا رہا تھا جواہر چمن چمن
شادی رچی تھی شاد ہر اک اہلِ عرش تھا
یاقوت کے گھروں کا زبرجد کا فرش تھا

(۶۳)

گرنا جواہر اور وہ حوروں کا لُوٹنا
وہ عکسِ رخ کی چھوٹ سے رنگ اُن کے چھوٹنا
تھا اک سماں بھلائے جو تاروں کا ٹوٹنا
بڑھ کر اُٹھانا اُس کا اگر اُس سے چھوٹنا
غنچے دلوں کے فرطِ مسرت سے کِھل گئے
آپس میں ہدیے بھیجے گئے اتنے مل گئے

(۶۴)

یاقوتِ سرخ کے در و دیوار ہیں وہاں
کیا کیا چھتیں ہیں اُن میں زبرجد کی ضوفشاں
موتی ہیں سنگریزے تو مٹی ہے زعفراں
پڑنے سے چھوٹ ہوتا ہے اک نت نیا سماں
گاہے سپید قصر ہیں اور گاہ زرد ہیں
گہ سبز ہوگئے تو کبھی مثلِ ورد ہیں

(۶۵)

جنت میں گو کہ چار طرف قصر ہیں تمام
پھر بھی ہے کچھ فرشتوں کا تعمیری انتظام
مومن گزارے حمد و ثنا میں جو صبح شام
خشتِ طلا و نقرہ سے کرتے رہینگے کام
بن جائے گا مکاں یوہی عامل اگر ہوا
کھینچا اُنھوں نے ہاتھ یہ خاموش اُدھر ہوا

(۶۶)

ماں صدقے ساتھ تیغ کے چلتی رہے زباں
تسبیح ہو کبھی کبھی تہلیل مری جاں
پہونچو شہید ہو کے جونہی گلشنِ جناں
تیار ہوں تمہارے لئے قصر اور مکاں
غل ہو جہاد یوں کئے وہ دن کے پیاسوں نے
بنوائے ہیں محل یہ علیؑ کے نواسوں نے

(۶۷)

وہ روشنی ہے بارہ اماموںؑ کے نور کی
ہر چیز دیکھ لیجئے نزدیک دور کی
ذرّوں میں دلفریبیاں ہیں چشمِ حور کی
قصرِ حبیبِ حق میں تجلی وہ طور کی
شان ایسی ایک کی نہیں جو مصطفےٰؐ کی ہے
موتی ہیں محوِ دید یہ قدرت خدا کی ہے

(۶۸)

طائر حسین ایسے نہ جن سے ہٹے نظر
آئینہ کی چمک وہ روپہلی ہیں بال و پر
تن لد گیا گلوں میں جو بیٹھے وہ شاخ پر
دونی بہار ہوگئی مل کے اُڑے اگر
ثابت ہوا کہ اوج پہ رنگیں سحاب ہے
موجِ ہوا پہ باغِ جناں کا جواب ہے

(۶۹)

اپنی زباں میں کرتے ہیں تسبیح بے نیاز
نغمے ترانے زمزمے سب سامعہ نواز
ہوتا ہے محو گلشنِ جنت وہ سوز و ساز
آہن ہو مومِ خام صدائیں وہ دلگداز
اُڑتے میں چہچہاتے جو بیٹھے قصور پر
داؤد وجد کر گئے لحنِ طیور پر

(۷۰)

جس سمت دیکھو قدرتِ خالق ہے جلوہ گر
حوریں ٹہلتی ہیں روشوں پہ اِدھر اُدھر
تم سے گنی نہ جائیں گی نہریں ہیں اس قدر
وہ صنعتیں عجیب کہ حیران ہو بشر
بجلی کی آب و تاب ہے ہر ایک لہر میں
چاندی گلی ہوئی ہے کہ پانی ہے نہر میں

(۷۱)

فوارے قسم قسم کے چشمے ہیں بے شمار
شکلِ کمان بنی جو تھی اونچی ہوئی پھوار
پھولوں کے عکس پڑتے ہی تھی نت نئی بہار
دیکھا تو اک دھنک ہے روئے اوج آشکار
نظارے میں خبر نہ رہی کب بدل گئے
پہلے کے جتنے رنگ تھے وہ سب بدل گئے

(۷۲)

پانی کا ذکر چاہ سے سنتے تھے تشنہ کام
بے چین تھے جو شوق میں بولے یہ لالہ فام
اماں وہ نہر کیسی ہے کوثر ہے جس کا نام
ارشاد اُس کے وصف ہوں مشتاق ہیں غلام
مشہور ہے کہ نہروں میں وہ لاجواب ہے
سنتے ہیں بڑھ کے شہد سے لذت میں آب ہے

(۷۳)

یہ کہہ کے خشک ہونٹوں پہ پھیری جونہی زباں
بچوں کے منہ کو تکنے لگی آہ بھر کے ماں
بولیں لگی ہے پیاس بہت صدقہ مری جاں
اچھا سنو کہ نظروں میں کوثر کا ہو سماں
رن میں لڑو خبر نہ رہے تشنہ کام ہو
ہو نہر پر جو لب پہ شہادت کا جام ہو

(۷۴)

کیا کہنا جتنی مدح و ثنا ہو وہ ہے بجا
اپنے حبیبؐ خاص کو حق سے ہوئی عطا
کوثر تمہیں دیا یہ ہے فرمودۂ خدا
مالک تو مصطفیٰؐ ہیں تو ساقی ہیں مرتضیٰؑ
ہر طرح حق کہ دونوں کے دونوں نواسے بھی
ناصر بھی ہو حسینؑ کے دو دن کے پیاسے بھی

(۷۵)

وہ نہر خوش نما وہ جواہر کی پٹڑیاں
پانی وہ آب گوہر غلطاں کا ہو گماں
الماس کے وہ جام کناروں سے ضوفشاں
روشن حباب ہو کے دکھاتے ہیں کیا سماں
کوثر میں تا بہ حدِ نظر یوں دمکتے ہیں
سمجھو کہ کہکشاں میں ستارے چمکتے ہیں

(۷۶)

جنت کی نہر اور وہ چھلکتی ہوئی شراب
سیماب تڑپے دیکھ کے ایسی ہے آب و تاب
اک روح تازہ پھونک دے خوشبو وہ لاجواب
جس کے اثر کا نام ہوا جنتی شباب
پیری عوض یہاں کا وہاں خوب پائے گی
باغِ جناں میں آ کے جوانی نہ جائے گی

(۷۷)

کوثر کے ارد گرد درختوں کی ہے قطار
مستوں کی طرح جھومتی شاخیں وہ میوہ دار
ضو دے رہے ہیں رنگ برنگی جو برگ و بار
روشن چمن کا عکس ہے پانی میں آشکار
تا دور طرفہ کیف یہ ہے آب و تاب میں
اک آگ ہے لگی وہ چراغاں ہے آب میں

(۷۸)

محفل وہ پاک و صاف ہے کیا کہنا واہ واہ
ہیں جمع کیسے کیسے رسولانِ دیں پناہ
ساطع ہے نورِ حق کا جدھر کیجئے نگاہ
کوثر کا مے کدہ ہے کہ قدرت کی جلوہ گاہ
ساقی کا لطف ارادۂ میکش کے ساتھ ہے
پائے نگاہ بڑھتے ہی ساغر پہ ہاتھ ہے

(۷۹)

مجمع سے کچھ الگ وہ ہر اک رہنما کی شان
ممتاز ایک دوسرے سے انبیاء کی شان
سب پڑھتے ہیں درود یہ ہے مصطفیٰؐ کی شان
بارش وہ نور کی ہے نمایاں خدا کی شان
روشن تجلیوں سے کہ یہ جلوہ گاہ ہے
دیکھے جسے بھی جانب ساقی نگاہ ہے

(۸۰)

خوشیاں تو یہ بڑی ہیں کہ پہونچیں سوئے جناں
واری وہاں بھی ہوگا محبت کا امتحاں
کوثر کے پاس تم تو کھڑے ہوگے میری جاں
یہاں بے قرار ہو کے ٹہلتی پھرے گی ماں
ہے آرزو وفا میں کسی سے نہ کم رہو
کھوئی نہ راہِ عشق ہو ثابت قدم رہو

(۸۱)

گھبرا کے جلد چھوٹے نے مادر سے یہ کہا
سمجھے نہیں کہ آپ نے ارشاد کیا کیا
فرما چکی ہیں رنج و الم کی نہیں وہ جا
پھر امتحان کیسا یہ سمجھایئے ذرا
مانا کہ ہو وہاں بھی مصیبت سہیں گے ہم
شہؑ کے جو ہیں غلام تو صابر رہیں گے ہم

(۸۲)

کہہ کہہ کے مرحبا متبسم جو یہ ہوئیں
حیران ہو کے تکنے لگے منہ وہ مہ جبیں
دونوں سے پھر یہ کہنے لگیں زینبِ حزیں
مطلب یہ تھا نہ چھوٹنے پائے وفا کہیں
کر لینا یاد لطفِ شہِ مشرقین کو
کوثر پہ بھولنا نہیں پیاسے حسینؑ کو

(۸۳)

چھریاں سی دل پہ چلتی ہیں اللہ ہے علیم
یہ دکھ بشر اُٹھائے جو ہمت نہ دے کریم
پتھر ہو پاش پاش مصیبت ہے وہ عظیم
اُف تک زبان پر نہیں ایسے ہیں یہ حلیم
کیا دور ان کے غم کا اگر غم جناں میں ہو
یہ بھی بجا ہے حشر جو کون و مکاں میں ہو

(۸۴)

بیٹے ہو اپنے ماموں کا کیا جانو مرتبہ
یہ وہ ہیں جن کے نور سے باغِ جناں بنا
سردار اہلِ خلد ہیں مظلومِ کربلا
جد ان کے مصطفےٰؐ جو ہیں سر تاجِ انبیاء
زہراؑ کے لال ختمِ رسلؐ کے نواسے ہیں
ساقی ہیں بابا ان کے یہ دو دن کے پیاسے ہیں

(۸۵)

تجھ کو یقیں ہے اہلِ جناں سب ہیں دل ملول
نظروں میں خارگل ہوں تو فرحت ہو کیا حصول
جنت سے بال کھولے یہاں آئی ہیں بتولؑ
سر ننگے آج نکلے ہیں فردوس سے رسولؐ
ظلموں سے کربلا کے جو صدمہ اُٹھائے ہیں
مقتل میں ساتھ حیدرؑ و شبّرؑ بھی آئے ہیں

(۸۶)

باغِ جناں کی نہروں میں ہے خاص اضطراب
پانی کی چادروں سے نمایاں ہے انقلاب
عبرت سے شکلِ آئینہ حیراں ہے سطحِ آب
ساقی کے منہ کو تکتا ہے رہ رہ کے ہر حباب
موجیں بھی ہاتھ ملتی ہیں کچھ دست رس نہیں
لہرائے گرد خیمہ کے آکر یہ بس نہیں

(۸۷)

تسلیم ان کا صبر کیا انبیاء نے بھی
ثابت قدم ہیں مان لیا کربلا نے بھی
ہر طرح آزمایا انہیں مصطفےٰؐ نے بھی
قابل اس امتحان کے سمجھا خدا نے بھی
اس ظلم اس جفا پہ یہ صبر و ثبات ہے
کونین میں حسینؑ کی ذات ایک ذات ہے

(۸۸)

یہ کہتے کہتے آنکھوں میں آنسو جو ڈبڈبائے
ساغر چھلکتے دیکھ کے پیاسوں کے دل بھر آئے
رو کر کہا کہ ہوگا کبھی وقت آ تو جائے
آسان مرحلہ ہے اگر رن خدا دکھائے
وعدہ وفا نہ ہو تو سزا حق سے پائیں ہم
بخشیں نہ دودھ حشر میں اب بخشوائیں ہم

(۸۹)

اماں یہ گوشت پوست اُسی دودھ سے بنا
ماموں بھی اور امامؑ بھی ہیں شاہِ کربلا
ہے اپنا فرض حق محبت کریں ادا
اصغرؑ ہے تشنہ لب ہمیں کوثر سے واسطہ
ہر لہر اپنے حق میں زیادہ ہے تیر سے
پانی سے بڑھ کے دخترِ زہراؑ کے شیر سے

(۹۰)

اک آہ بھر کے کہنے لگیں زینبِ حزیں
کیا شے ہے مامتا تمہیں جانی خبر نہیں
وعدہ وفا ہو تم سے وفا کا بھی تھا یقیں
یہ بار تم پہ رکھتی یہ ہو سکتا تھا کہیں
دامن گلِ مراد سے کل شب کو بھر دیا
میں نے میرے خدا نے بحل دودھ کر دیا

(۹۱)

منہ مامتا سے پھیر کے اب ہے یہ آرزو
عزت پہ جان دے دو کہ رہ جائے آبرو
پیاسے شہید ہو نہ ہو کوثر کی جستجو
پانی کی طرح راہِ خدا میں بہے لہو
دنیا کے رنج و غم ہیں اگر تن میں جاں رہے
ہے ایسی موت زیست جو نام و نشاں رہے

(۹۲)

گھوڑوں سے گرتے گرتے اُڑیں دشمنوں کے سَر
ڈھلتا ہو انتظار میں آنکھوں کا نیل اگر
اُلجھن بڑھے تو روئے پیمبرؐ پہ ہو نظر
دل میں سمجھنا نصرتِ شہؑ کا ملا ثمر
دنیا کے غم گئے ابدی اب حیات ہے
جنت میں آ بسے کہ نہ دن ہے نہ رات ہے

(۹۳)

کانٹے پڑے ہوں حلق میں اور خشک ہو زباں
مقتل کو جاننا کہ یہ ہے دارِ امتحاں
دل گُھٹ رہا ہو آہ نہ لب پر ہو میری جاں
ہوں صبر ہی سے ہوش و خرد باختہ جواں
ہمت بڑھی ہو کتنے ہی دشمن زیاد ہوں
ماں صدقے مار و نفس اگر وہ جہاد ہوں

(۹۴)

دکھ درد ان کے پیشِ نظر ہوں جو میری جاں
آساں اس امتحان سے ہے پھر وہ امتحاں
یہ سمجھو دیکھو نہر میں جس لہر کو رواں
جھولے میں تشنہ کام پھڑکتا ہے بے زباں
پاسِ وفا یہی ہے کہ دل سے غلام ہو
لب پر نہ جام ہو علی اصغرؑ کا نام ہو

(۹۵)

فرمایا پھر کہ بھائی تو آئے ابھی نہیں
اچھا سدھارو جلد نہ تاخیر ہو کہیں
تسلیم کو جھکے جونہی یہ دونوں مہ جبیں
ہاتھوں کو ماں نے چوم کے رُخ کی بلائیں لیں
دل سب کے غم سے پھٹ جو رہے تھے تو روتے تھے
با چشمِ نم وداع یہ ہر اک سے ہوتے تھے

(۹۶)

زینبؑ یہ سب سے کہتی تھیں رونا ہے بے محل
تھمے سے دل جو دہلیں تو جرأت میں ہو خلل
رن کربلا کا پہلے پہل کی ہے یہ جدل
حلالِ مشکلات کرے مشکلوں کو حل
لوگوں دعا کرو کہ در مدعا ملے
فاتح یہ ہوں امامؑ سے رن کی رضا ملے

(۹۷)

عزت کی دو دعائیں غریبوں کا لو سلام
سجدے کرو نصیب ہوئے نصرتِ امامؑ
لڑکے ظفر جو ہو تو ہوں غازی یہ تشنہ کام
کام آئے گر ہو فردِ شہادت پہ ان کا نام
خالق سے ہے دعا نہ اگر فتح پائیں یہ
پیروں سے اپنے جاتے ہیں ہاتھوں پہ آئیں یہ

(۹۸)

بچوں سے پھر یہ کہنے لگی وہ اسیرِ غم
کہنا کہ صدقے ہونے کو بھیجے گئے ہیں ہم
اماں نے اپنے حق کی دلائی ہے یہ قسم
دے دیجیے رضا ہمیں یا سرورِ امم
اس مرحمت سے ہم کو بھی عزت حصول ہو
نادار کا غریب کا ہدیہ قبول ہو

(۹۹)

یہ اشک پونچھتے ہوئے بڑھتے تھے سوئے در
گریاں تھے ساتھ اہلِ حرم سب برہنہ سر
ساکت تھی ماں کھڑی ہوئی اپنے مقام پر
تھی ہر قدم پہ فرش مگر یاس کی نظر
گھر سے جو باہر آئے وہ ناصر امامؑ کے
مادر گری کلیجہ کو ہاتھوں سے تھام کے

(۱۰۰)

آتے ہی خوش خرام کی جانب ہر اک بڑھا
کی جست اور زین پہ بیٹھے وہ مہ لقا
دو پھول جلوہ گر ہوئے سمجھے یہ بادِ پا
گھوڑوں کو تازیانہ تھا لینا لگام کا
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے جو کمسن سوار تھے
بچے تھے پشت پر تو فرس ہوشیار تھے

(۱۰۱)

باہم یہ باتیں کرتے تھے دونوں وہ تشنہ کام
جاتے تو ہیں خدا کرے رخصت بھی دیں امامؑ
بولے یہ عونؑ ہوں جو یہ راضی شہؑ انام
چھوٹے نے کی یہ عرض تو مشکل ہے لا کلام
قسمت میں داغ اُٹھانا ہیں جن کے اُٹھائیں گے
بیٹھیں گے گھر میں جاکے نہ اب رن میں آئیں گے

(۱۰۲)

ذکر آپ پہلے چھیڑیں ہو موقع محل اگر
مادر کا پھر پیام سنائیں بچشمِ تر
قدموں پہ شاہِ دیں کے رکھیں یہ غلام سَر
چاہے خدا تو اِذن ملے اور مہم ہو سر
حملے وہ ہوں تباہ یہ کُل فوج شام ہو
گھوڑے اُڑا کے نیمچوں سے قتلِ عام ہو

(۱۰۳)

بھیا یہ ولولہ ہے وغا پہلے ہم کریں
جوہر دکھائیں نیمچے کے سر قلم کریں
آئیں اُلٹ کے صف تو یہ ہم پر کرم کریں
جو یاد آپ کو ہوں دعائیں وہ دم کریں
اے تو سہی جو شور نہ ہو پھر دہائی کا
دے دے کے داد دیکھیں تماشہ لڑائی کا

(۱۰۴)

ہمت بڑھے امنگ بڑھے دل کے ساتھ ساتھ
ہوں تیغ تولے لشکرِ جاہل کے ساتھ ساتھ
رد و بدل ہو ایسی مقابل کے ساتھ ساتھ
بسمل پھڑکتے دیکھئے بسمل کے ساتھ ساتھ
رن کی زمین لاشوں سے عبرت کی جا بنے
رشکِ منا یہ مقتلِ کرب و بلا بنے

(۱۰۵)

کہہ کہہ کے مرحبا یہ بڑے نے دیا جواب
سمجھے نہ سوچے اتنا بھی اللہ رے اضطراب
تم سے جدل کرے سپہ خانماں خراب
میں سیر دیکھو دور سے ہوسکتی ہے یہ تاب
اس کے علاوہ ایک زمانہ برا کہے
جو دیکھے جو سنے تمہیں بولو وہ کیا کہے

(۱۰۶)

یہ مجھ کو چاہیے ہے کہ پہلے وغا کروں
تم سیر دیکھتے رہو اور میں لڑا کروں
اک تہلکہ سپاہ میں ہر سو بپا کروں
ہو کر شہید حق غلامی ادا کروں
جرأت دکھانا معرکۂ کار زار میں
لڑ لینا میرے بعد بھی ہے اختیار میں

(۱۰۷)

سنتے ہی آبدیدہ ہوئے وہ جو بھر کے آہ
بولے یہ عونؑ رونے لگے آپ واہ واہ
غازی دلیر کیا یونہی جاتے ہیں رزم گاہ
خوش ہو نہ ہو اداس نکل آئی ایک راہ
جاتے ہی پہلے اذنِ وغا لیں امامؑ سے
پھر دونوں بھائی مل کے لڑیں فوج شام سے

(۱۰۸)

رن کی رضا عطا جو کریں سرورِ امم
تم میسرہ سے جنگ کرو میمنہ سے ہم
اعدائے دیں کے اُڑتے رہیں سر قدم قدم
اک بار پھر سپاہ سے دونوں لڑیں بہم
اس شان سے اضافہ ہو رفعت میں اوج میں
مل جائیں آ کے دل کی طرح قلبِ فوج میں

(۱۰۹)

اتنے میں چھوٹے کہنے لگے یہ بہ اشک و آہ
شاید شہید ہو گئے مسلمؑ کے رشکِ ماہ
جلدی چلیں حضورؐ سوئے شاہِ دیں پناہ
ایسا نہ ہو کہ پائے کوئی اذنِ رزم گاہ
دل کہتا ہے کہ جا رہے ہیں وہ جو آئے تھے
لاشے یہ لوگ گنجِ شہیداں میں لائے تھے

(۱۱۰)

باتیں یہ کرتے جا رہے تھے ہو کے بے قرار
رن کی طرف نگاہ تھی تکتے تھے بار بار
یہ بھی تھے اشک بار تو وہ بھی تھے اشک بار
گھوڑے اُڑا کے پہونچے جونہی با صد اضطرار
منشے دلی لباسوں سے اظہار ہو گئے
استادہ اک اشارہ میں رہوار ہو گئے

(۱۱۱)

اُترے تو یہ مرقعِ غم آ گیا نظر
ساکت ہیں شاہؑ آنکھوں پہ رومال تر بتر
خاموش گرد و پیش یگانے جھکائے سر
ہیں آبدیدہ اکبرؑ و عباسؑ اِدھر اُدھر
بے چین ہے ہر ایک کہ رن کی رضا ملے
یہ بھی تھے بے قرار کہ موقع ذرا ملے

(۱۱۲)

اتنے میں قاسمؑ آئے کہ لیں رخصتِ وغا
ماں کا پیام دینے لگے عونؑ با وفا
قدموں پہ شہؑ کے جلد محمدؑ نے سر رکھا
حضرتؑ نے جھک کے سینہ سے اپنے لگا لیا
صدمے مفارقت کے دلوں پر جو ہوتے تھے
گریاں تھے دونوں بھائی شہِؑ دیں بھی روتے تھے

(۱۱۳)

فرماتے تھے کوئی نہیں چارہ حسینؑ کو
بے یار سو ہے اب بھی سہارا حسینؑ کو
ہے شاق گو فراق تمہارا حسینؑ کو
تم خوش ہو ہے یہ غم بھی گوارہ حسینؑ کو
افسوس ہے جہاد پہ جانے کا سن ہے یہ
کھائیں ترس حسینؑ پہ بچّے وہ دن ہے یہ

(۱۱۴)

ہاں جاؤ غم اُٹھانے پہ تیار ہے حسینؑ
خواہر کے اس پیام سے ناچار ہے حسینؑ
اپنے لئے خود آپ ہی آزار ہے حسینؑ
ہے خیر خواہِ خلق مگر بار ہے حسینؑ
دیکھے زمانہ بیکسِ تشنہ کام کو
دنیا یہ رہنے دے گی نہ اپنے امامؑ کو

(۱۱۵)

اذنِ وغا جو عونؑ و محمدؑ کو مل گیا
کانٹا نکل گیا تو غمِ جاں گسل گیا
ہیں باغ باغ غنچۂ امید کھل گیا
مادر تباہ ہو گئی آرامِ دل گیا
رن کا سماں یہ باندھے ہیں جرأت کے جوش ہیں
اور آبدیدہ سر کئے خم شہؑ خموش ہیں

(۱۱۶)

تسلیم کر رہے تھے ادب سے وہ رشکِ ماہ
دنیا امامؑ پاک کی نظروں میں تھی سیاہ
فرما رہے تھے آپ کہ زینبؑ ہوئی تباہ
سو درد دل کے کہتی تھی اُس وقت کی نگاہ
دیتے جو تھے دعائیں تو لب تھرتھراتے تھے
رو رو کے بار بار گلے سے لگاتے تھے

(۱۱۷)

جانے لگے تو حضرتِ عباسؑ نے کہا
رن کربلا کا پہلے پہل کی ہے یہ وغا
ناکردہ کار بچے ہو لب تشنہ بے غذا
لڑنا ہے جن سے ہیں وہ شکم سیر پُر دغا
تھا سابقہ تو ماں کی محبت سے چاہ سے
پالا پڑا نہیں کبھی خونی نگاہ سے

(۱۱۸)

اک دوسرے کا ساتھ دے پڑ جائے جب کڑی
بھائی کی شکل دیکھ لے بھائی گھڑی گھڑی
رد و بدل میں چاہیئے پھرتیاں بڑی
خطرہ بڑا ہے چوٹ جو اوچھی کوئی پڑی
لازم ہے با حواس دم کار زار ہو
پانی پئے نہ ہل کے وہ بھرپور ہو

(۱۱۹)

غازی چڑھے جو رن پہ تو جی کھول کر لڑے
چھائے نہ رعب دل پہ تہمتن اگر لڑے
آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہے جب نظر لڑے
پیچھے دبے نہیں جو سپر سے سپر لڑے
پھرتی ہو جوڑ توڑ میں ہمت نہ پست ہو
دشمن پہ فتح یاب ہو وہ بندوبست ہو

(۱۲۰)

کیا مال ہے یہ فوج جو دل شیر کا رہے
بچے تھے بزدلے نہ کوئی رن میں یہ کہے
غازی وہی ہے مرد کہ جیسی پڑے سہے
چتون پہ ہو نہ میل جو زخموں سے خوں بہے
سمجھو وداع ہوتی ہے طفلی جوانی سے
گلزار خلد سینچا ہے کوثر کے پانی سے

(۱۲۱)

یہ شکل ہو جب ہو ظلم شعاروں میں حملہ ور
دو شیر ہیں غزالوں کی ڈاروں میں حملہ ور
گھیریں اگر ہو تیغوں کی دھاروں میں حملہ ور
گھوڑے اُڑا کے ہونا طراروں میں حملہ ور
میدان لینا لاشوں سے رن پاٹتے ہوئے
نکلو جو تم صفوں سے تو سر کاٹتے ہوئے

(۱۲۲)

دشمن سے توڑ جوڑ میں ہوں وہ صفائیاں
مشہور خلق آج ہو تیغ آزمائیاں
پہلے تھکانا چاہیئے دے کر جھکائیاں
فولاد وقت ضرب ہوں نازک کلائیاں
سنبھلا نہ جائے گا جو کوئی چوٹ کھائے گا
شہ زور بھی اگر ہو تو قابو میں آئے گا

(۱۲۳)

دیتے ہیں دھوکا اپنے مقابل کو بیدرنگ
بیکار پھر ہے طاقت و جرأت ہو یا امنگ
دشمن کہے جو گھوڑے کا ٹوٹا ہوا ہے تنگ
گھبرا کے تم نہ دیکھنے لگنا بوقت جنگ
لڑنے کی ورنہ دل میں تمنا رہے گی پھر
بچے تھے کھائی چوٹ یہ دنیا کہے گی پھر

(۱۲۴)

حق پر جو ہو تو ہیں تمھیں آسانیاں مدام
لڑنے میں وہ فریب تو جائز ہے لا کلام
دھوکا حرام انھیں کہ ہے اُن پر دغا حرام
تم ناصرِ امامؑ ہو وہ دشمنِ امامؑ
بانی ہر ایک اُن میں ہے فتنے فساد کا
پایا ہے اذن امامؑ سے تم نے جہاد کا

(۱۲۵)

سمجھا بچے جو حضرتِ عباسؑ با وفا
تسلیم کر کے گھوڑوں پہ بیٹھے وہ مہ لقا
لی باگ ایڑ دیتے ہی سَن سَن کی تھی صدا
اُڑنے لگے ہوا پہ قدم رکھ کے باد پا
آگے فرس عقب میں ہر ایک نگاہ تھی
اور ساتھ ساتھ خاک بسر ماں کی آہ تھی

(۱۲۶)

پہونچے جو دشتِ جنگ میں دونوں بصد حشم
غیظ آیا دیکھتے ہی سپاہِ زبوں شیم
باگیں کسیں تو ہو گئیں گھوڑوں کی چال کم
آہستہ تھمتے تھمتے تھے وہ سبک قدم
غربت میں یا ترائی کی منزل پہ آگئے
یا دو سفینے ڈوبنے ساحل پہ آگئے

(۱۲۷)

رن میں کیا رخش کیا کسی جانباز سے رُکے
کانوں میں جو بسی تھی اُس آواز سے رُکے
تصویر دیکھیے وہ کس انداز سے رُکے
روکا جو عاشقوں نے تَوسین ناز سے رُکے
چھل بل پری جمالوں کی کچھ اور بڑھ گئی
شوخی بگل کے رُکنے میں نظروں پہ چڑھ گئی

(۱۲۸)

ہر سو ہے مدح کیسے فرسیں رہوار ہیں
ہے دشمنوں کا قول کہ پریاں نثار ہیں
کیا کہنا جوڑ بند بہت استوار ہیں
گھوڑوں کے ٹھاٹھ کہتے ہیں ضیغم شکار ہیں
توسن مقابل ان کے ہوں کیا رزم گاہ کے
پشتی پہ دو نواسے ہیں شیرِ الٰہ کے

(۱۲۹)

اس شان سے ہیں گھوڑوں پہ یہ ناصرانِ شاہؑ
قبضوں پہ ہاتھ فوج پہ ہے غیظ کی نگاہ
نعرے یہ ہیں کہ گرم ہو میدانِ رزم گاہ
تلواریں تولے نیزے اُٹھائے بڑھے سپاہ
دل میں ہے ولولہ کہ جدال و قتال ہو
بسمل پھڑکتے دیکھیں زمیں خوں سے لال ہو

(۱۳۰)

پہلی وغا ہے آج کے پہلے نہیں لڑے
چھوٹے ہیں سن ہمارے مگر حوصلے بڑے
کیا مال ہیں پرے کے پرے ہیں جو یہ کھڑے
معلوم خاندان ہو پالا اگر پڑے
پروا نہیں کچھ اس کی کہ دو دن کے پیاسے ہیں
جعفرؑ کے پوتے اور علیؑ کے نواسے ہیں

(۱۳۱)

گونجیں صدائیں طبل کی فوجی نشاں بڑھیں
جرأت ہماری دیکھنا ہے جن کو ہاں بڑھیں
لاکھوں میں ہوں چھٹے ہوئے چیتے جواں بڑھیں
لینا ہے فوج بھر کا ہمیں امتحاں بڑھیں
روکے نہ ہم رکیں گے کبھی سات پانچ سے
میدان رزم گرم ہو تیغوں کی آنچ سے

(۱۳۲)

یہ سن کے آئے غیظ میں گردان پیل تن
لشکر کے ہمہموں سے ہوا ہولناک رن
جنبش ہوئی صفوں کی ہلا کربلا کا بن
دریائے آہنی ہوا ایک بار موجزن
چاروں طرف سے گھیر کے بڑھ کر شریر آئے
کڑکی کمانیں غازیوں کی سمت تیر آئے

(۱۳۳)

آتے ہی تیر آگیا بس ہاشمی جلال
ابرو پہ بل تھے سرخ تھیں آنکھیں عذار لال
کھینچے وہ نیچے وہ چمکنے لگے ہلال
گھوڑے در آئے فوج میں ہونے لگی جدال
چھپتے تھے وہ شغال کی صورت جو شیر تھے
گھمسان کی لڑائی تھی لاشوں کے ڈھیر تھے

(۱۳۴)

گھوڑے اڑاتے پھرتے تھے غازی سروں کے ساتھ
آگے پیادہ بھاگتے تھے افسروں کے ساتھ
ہاتھوں سے تیغیں چھوٹتی تھیں خنجروں کے ساتھ
ٹکڑے اڑے تھے تیروں کے کٹ کر پروں کے ساتھ
بودوں کی جان ہونٹوں پہ تھی جسم سرد تھے
مخفی تھے بزدلوں میں جو میداں کے مرد تھے

(۱۳۵)

گھوڑے وہ گھوڑے جن سے بڑھے غازیوں کی شان
آئینہ جن کے ٹھاٹھ سے جانبازوں کی شان
سینہ میں دل ہے شیر کا ہے تازیوں کی شان
گردن میں مثل تیغ سر اندازیوں کی شان
دشمن کے سر کچلنے کا ساماں کم نہیں
فولاد کے ہیں گرز گراں یہ قدم نہیں

(۱۳۶)

ہیں سر بلند سینہ کشادہ کئے ہوئے
اعدا کشی کا دل میں ارادہ کئے ہوئے
بچوں کی ہمتوں کو زیادہ کئے ہوئے
راہِ خدا کو اپنا ہیں جادہ کئے ہوئے
گھوڑے ہیں غازیوں کے تو ہمت زیاد ہے
اس پیاس میں ہر ایک قدم اک جہاد ہے

(۱۳۷)

پھیلے نظر ہے جلد کھنچی چکنی اس قدر
پٹھوں کا حُسن بڑھ گیا تنگ اتنی ہے کمر
نعلوں میں کیلیں نقل سموں پہ ہیں جلوہ گر
ہر بدر پہ ہلال ستارے ہلال پہ
جلوہ سے فوج شام کو حیران کر گئے
ڈھالوں کی شب میں چاندنی چھٹکی جدھر گئے

(۱۳۸)

مست انکھڑیاں تو چاند سے مکھڑے وہ بے مثال
کیسی حَسین گردنیں ریشم کا لچھا یال
مرغِ نظر اسیر ہو گھونگر کا ہے وہ جال
وہ پریاں اڑ رہی ہیں تو بکھرے ہوئے ہیں بال
جلدیں ہیں رونگٹوں سے حریرِ آب و تاب میں
نرمی یہ کب نصیب ہے مخمل کو خواب میں

(۱۳۹)

ایسی سبک روی کہ نسیم ان پہ ہو نثار
ہر سو نگاہِ تند سے باندھے ہوئے حصار
اپنی جگہ سے گرد کا اٹھنا تو درکنار
پہلو بدل نہ سکتا تھا بیٹھا ہوا غبار
اس کا جواب وہ تو یہ اُس کی مثال ہے
جادہ پہ ان کے آئے ہوا کیا مجال ہے

(۱۴۰)

اپنے ہنر دکھائیں جو لے امتحاں کوئی
محسوس ہو نہ شوخیوں پہ بھی نشاں کوئی
دیکھیں حسیں تو روح کوئی سمجھے جاں کوئی
پائے نہ راستے میں قدم کا نشاں کوئی
دل زاہدوں کے کھینچتے ہیں حور کی طرح
راہِ خدا میں بڑھتے ہیں یہ نور کی طرح

(۱۴۱)

خورشید و برق و باد سے دوں کس طرح مثال
سرعت ہے راہواروں کی بالا تر از خیال
بڑھ جائے ایک دوسرے سے آگے کیا مجال
یہ اُس کی چال دیکھتا ہے اور وہ اس کی چال
انداز وہ حَسین ہیں جانیں دئے ہوئے
پریاں اُڑی ہیں دو گلِ جنت لئے ہوئے

(۱۴۲)

مخبر یہ ابنِ سعد سے کہتے تھے بار بار
دو بچے رن میں آئے ہیں پھرتیلے جانثار
سر بر ہوں کیوں کر اُن سے جواں آزمودہ کار
تیار ہاتھ ایسے کہ ہیں بے پناہ وار
جرأت کے جوہر اُن کی وراثت میں آئے ہیں
شیرِ خداؑ کے شیر نے حملے سکھائے ہیں

(۱۴۳)

پامال ہو رہے ہیں پیادہ جو پیر ہیں
کاووں میں یوں گھرے ہیں رسالے اسیر ہیں
افسر تڑپ سے نیچوں کی گوشہ گیر ہیں
گھوڑے کڑی کمان کے آزاد تیر ہیں
تدبیر کیا ہو جب ہے مقدر پھرا ہوا
ہے چار بجلیوں میں یہ لشکر گھرا ہوا

(۱۴۴)

ملعون نے سنا متواتر جو یہ بیاں
ہونٹوں پہ جان آ گئی تھرائے استخواں
کہنے لگا یہ اُن سے کھڑے تھے جو پہلواں
ہمت کوئی کرے ہے یہی وقتِ امتحاں
ہر دم ترقیوں کا رکھوں گا خیال میں
کم ہے جو سیم و زر سے بھروں اُس کی ڈھال میں

(۱۴۵)

لالچ میں آکے ہو گیا تیار ایک مَل
جتنے تھے نیزہ باز تھا اُن میں وہ بے بدل
مردود کو بڑا تھا پھکتی پہ اپنی بل
بولی قضا کہ دوں گی تیرا ساتھ جلد چل
آمادہ میں رہوں گی اسی بندوبست پر
نیچی نظر نہ ہو گی کسی سے شکست پر

(۱۴۶)

بولا اکڑ کے سب کی طرف دیکھ کر لعیں
جاتا ہوں پا پیادہ مجھے کوئی ڈر نہیں
لڑکے نہ لڑ سکیں گے ابھی ہیں وہ نازنیں
دم نکلے خونیں آنکھوں سے گھوروں اگر کہیں
لاؤں گا زندہ کیا مجھے خوف و ہراس ہے
سب دیکھ لیں کہ نیزہ بھی ایک پاس ہے

(۱۴۷)

یہ کہہ کے ان کی سمت چلا جھومتا ہوا
ہر اک گام اپنی شجاعت پہ ناز تھا
گاڑا زمیں پہ نیزہ جو پہونچا وہ بے حیا
نعرہ کیا مہیب بلا دشتِ کربلا
ہیبت یہ تھی درندے بھی جنگل سے ٹل گئے
طائر اُڑے درختوں سے کوسوں نکل گئے

(۱۴۸)

لاف و گزاف بکنے لگا یوں وہ ہرزہ کار
فن سپہ گری میں ہوں یکتائے روزگار
ہوں پا پیادہ یا وہ رہیں رخش پر سوار
نیزہ سے چھیدے لیتا ہوں دونوں کو ایک بار
بچوں سے لڑنا میرے لئے عار و ننگ ہے
مجبور اس سے ہوں کہ مجھے حکمِ جنگ ہے

(۱۴۹)

گھوڑے سمیت اُٹھاؤں یہ ہے بازوؤں میں زور
ہے فیل مست سامنے اپنے مثالِ مور
بہرام بھی جو آئے مقابل دکھاؤں گور
بڑھ کر سنان سے ہے میرے نیزے کی پور
دونوں کے دل نکالوں گا سینوں کو چیر کے
ہے خیر اسی میں ساتھ چلیں پاس امیر کے

(۱۵۰)

آواز یہاں سے جاتی تھی لڑتے تھے وہ جہاں
غصہ میں کانپے سنتے ہی یہ بدزبانیاں
آئے شتاب پکڑے رہواروں کی عناں
فرمایا بس خموش نہ کر وقت رائیگاں
دعویٰ وہ کب درست ہے جو بے دلیل ہے
نخوت ہے جس کا شیوہ ہمیشہ ذلیل ہے

(۱۵۱)

کیسا جری ہے کیسا سپاہی ہے کینہ جو
حربہ ہے دور کا جو یہ نیزہ لئے ہے تو
ہے اپنے خانداں سے شجاعت کی آبرو
جرأت بھری ہے جس میں وہ رگ رگ میں ہے لہو
فن سپہ گری کی بھی آن بان ہے
تلوار ہو کمر میں یہ غازی کی شان ہے

(۱۵۲)

بچہ جنہیں سمجھتا ہے اُن سے ہیں یہ سخن
او بے تمیز تجھ پہ شجاعت ہے خندہ زن
ہرگز نہیں ہمارے گھرانے کا یہ چلن
لڑنا ہو جس سے گھوڑے سے اُترے وہ صف شکن
غازی کو کیوں پسند نہ حیدرؑ کا جادہ ہو
خود بھی ہو پا پیادہ جو دشمن پیادہ ہو

(۱۵۳)

سنتے ہی یہ جواب ہوا زرد رو سیاہ
ہر چار سمت ہوگئی لشکر میں واہ واہ
مدحت سے اور کھپ گیا نیچی ہوئی نگاہ
جھلا کے پھر یہ کہنے لگا دشمن الٰہ
دونوں سے ایک ساتھ جدال و قتال ہو
نیزے سے میں لڑوں یہ تمہیں کیوں خیال ہو

(۱۵۴)

چھوٹے تو مسکرائے بڑے نے دیا جواب
مطلب ترا سمجھ گیا او خانماں خراب
رد و بدل کی ایک سے تجھ میں نہیں ہے تاب
چھیدے سناں میں دونوں کو ہے یہ خیال و خواب
حسرت یہی لئے ہوئے دوزخ میں جائے گا
لکھ لے شکست ہوگی نہ تو فتح پائے گا

(۱۵۵)

ہوگی شکست امامؑ کو کہنے لگا لعیں
نسل ان کی قطع ہوگی مجھے یہ بھی ہے یقیں
سنتا ہوں بھوک پیاس سے مرتے ہیں نازنیں
بیعت کریں حسینؑ تو جھگڑا ہی کچھ نہیں
آرام و عیش سے بسر اپنی حیات ہو
لازم ہے جیسا وقت ہو ویسی ہی بات ہو

(۱۵۶)

جرأت پہ خانداں کی تمہیں ناز ہے بڑا
بچوں کو دے دی جنگ کی شبیرؑ نے رضا
عباسؑ تو بڑے تھے جری اور با وفا
لڑ مرتے خود انہوں نے گوارہ یہ کیوں کیا
ناموس و طفل لانا ہی یاں کیا ضرور تھا
مانو نہ مانو عقل کا یہ بھی قصور تھا

(۱۵۷)

انصار کے لہو سے ہے رنگین قتل گاہ
اب بھی نہیں یگانوں کے انجام پر نگاہ
منزل پہ وہ پہنچتا ہے سیدھے چلے جو راہ
ضد سلطنت سے کر رہے ہیں کیا سمجھ کے شاہؑ
طاقت بڑی ہے جس کی ظفر اُس کے ہاتھ ہے
بولے بڑا قدیر جو ہے حق کے ساتھ ہے

(۱۵۸)

باتوں سے آشکار ہے تیرا دماغ شر
دنیا ہی کی سمجھتا ہے دیں کی نہیں خبر
منہ پر طمانچہ مار یہ کیا بک رہا ہے خر
کرتا ہے اعتراض امامؑ زمانہ پر
کیا سمجھے مصلحت کو فتہ مشرقین کی
گمراہ جان سکتا ہے منزل حسینؑ کی

(۱۵۹)

ہے دشمن الٰہ جو ہو قاتل حسینؑ
پیارا ہے وہ خدا کو جو ہے مائل حسینؑ
کعبہ کرے طواف ہے ایسا دل حسینؑ
ہے انتہائے صبر و رضا منزل حسینؑ
ہادی و رہنما جو کیا ہے کریم نے
چومے قدم ہمیشہ رہ مستقیم نے

(۱۶۰)

او کور ابنِ وقت سمجھتا ہے دن کو رات
نیت ہے کیا حسینؑ کی واقف ہے اُس کی ذات
تو جانتا ہے چین کو راحت کو اصلی بات
اظہار حق سمجھتے ہیں وہ مقصدِ حیات
قرآں ہے جس کے ساتھ خدا اُس کے ساتھ ہے
دیں کی ہے فتح جب تو ظفر اُس کے ہاتھ ہے

(۱۶۱)

دیکھی سنی کسی کی نہ ہم نے یہ شانِ صبر
صبر و ثبات ان کا ہے روحِ روانِ صبر
کیسی لڑائی دے رہے ہیں امتحانِ صبر
سردار ان کو جانتا ہے کاروانِ صبر
مطلب نہ ملک سے ہے انھیں اور نہ مال سے
اسلام کو بچا یہ رہے ہیں زوال سے

(۱۶۲)

خاصانِ حق کو عیش سے مطلب نہیں رہا
دور امتحاں کا تو ہی بتا کب نہیں رہا
ہاں اعتبار کوفیوں کا اب نہیں رہا
حاکم کا اور ترا کوئی مذہب نہیں رہا
نرغہ امامؑ پر یہ عداوت ہے کون سی
جس میں ہوں ایسے ظلم وہ ملت ہے کون سی

(۱۶۳)

ہے ان کے امتحان کی جا دشتِ کربلا
حق ظلم آزما ہے بھی صبر آزما
ظالم یزید سا ہے تو صابر حسینؑ سا
ہے قہرِ حق اُدھر تو اِدھر رحمتِ خدا
ہو سر قلم بادشۂ مشرقین کا
اسلام کلمہ پڑھتا رہے گا حسینؑ کا

(۱۶۴)

نا مرد پردہ پردہ میں دیتا ہے دھمکیاں
سب قتل ہوں کریں گے نہ بیعت شۂ زماں
روکے نہ رک سکے گی مگر خلق کی زباں
ہوئے گی سرگزشتِ حسینؑ اس طرح بیاں
بچوں کو اپنے اُمتِ جد پر فدا کیا
ہو کر شہید وعدۂ طفلی وفا کیا

(۱۶۵)

بہتر گناہ گاروں کا انجام کر گئے
روشن ابد ہو نام سے وہ نام کر گئے
ہو کر شہید ظلم بڑا کام کر گئے
اسلام کو حسینؑ ہی اسلام کر گئے
بعدِ نبیؐ جو دین میں پژمردگی ہوئی
وہ تازہ روح پھونک گئے زندگی ہوئی

(۱۶۶)

تھیں خطۂ عرب کی وہ مہماں نوازیاں
دنیا میں حاصل ان کو ہوئیں سرفرازیاں
یاں لکھ کے خط بلایا کریں حیلہ سازیاں
اللہ رے کوفہ والوں کی بے امتیازیاں
کر ڈالا قتل آہ شہِؑ تشنہ کام کو
بچوں سمیت مارا ہے اپنے امامؑ کو

(۱۶۷)

ناموس و طفل ہوتے نہ حضرتؑ کے ساتھ اگر
قوت نہ کھلتی ظالم و صابر کی خلق پر
شبیرؑ اب شہید تو ہوں او زبون سیر
ہو کر رہے گا یہ ورقِ دہر خوں میں تر
تکمیلِ امتحاں کے بڑے اہتمام تھے
بیعت کو آتے کیوں وہ سیاست امامؑ تھے

(۱۶۸)

پکار مجھ سے او سگِ دنیا یہ قیل و قال
فتح و شکست دہر کا بھی ہو اگر سوال
جب بھی کہوں یہی کہ ہے فاتح علیؑ کا لال
انجام کس کا نیک ہے یہ سوچ بد مآل
لعنت ہو خلق کی تو ظفر اک عذاب ہے
دنیا میں جس کا نام ہو وہ کامیاب ہے

(۱۶۹)

تہمت جو شہؑ پہ رکھ کے یہ چاہا کہ دے دغا
ہم بدگماں ہوئے نہ گنہ گار تو ہوا
دیتے نہ تھے کسی کو بھی رخصت شہِؑ ہدیٰ
رکھ رکھ کے اُن کے قدموں پہ سر پائی ہے رضا
تم خوش ہو کر کے ذبح شہِؑ مشرقین کو
مظلوم دیکھ سکتے نہیں ہم حسینؑ کو

(۱۷۰)

ملعون کیا یہ بکتا ہے ہو تیرے منہ میں خاک
حاکم کی ہے مجال کرے قطع نسلِ پاک
قدرت کو اختیار ہے جب کیوں ہو خوف و باک
ظالم ڈریں کہ آئے نہ وہ وقت ہولناک
ہوتے ہیں جانشیں یہ رسولؐ انام کے
جس نے دیا ہے حشر قدم میں امامؑ کے

(۱۷۱)

سمجھا ہے تو ہیں حضرتِ عباسؑ بے وفا
جرأت نہیں ہے اُن میں یہ کہتا ہے بے حیا
کیا کرتے وہ کہ شاہؑ نے دے دی ہمیں رضا
سمجھا ہے جن کو طفل اُنھیں پہلے آزما
کیسا جری ہے ہم بھی تو دیکھیں ذرا تجھے
گستاخیوں کی دینا ہے کافی سزا تجھے

(۱۷۲)

یہ کہہ کے کودے گھوڑوں سے وہ دونوں خوش سیر
ٹھاٹھ اُس نے بدلا نیزہ اُٹھایا بڑھا اُدھر
ستی سپاہ چار طرف سے یہ دیکھ کر
میدان چھٹتا بھاگتے تھے سب اِدھر اُدھر
ماتھے پہ ہر طرف شکنیں تھیں پڑی ہوئیں
آنکھوں کے ڈورے سرخ نگاہیں لڑی ہوئیں

(۱۷۳)

وہ نیمچے کھنچے وہ چھڑی جنگ ساقیا
رنگین ہو جس سے نظم وہ دے رنگ ساقیا
ہوں محو سب نہ ہو کوئی دل تنگ ساقیا
ہر لحظہ ہو وغا کا نیا ڈھنگ ساقیا
ہر اک کہے یہ کیفِ کلامِ وحید ہے
یکتائے دہر کیوں نہ ہو یہ بھی فرید ہے

(۱۷۴)

کونین میں جواب نہیں جس کا وہ شراب
عصیاں ہیں بے شمار پیوں کیوں نہ بے حساب
مستی میں دوں سوالِ نکیرین کا جواب
مرقد سے تا بہ خُلد بنے جادۂ ثواب
اُٹھوں لحد سے تیرے قدم چومتا ہوا
گزروں پُلِ صراط سے میں جھومتا ہوا

(۱۷۵)

وہ دے شراب بخت کو بیدار جو کرے
سوتے ہوؤں کو خواب سے ہشیار جو کرے
بیڑا ہم ایسے عاصیوں کا پار جو کرے
انجامِ زندگی سے خبردار جو کرے
دل سیر ہو نہ الفتِ آلِ رسولؐ سے
یوں نکلے تن سے روح کہ بو جیسے پھول سے

(۱۷۶)

ہر گھونٹ کا ثواب ہے ہر جام کا ثواب
پی کر چلوں تو ہو مجھے ہر گام کا ثواب
کیا جانے کوئی مجھ سے مے آشام کا ثواب
نیت سے پینے کی ملے احرام کا ثواب
بڑھ جائے دستِ شوق جو پیمانہ کے لئے
دل مرا کعبہ ہو تیرے میخانہ کے لئے

(۱۷۷)

مے نوش اس قدر تیری الفت میں ہو گیا
مشہور بڑھ کے دہر سے جنت میں ہو گیا
راحت کا کیف مجھکو مصیبت میں ہو گیا
ہر گھونٹ کا شمار عبادت میں ہو گیا
عصیاں ہوں جس سے نیست بھی ایسی شراب ہے
بھر بھر کے جام دے کر پلانا ثواب ہے

(۱۷۸)

سمجھا تجھے جو وہ ترا دیوانہ بن گیا
انساں تو کیا فرشتہ بھی پروانہ بن گیا
رحمت کا دل ترے لئے کاشانہ بن گیا
جلوہ جہاں ہوا وہیں میخانہ بن گیا
ساقی تجھے پسند خدا ہی کا گھر ہوا
کعبہ میں ذر ہوا کبھی مسجد میں ذر ہوا

(۱۷۹)

نعروں کی آ رہی ہے صدا ہو رہی ہے جنگ
مقتل میں دیکھنا ہے شجاعت کا ہم کو رنگ
بھیڑیں ہیں گرد بیچ میں میدانِ نام و ننگ
یہ روکتے ہیں وار وہ کرتا ہے بے درنگ
ہیں تیزیاں ہر ایک میں آزاد تیر کی
آوازیں ہیں بلند بزن اور گیر کی

(۱۸۰)

شائق ہیں سب ہے دید کے قابل جو کار زار
آگے پیادہ گرد عقب اُن کے ہیں سوار
کُجبت یہ کج مزاجوں سے ہوتی ہے بار بار
ہے آڑ تیرے خود کی جلدی اُسے اُتار
کہتا ہے وہ یہ کیا کہا تو نے زبان سے
واقف نہیں سپاہیوں کی آن بان سے

(۱۸۱)

تاکے ہوئے تھا عونؑ کا سینہ وہ رو سیاہ
قرآں سناں میں چھید لے کہتی تھی یہ نگاہ
آتے ہی نیزہ نیچے ہوتے تھے سدِ راہ
زد سے بچے جونہی ہوئی لشکر میں واہ واہ
تھرایا برچھا اور یہ زبانوں پہ آ گیا
اُنّی گمرا جو بجلیوں میں چوندھیا گیا

(۱۸۲)

نیزہ یہ کہہ کے مارا کہ او طفل ہاں سنبھل
خالی دیا جو وار خمیدہ ہوا وہ یل
گرنے لگا بس اپنے ہی لشکر میں منہ کے بل
بولے کہ سرنگوں ہے ملا سرکشی کا پھل
پھولا تھا دم تو جان نہ طاقت لعیں میں تھی
چوب اُس کے ہاتھ میں تھی تو برچھی زمیں میں تھی

(۱۸۳)

بولے سنبھل کہ مدّتِ عمرِ رواں گئی
یہ کہتے ہی جو نیچے مارا سناں گئی
اُنّی کا سر نکل گیا چلتی زباں گئی
سمجھا برا پھنسا رہِ امن و اماں گئی
کچھ بس نہ چل سکا تو وہ ملعون کھو گیا
آنکھوں میں موت پھر گئی سکتہ سا ہو گیا

(۱۸۴)

تھا دست پا چہ دیکھ رہا تھا اِدھر اُدھر
شل ہاتھ پیر اور پسینے میں تر بتر
پپڑائے ہونٹ پانی ہی پانی زبان پر
فرمایا نیزہ قطع ہوا بچ گیا یہ سر
بن کے سپر جو پیاس تیرے آڑے آ گئی
رحم آیا کیا ہو وار کہ واپس قضا گئی

(۱۸۵)

اب اپنے حالِ زار سے کر کے ذرا قیاس
بچے لڑے وہ کیسے ہے دو دن سے جن کو پیاس
ایثار و رحم و خُلق کا دشمن سے ہے یہ پاس
ہم خود پلاتے پانی جو ہوتا ہمارے پاس
پیتے نہ ایک گھونٹ بھی گو کب سے پیاسے ہیں
حضرتؑ کے بھانجے تو علیؑ کے نواسے ہیں

(۱۸۶)

استادہ سر جھکائے تھا چپ چپ وہ بے حیا
تعریف شاہزادوں کی ہوتی تھی جا بجا
کہتے تھے بعض واہ یہ کیسا بھکیت تھا
چاہا تھا نیزہ مارنا خود چوٹ کھا گیا
کچھ کہتے تھے کہ حربہ نہیں بے حواس ہے
سر پر حریف تیغ لئے اور یہ پاس ہے

(۱۸۷)

آب آیا ہاتھوں ہاتھ اُدھر سے بہ اہتمام
دل بھن رہا ہے بچّے یہ دو دن سے تشنہ کام
شل ہیں دغا سے دھوپ میں ریتی پہ ہے قیام
ہے ہے وہ چھلکا لینے میں شیشہ کا صاف جام
پیاسوں نے پانی دیکھا جگر منہ کو آ گیا
اک سانس میں وہ سامنے ہی ڈگڈگا گیا

(۱۸۸)

پی کر کہا کہ آپ ہیں افسوس تشنہ کام
ہوتے ادھر تو پانی کا ہونٹوں پہ ہوتا جام
بولے خموش بے ادبانہ نہ کر کلام
لالچ میں آئیں گے ہے ترا یہ خیال خام
جس دن سے بھوکا پیاسا امامؑ زمانہ ہے
کافر نہ سمجھے ہم پہ حرام آب و دانہ ہے

(۱۸۹)

ظالم یہ ہے مجاہدِ راہِ خدا کی پیاس
مضبوط اک دلیل ہے صبر و رضا کی پیاس
اہلِ دغا کی پیاس ہے یا باوفا کی پیاس
کوثر ہی پر بجھے گی کہ ہے کربلا کی پیاس
کانٹے پڑے ہیں حلق شہِ دیں پناہ میں
اصغرؑ کی تشنگی ہے ہماری نگاہ میں

(۱۹۰)

آیا حواس میں وہ لعیں بجھ گئی جو پیاس
لیکن عیاں تھے چہرہ سے آثار خوف و یاس
لی تیغ جلد تھی جو عقب میں غلام پاس
بولے یہ مسکرا کے عبث تھا تجھے ہراس
وہ ہاتھ کیا اُٹھائے گا جو سرگزار ہو
جرأت کا ننگ ہے کہ نہتے پہ وار ہو

(۱۹۱)

مشہور نیزہ باز تھا جوہر ترا کُھلا
ہاں دیکھیں اب ہے کتنا بڑا تیغ آزما
بولا کہ طعن طنز سے اس وقت فائدہ
قسمت کی بات چوک گیا اتفاق تھا
مجمع وہی ہے فوج کا ہر صف شکن بھی ہے
تلوار بھی ہے تم بھی ہو میں بھی ہوں رن بھی ہے

(۱۹۲)

فرمایا اتفاق سے چوکا تھا نابکار
کاذب یہ کہہ کہ ہم تھے کہیں تجھ سے ہوشیار
تو نے تو سینہ تاک کے ایسا کیا تھا وار
خالی جو ہم نہ دیتے سناں پشت سے تھی پار
دنیا ہے پاک اب ترے بغض و نفاق سے
ہو جائے گا یہ سر بھی قلم اتفاق سے

(۱۹۳)

تیرا بھرم کھلا اسی لشکر کے سامنے
چھوڑا ہے جا بجا اسی لشکر کے سامنے
نیزہ قلم کیا اسی لشکر کے سامنے
اب تیغ لے کے آ اسی لشکر کے سامنے
کٹ جائے سر کے ساتھ جو یہ خود سنگ بھی
مشہور ہو علیؑ کے نواسوں کی جنگ بھی

(۱۹۴)

سنتے ہی آیا غیظ بڑھا بہر کار زار
بل کھایا سانپ تھا جو چوٹیلا ہو بار بار
عونؑ جری نے سر پہ کیا اک جھپٹ کے وار
رد ہو گیا سپر جو ہوئی تیغ سے دوچار
تھیں چار سمت سب کی نگاہیں لڑی ہوئی
خالی گئی جو چوٹ تو خفت بڑی ہوئی

(۱۹۵)

یہ مسکرا کے بولے کہ احساں کیا شقی
دکھلائے ہیں کمال وہ حیراں کیا شقی
زخمی دلوں کو تو نے نمک داں کیا شقی
پھر فوجیوں کو سر بہ گریباں کیا شقی
قابو میں ہم نہ آئے اگر کیوں ملال ہے
اتنوں پہ غالب آگیا یہ بھی کمال ہے

(۱۹۶)

جھلا کے وار کرنے لگا پھر وہ بد خصال
تلوار اُٹھی کہ ساتھ تھی سایہ کی طرح ڈھال
تھا اُس کو گو کہ تیغ زنی میں بڑا کمال
پڑ جائے ان کے تن پہ مگر خط یہ کیا مجال
تاڑا ارادہ لڑتی نظر سے نظر رہی
شمشیر اُس کی آئی تو نیچے سپر رہی

(۱۹۷)

رد و بدل میں دونوں طرف تھیں صفائیاں
وہ حملہ ور تھا دے رہے تھے یہ جھکائیاں
عباسؑ نے سکھائی تھیں تیغ آزمائیاں
پیچ میں ان کے آتا تھا گرنے سے گھائیاں
رد کر کے اُس کے وار پہ زد سے بچ آتے تھے
جھلا کے حملہ کرتا تھا جب مسکراتے تھے

(۱۹۸)

بس کہہ کے یا علیؑ کیا اک وار جلد تر
جھکا جو نیچے تو وہ جھکا زبون سر
دو ٹکڑے تیغ سے کیا سر خود کاٹ کر
تقسیم حصہ ہو گیا ہر ایک دوش پر
پائی سزائے بے ادبی بر محل گرا
اصنام کو پکارتا تھا منہ کے بھل گرا

(۱۹۹)

تڑپا وہ گر کے گھوڑوں پہ بیٹھے وہ تشنہ کام
کر کے ہجوم گھیر کے بڑھ آئی فوج شام
چمکے وہ تیغے وہ ہوا ایک قتل عام
بے مے ہیں بادہ نوش ہیں ساقی عطا ہو جام
ترسے ہوؤں کو پینے کی پھر اک امنگ ہے
سرشار و مست ہوں کہ قیامت کی جنگ ہے

(۲۰۰)

چمکے وہ تیغے وہ ہوا شور الاماں
بھگدڑ پڑی صفوں میں ہوئے سرنگوں نشاں
تیغوں سے زیر ہو گئے تیغ آزما جواں
غازی جہاں پہونچ گئے برسا لہو وہاں
اس طرح لڑ رہے ہیں کہ ہر سمت دھوم ہے
حیرت میں سر جھکائے بن سعد شوم ہے

(۲۰۱)

فضہ جو در سے دیکھ رہی تھی یہ ماجرا
گھبرائی اور جا کے محل میں یہ دی صدا
ہے یہ گھڑی کٹھن کہ ہزاروں سے ہے وغا
اللہ سہل کردے کرو مل کے سب دعا
حلال مشکلات بلا اُن کی رد کریں
جلدی پکارو شیرِ خدا کو مدد کریں

(۲۰۲)

جوڑی سلامت ان کی رہے ہو نہ کوئی غم
ہو خیر راہ بات کی یارب قدم قدم
کس شان سے ہیں گھوڑوں پہ باگیں لئے بہم
اللہ بد نظر سے بچائے رہیں یہ دم
بی بی بھروسہ چاہئے بس اُس کی ذات پر
فوجیں بھگا کے جا رہے ہیں اب فرات پر

(۲۰۳)

یہ سُن کے آئیں صحن میں زینبؑ بصد محن
کی حق سے عرض رحم ہو اے ربِّ ذو المنن
دریا کی سمت جا رہے ہیں پیاسے بے وطن
پانی پیا اگر تو وفا کا چھٹا چلن
وہ صبر دے وہ صبر جو سن سے بعید ہو
ان میں سے جس کی آئی ہو پیاسا شہید ہو

(۲۰۴)

دے صبر تو کہ اُن میں یہ تاب و تواں کہاں
پپڑائے ہونٹ پیاس سے کانٹے پڑی زباں
دل تجھے تجھے اُن کے وہ اُٹھتا ہوا دھواں
بھڑکیں گے شعلے دیکھیں گے لہروں کو جب رواں
قادر ہے تو معین اگر تیری ذات ہو
منہ پھیر لیں جو نہر میں آبِ حیات ہو

(۲۰۵)

گرمی یہ تین روز سے بھڑکی ہوئی یہ پیاس
تیری مدد کہ لڑ رہے ہیں کب سے با حواس
نادار کا سہارا تو ہی ہے تجھی سے آس
قدرت یہ اب دکھا رہے ان کو وفا کا پاس
بچے مجھے عزیز نہیں تیری راہ سے
خاک آبرو ہے دیکھیں جو پانی کو چاہ سے

(۲۰۶)

پانی پئیں جو وہ مجھے سرورؑ سے شرم آئے
چار آنکھ ہوتے علیؑ مظفر سے شرم آئے
پپڑائے ہونٹ دیکھ کے اکبرؑ سے شرم آئے
زینبؑ کو موت آئے جو اصغرؑ سے شرم آئے
جتنے ہیں مجھے بچے عطش سے تمام ہیں
کس کس سے منہ چھپاؤں گی سب تشنہ کام ہیں

(۲۰۷)

پیاسے شہید ہوں تو ہو دل کو مرے قرار
پپڑائے ہونٹ چوم کے لاشوں پہ ہوں نثار
زخموں کے خوں سے کپڑے ہوں رنگیں تو آئے پیار
سچوں مجاہدوں کی ہے یہ جنتی بہار
کوثر ہی پر بجھائیں گے دو دن کی پیاس آج
پروان چڑھ کے جائیں گے نانا کے پاس آج

(۲۰۸)

رو رو کے یہ تو مانگ رہی تھی یہاں دعا
ناگاہ زخم کھا کے گرے وہاں وہ مہ لقا
پیاسوں کے دل ہلے جونہی طبلِ ظفر بجا
بیتاب لڑکھڑاتے بڑھے شاہِؑ کربلا
قاسمؑ بھی ساتھ تھے علی اکبرؑ بھی ساتھ تھے
عباسؑ ہی وہ بھائی تھے تھامے جو ہاتھ تھے

(۲۰۹)

تلوار ایک ہاتھ میں عریاں کئے ہوئے
ہے غیظ آنکھیں لعلِ بدخشاں کئے ہوئے
خوں جوش زن ہے سینے میں طوفاں کئے ہوئے
غصہ زمیں اُلٹنے کا ساماں کئے ہوئے
ہے خیر تھامے ہاتھ جو ہیں تشنہ کام کا
رو کے طبق ثبات قدم ہے امامؑ کا

(۲۱۰)

وہ گھوڑے کو حق آ جو گئے سامنے نظر
پہونچے جھپٹ کے قاسمؑ و اکبرؑ بچشم تر
دیکھا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہیں زینبؑ کے دل جگر
اکبرؑ پکارے آیئے جلد آیئے ادہر
رہوار ان کے پہلوؤں میں ہیں کھڑے ہوئے
یاں ہیں شہید راہِ خدا کے پڑے ہوئے

(۲۱۱)

پہونچے وہاں شتاب جو یہ دونوں عرش جاہ
دیکھا تو روبرو ہیں پڑے یوں وہ رشکِ ماہ
لاشوں پہ بے کسی ہے کہ اللہ کی پناہ
آنکھیں کھلی دکھا رہی ہیں آخری نگاہ
آئینہ ہے کہ ضعف تھا دو دن کی پیاس سے
تکتا تھا ایک دوسرے کی شکل یاس سے

(۲۱۲)

شق ہے زبان پیاس سے ہونٹوں پہ پپڑیاں
آنکھوں کا نیل ڈھلنے کے رخسار پر نشاں
تیغ و تبر کہیں تو لگی ہے کہیں سناں
زخموں سے تازہ تازہ لہو دم بدم رواں
بے جاں ہیں بچے گرد تنِ چاک چاک پر
دو پھول ہیں گلاب کے مرجھائے خاک پر

(۲۱۳)

سر ڈھن رہے تھے اکبرؑ و قاسمؑ بہ اشک و آہ
گریاں تھے بیٹھے خاک پہ عباسؑ عرش جاہ
رو رو کے شاہؑ کہتے تھے زینبؑ ہوئی تباہ
اُٹھو چلو کہ دیکھتی ہوگی تمہاری راہ
ڈھونڈے گی ماں کی آنکھیں تمہیں مرے جانے سے
پھٹ جائے گا کلیجہ یہ دو داغ اُٹھانے سے

(۲۱۴)

غربال تن ہے تیر ہوئے پار ہائے ہائے
بچپن یہ اور سنانوں کے یہ وار ہائے ہائے
اُٹھے جہاں سے وہ پسر اک بار ہائے ہائے
مر جائے گی بہن جگر افگار ہائے ہائے
کس دل سے کس زبان سے یہ سانحہ کہوں
بچوں بتاؤ ماں سے تمہاری میں کیا کہوں

(۲۱۵)

پھر بھولی بھولی باتوں پہ مائل کرو اُٹھو
زخمی جگر کو تم تو نہ گھائل کرو اُٹھو
جرأت دکھاؤ ہاشمیوں دل کرو اُٹھو
ماموں کو منہ دکھانے کے قابل کرو اُٹھو
رعشہ پڑا ہے جسم میں اس تشنہ کام کے
اُٹھے قدم جو ساتھ چلو ہاتھ تھام کے

(۲۱۶)

اک آہ سرد بھر کے اُٹھے شاہِؑ دیں چلے
لاشے اُٹھائے اکبرؑ و قاسمؑ حزیں چلے
عباسؑ تیغ تولے ہوئے خشمگیں چلے
رستے سے دیکھ دیکھ کے چھپتے لعیں چلے
آتے ہی گھر کلیجہ پہ چھریاں سی چل گئیں
روئے جو بے تحاشہ صدائیں نکل گئیں

(۲۱۷)

فضہ بڑھیں یہ کہتی ارے کیا غضب ہوا
گھبرا کے دوڑے در کی طرف سب برہنہ پا
اتنے میں لاشے آئے تو کہرام پڑ گیا
سر پیٹتا تھا کہہ کے ہر اک وا مصیبتا
آفت وہ تھی ٹھکانے کسی کے نہ ہوش تھے
بہتے تھے اشک سر کئے غم شۂ خموش تھے

(۲۱۸)

زینبؑ یہ دیکھ کے ہوئیں بے تاب و بے قرار
آ کے قریب کہنے لگیں یہ بہن نثار
میں تو نہ روئی کس لئے ہیں آپ اشک بار
کی نصرتِ امامؑ تو ان کا بڑھا وقار
صدقے میں آپ کے گلِ امید کھل گیا
تھے خوش نصیب رتبہ شہادت کا مل گیا

(۲۱۹)

بھیا یہ کربلا کی مصیبت نہیں انہیں
گرمی سے لو سے دھوپ سے زحمت نہیں انہیں
وہ بھوک پیاس ضعف و نقاہت نہیں انہیں
اتنے ہیں زخم اور اذیت نہیں انہیں
پوشاک ٹکڑے ٹکڑے تن چاک چاک پر
مطلب نہیں غرض نہیں لیٹے ہیں خاک پر

(۲۲۰)

راہِ خدا سے پھیر دے ہے مامتا وہ چیز
پھر اُن کی چاہ جو ہوں حسین اور با تمیز
جھجکی نہ میں کہ آپ سے صابر کی تھی کنیز
اولاد جس نے دی ہوئی اُس کی رضا عزیز
مانا کہ ہوک اُٹھتی ہے دل میں اُٹھا کرے
آئے گا صبر رحم جو میرا خدا کرے

(۲۲۱)

بیٹھے پڑے گا دل علی اصغرؑ کو دیکھ کر
ٹھنڈی رہے گی مامتا اکبرؑ کو دیکھ کر
قوت بڑھے گی ثانیٔ حیدرؑ کو دیکھ کر
جیتی رہوں گی اس رخِ انور کو دیکھ کر
یارب بچے یہ مہرِ امامت زوال سے
آئے گا صبر زوجۂ مسلمؑ کے حال سے

(۲۲۲)

فرمایا ہیں شہید یہ بچے نکو شیم
رخصت یہ احترام کریں مل کے سب حرم
دیدار آخری ہے کہ مہماں ہیں کوئی دم
دل پھٹ نہ جائے رولو یہ اولاد کا ہے غم
یہ کہہ کے گھر سے سبطِ پیمبرؐ چلے گئے
صف پر یہ آئیں بھائی جو باہر چلے گئے

(۲۲۳)

آتے ہی دھڑ سے سجدۂ خالق میں گر پڑیں
لاشوں کی سر سے پیر تک اُٹھ کر بلائیں لیں
بولیں جو لاکھ بار ہوں صدقے عجب نہیں
ہیں با وفا بھی وعدہ وفا بھی یہ مہ جبیں
کہتے ہیں خشک لب گئے پیاسے جہاں سے
کس نے کیا یہ حال کہو کچھ زباں سے

(۲۲۴)

ماں صدقے اپنے قول کے ایسے تھے ذمہ دار
کی نصرتِ امامؑ لڑے دونوں جان بار
رنگین خوں سے ہے قباؤں کا تار تار
زخموں سے ان کی جرأت و ہمت ہے آشکار
غازی یہ سمجھے بھاگنا رن سے خلاف ہے
غربال جب تو سینہ ہے اور پشت صاف ہے

(۲۲۵)

اچھی گھڑی سے تم ہوئے مہمانِ کربلا
صبر و ثبات سے ہوئی طے منزلِ رضا
ہوتے نہ بھوکے پیاسے تو کرتے ابھی وغا
ہمراہ دو بڑے بھی دشمن تھے میں فدا
چھوڑا جو ساتھ قوت و ہوش و حواس نے
اعدا سے مل کے مار لیا بھوک پیاس نے

(۷)

دنیا کا رنگ کہتا ہے بدلو ثنا کا رنگ
دیکھو تو ذاکرینِ شہِؑ کربلا کا رنگ
تھی مصلحت رسولوںؑ نے بدلا دعا کا رنگ
کیا کیا رہا نہ رحمت و فضلِ خدا کا رنگ
ناداں ہے گر زمانہ سے انساں الگ رہا
کب مقتضائے حال سے قرآں الگ رہا

(۸)

کھلتا ہے کیسا نثر پہ شعر و سخن کا رنگ
وہ شوخیاں کہ پڑتا ہے پھیکا چمن کا رنگ
اُکھڑا ہوا جمایا ہے یوں انجمن کا رنگ
جیسے بناؤ کرنے سے نکھرے دُلہن کا رنگ
سابق روش بدل گئی منبر گواہ ہے
مخصوص تھی جو نظم سے وہ واہ واہ ہے

(۹)

قدرِ سخن یہ دیکھ لی بے جا ہے اب گلا
اپنے قصور پر بھی نظر چاہیئے ذرا
سوچو کہ میر انیسؔ سے پہلے تھا رنگ کیا
مرحوم نے بنا دیا اک راستا نیا
شہرت ہوئی وقار بڑھا نام کر گئے
کتنوں کے کام آ گئے وہ کام کر گئے

(۱۰)

یوں مقتضائے حال کا اُن کو خیال تھا
ماضی زمانہ میں حاصل کمال تھا
مدّاح غرب و شرق یہ شہرت کا حال تھا
کھنچتے تھے دل کلام کہ سحرِ حلال تھا
اخلاص سے جو مدحِ شہِؑ بحر و بر کی تھی
مقبولِ خلق ہو گئے رحمت اُدھر کی تھی

(۱۱)

اگلے وہ مدح گو نہیں وہ قدرداں نہیں
دنیا بدل گئی وہ زمیں آسماں نہیں
دل کہہ رہے ہیں مرثیہ سننے میں ہاں نہیں
چھوڑو قدیم رنگ کہ جنتا یہاں نہیں
جو پڑ چکا نشانہ پہ ایسا یہ تیر ہے
ڈھونی رمانے کیوں ہو پرانی لکیر ہے

(۱۲)

توفیقِ حق تمہیں بھی اثر اپنے یہ دکھائے
راہیں نئی وہ ہوں کہ نہ مضمونِ غیر آئے
وہ مرثیت ہو کوئی مسدّس نہ کہنے پائے
رنگینیاں وہ ہوں کہ حقیقت لپٹتی جائے
یوں امتزاج رنگ قدیم و جدید ہو
دنیا پکار اٹھے کہ بے شک فریدؔ ہو

(۱۳)

توفیقِ فضل و مرحمتِ کردگار ہے
کونین کے چمن میں اسی کی بہار ہے
جلووں سے اس کے قدرتِ حق آشکار ہے
انوارِ ایزدی کی یہ آئینہ دار ہے
دونوں جہاں میں روشنی اس ایک دم کی ہے
حدِ حدوث میں بھی جھلک سی قدم کی ہے

(۱۴)

کیف اس کا ہے جسے اُسے کیوں کر پڑے گی کل
ہستی سنوارتی ہے وہ نعمت ہے بے بدل
وابستہ ہے اسی سے ہر اک خوبیٔ عمل
جنّت ہے کیا رضائے خدا ہے جب اس کا پھل
انسان مشتِ خاک اسے کیا سے کیا کیا
خادم ہوئے ملائکہ خیرالوریٰ کیا

(۱۵)

خاصانِ حق کی حُسن پہ اس کے نگاہ تھی
ہر اک نبی کو عشق تھا عصمت گواہ تھی
وہ کون تھا کہ جس سے نہیں رسم و راہ تھی
محبوب مصطفےٰؐ ہوئے اس حد کی چاہ تھی
جوں جوں ترقیاں ہوئیں راز و نیاز میں
بڑھتی گئی دعاء طلب ہر نماز میں

(۱۶)

کیا کہنا باغِ حُسن ہے اس کا سدا بہار
سچّا جنہیں ہے عشق ہے اُن کے گلے کا ہار
تا حشر ساتھ دیتی ہے ایسی ہے وضعدار
نیکی جو ایک کیجئے دس ہوتی ہیں شمار
دنیائے حُسن و عشق میں ایسی یہ چاہ ہے
رسوائیوں کا وہم بھی آنا گناہ ہے

(۱۷)

ممکن نہیں ازل سے ابد تک زوالِ حُسن
انجامِ عشق نیک ہو یہ ہے مآلِ حُسن
دل انبیاءؑ کے ہوتے رہے پائمالِ حُسن
معراج ہے اُسی کی جو دیکھے کمالِ حُسن
تکرار اُدن منی سے یہ راز کھل گیا
اس بے قرارِ حُسن کا انداز کھل گیا

(۱۸)

جو چاہے اُس سے چاہ وہ سادہ مزاج ہے
بے جا ضدیں ہوں یہ نہیں یاں کا رواج ہے
کل ہے وہی دوا بھی جو دکھ درد آج ہے
یہ بے وفا نہیں اسے الفت کی لاج ہے
وہ ربط عاشقوں میں کہ باہم حبیب ہیں
گو ہیں بلا نصیب مگر خوش نصیب ہیں

(۱۹)

کونین جس کے حسن سے ہے جلوہ گاہِ ناز
جلوہ اسی کے دم کا ہے روزہ ہو یا نماز
ہیں اس کے عشق کے درجے وجہِ امتیاز
سلمانؓ سمجھے تھے بشری ارتقا کا راز
روشن تمام محفلِ عرفاں اسی سے ہے
حد بندیٔ مدارجِ ایماں اسی سے ہے

(۲۰)

زیبا ہے رہنما کہیں رہبر کہیں اسے
انسانیت کے عقل کا جوہر کہیں اسے
حق ہے ہمیں کہ رحمتِ داور کہیں اسے
بھیجا ہوا خدا کا پیمبرؐ کہیں اسے
ہادی ہے یہ اسی کے سبب سے نجات ہے
قبضے میں اس کے دین کی کل کائنات ہے

(۲۱)

دنیا و دیں کی خیر ہے ہستی کا مدعا
انسانیت ہو ختم جو ہو جائے یہ جدا
سب کی نجات کا ہے یہی ایک آسرا
منہ موڑ لینا اس کا ہے ناراضیِ خدا
بے کار سب ہے ملک رہے مال و زر رہے
چھوڑے جو ساتھ پھر نہ کہیں کا بشر رہے

(۲۲)

اعجاز اس کے بوذرؓ و سلمانؓ سے پوچھیے
شاہی ولائی کس نے سلیمانؑ سے پوچھیے
بگڑی بنائی یوسفؑ کنعاں سے پوچھیے
دعویٰ مرا غلط نہیں قرآں سے پوچھیے
سرچشمۂ کرم کا ہر اک تشنہ کام ہے
یہ وجہ ہست و بودِ نبیؐ و امامؑ ہے

(۲۳)

قدر اس کی انبیاؑء و رسلؑ کی دعا سے ہے
قائم مزاج آلِ عباؑ کی ولا سے ہے
اب میں اگر کہوں مرا کہنا بجا سے ہے
توفیق جتنی اتنی ہی قربت خدا سے ہے
کم تھا جو دو کماں سے بھی یہ فاصلہ رہا
پردے کی بات رہ گئی پردہ ہی کیا رہا

(۲۴)

ہے اپنے اقرباء کی اعانت اسی کا فیض
مسکینوں کی یتیموں کی خدمت اسی کا فیض
ایثار حلم ' صبر ' قناعت اسی کا فیض
قرآں کا حفظ پاسِ شریعت اسی کا فیض
شہرت کے جلوے عالمِ بالا پہ جاتے ہیں
سائل فقیر بن کے ملک در پہ آتے ہیں

(۲۵)

خیبر کا در اُکھاڑنا طاقت یہ کس کی تھی
خندق پہ پُل بنا دیا قوت یہ کس کی تھی
پھر فوج لے کے پار کی قدرت یہ کس کی تھی
اور تھے قدم ہوا پہ کرامت یہ کس کی تھی
فیض و کرم سب اُس کا ہے وہ چاہے جو کرے
نانِ جویں جو کھاتا ہو مرحب کو دو کرے

(۲۶)

ضد ہے تو یہ کہ میری اطاعت عزیز ہو
راحت نہ ہو عزیز مصیبت عزیز ہو
اولاد جان مال نہ عزت عزیز ہو
دنیا سے منہ پھیرے مری الفت عزیز ہو
حد عشق کی دکھائی شۂ مشرقین نے
ناز اس کے کربلا میں اُٹھائے حسینؑ نے

(۲۷)

سالک سے پوچھیے تو کہے حق کی راہ ہے
کام آئے جو لحد میں بھی وہ خیر خواہ ہے
پھر اس سے انحراف خدا کا گناہ ہے
حرمت اسی سے رہ گئی کعبہ گواہ ہے
ہٹ آئے شاہؑ پاس یہ تھا احترام کا
خون ورنہ بہتا گھر میں خدا کے امامؑ کا

(۲۸)

صبر و ثبات سے وہ مصیبت میں جلوہ گر
رن ہو تو جوش بن کے شجاعت میں جلوہ گر
ہے شوقِ وصل ہو کے شہادت میں جلوہ گر
اعجاز میں ہے کشف و کرامت میں جلوہ گر
فرقِ بریدہ نوکِ سناں پر جو چڑھتا ہے
توفیق کام آتی ہے قرآں پڑھتا ہے

(۲۹)

کرتی رہی تباہ یہ باطل کی کائنات
بالا ہمیشہ رکھی ہے حقانیت کی بات
ہر لحہ تھی ممد و معاون خدا کی ذات
توفیق ہی سے بڑھ گئی اسلام کی حیات
وعدہ وفا جو ہونا تھا یومِ الست کا
نقشہ و نسق بدل دیا فتح و شکست کا

(۳۰)

ظالم کی ہو شکست تو مظلوم کی ہو فتح
ہر تشنہ لب گرسنہ و مغموم کی ہو فتح
مشہور وہ جہاں میں ہو اس دھوم کی ہو فتح
حد یہ کہ بے زبان کی معصوم کی ہو فتح
بیمار ہو ضعیف ہو حالت خراب ہو
قیدی بنا ہوا ہو مگر فتح یاب ہو

(۳۱)

جب تیر کھا کے اصغر نادان نے فتح پائی
رو کر کہا یہ ظلم نے اس صبر کی دہائی
دل پر ضعیف باپ کے بدلی جو غم کی چھائی
توفیق نے سنبھالا تو سرخی سی رُخ پہ آئی
رنگِ ثبات و صبر و تحمل جھلک گیا
ہدیہ قبول ہونے سے چہرہ دمک گیا

(۳۲)

دشمن ہیں گرد کوئی نہ مونس نہ خیر خواہ
حالت تباہ ہاتھوں پہ بے جان رشکِ ماہ
آنکھوں میں ڈبڈبائے ہیں آنسو لبوں پہ آہ
ننھے سے ہے گلے پہ کبھی تیر پر نگاہ
پیکاں سہ شعبہ کھینچ کے پھینکا تھا خاک پر
ہیں تین زخم برچھیوں کے قلبِ پاک پر

(۳۳)

حالت نہیں جناب میں لرزاں ہیں دست و پا
توفیق کہہ رہی ہے کہ اک فرض ہے بڑا
بھر بھر کے آہ سرد چلے شاہِ کربلا
وہاں آئے جو ازل سے معین ہوئی تھی جا
ننھی سی لاش کیا کہوں کس طرح گڑ گئی
بنیادِ خلد امامؑ کے ہاتھوں سے پڑ گئی

(۳۴)

اصغر کی قبر دیکھ رہے تھے شہِ زماں
حسرت کی وہ نگاہ تھی یا تیر جاں ستاں
اکبر کا دھیان آتے ہی دل پہ گئی سناں
جو جو کہ ہونے والا تھا اُس کا بندھا سماں
سینے میں آگ لگ گئی شعلے بھڑک گئے
تربت پہ بھوکے پیاسے کی آنسو ٹپک گئے

(۳۵)

دربارِ حق میں عرض یہ کی پھر بہ چشمِ تر
واقف ہے تو ضمیر سے یا خالق البشر
تجھ سے نہیں عزیز تھا یہ پارۂ جگر
الفت تیری عطا تھی امانت تری پسر
جب دل جگر تپاں ہوں تو کس طرح کل پڑے
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے

(۳۶)

شاہد ہے تو کہ گریۂ بے اختیار ہے
امت کا خیر خواہ مگر شرمسار ہے
توفیق تیری چاہئے وہ حالِ زار ہے
اب اک بڑا پہاڑ ہے جو دل پہ بار ہے
کر رحم کارساز ہے اپنے عباد کا
ہے سخت مرحلہ میرے مالک جہاد کا

(۳۷)

تیرا فقیر طالب جاہ و حشم نہیں
کام آئے قتل گاہ میں جو ان کا غم نہیں
شوقِ جہاد داغ بھرے دل میں کم نہیں
امداد ہاتھ پیروں میں بے کس کے دم نہیں
بے گنتی تیری راہ میں پھیرے لگائے ہیں
کتنے مجاہدین کے لاشے اُٹھائے ہیں

(۳۸)

تو نے ہی کی مدد میری ہر لحظہ ہر گھڑی
طے ہوگئیں کرم سے ترے منزلیں کڑی
جیتا ہوں دل کے ٹکڑوں کی لاشیں ہیں سب پڑی
یہ تن اور ایک لاش بھی اب تک نہیں گڑی
تیری امان و حفظ ہے یوں بے ہراس ہوں
توفیق کیا یہ کم ہے میں باحواس ہوں

(۳۹)

میداں یہ میری نظروں میں ہیں سر کٹے ہوئے
سوتے ہیں جلتی ریگ کو بستر کئے ہوئے
خوش ہوں لہو سے کپڑے جو ہیں تر کئے ہوئے
یہ پھول دین پر ہیں نچھاور کئے ہوئے
گرمی کا اب تعب ہے نہ وہ بھوک پیاس ہے
پروا نہیں مجھے کہ ہر اک تیرے پاس ہے

(۴۰)

حق تیرا کچھ ادا نہ ہوا ختم ہے حیات
پھر ہو تو پھر لٹاؤں یہ ہستی کی کائنات
سب کچھ عطیہ تیرا ہے اے ربِ پاک ذات
سر دینا تیری راہ میں پھر کونسی ہے بات
اپنا مجھے بھی جانا کھلے یہ زمانہ پر
سجدہ میں سر قلم ہو اگر آستانہ پر

رباعی

ہر لفظ کے صرف کا سلیقہ دیکھیں
پیہم مضموں کا مینہ برستا دیکھیں
اعجاز سے ممدوح کے ایجاز یہ ہو
کوزے میں سمایا ہوا دریا دیکھیں

رباعی

تا عرش گئے بلند پایا ایسا
رتبہ نہ کسی نبیؐ نے پایا ایسا
محبوب ایسے کہ خاتم النبیینؐ کیا
اللہ نے مصطفیؐ کو چاہا ایسا

رباعی

چلتی پھرتی جو چند تصویریں ہیں
قدرت کی نمائش کی یہ تدبیریں ہیں
طفلی و شباب و شیب کا ذکر ہو کیا
خوابِ ہستی کی تین تعبیریں ہیں

سلام

کھلتے ہیں جوہر زبان کے مدحِ شبیرؑ سے
کاٹ ہم بھی دیکھ لیں شمشیر کی شمشیر سے

سب دکھاتے ہیں مرقع نظم کی تحریر سے
شوخ طبعی رنگ اوڑے تصویر کا تصویر سے

قیدِ عابدؑ سے بڑھا مشکل کشائی کا یہ رابطہ
حلقے سنہ کھولے ہوئے وابستہ ہیں زنجیر سے

کہتی تھی سجادؑ کی چپ ہم ہیں پابندِ رضا
ورنہ یہ حلقے گریں گل کر ابھی زنجیر سے

کھنچتا ہے اصغرؑ کا دم ہاتھوں پہ ساکت ہیں حسینؑ
ہاں نظر ہٹتی نہیں مٹتی ہوئی تصویر سے

اے مہوس دیکھ ہم کو کر ولائے اہلِ بیتؑ
کیمیا ہستی کی بن جاتی ہے اس اکسیر سے

آڑ ہو جاتی ہے پروانوں کی جھرمٹ سے فرید
دور ہے صد شکر شمع نظم کی تنویر سے

مرثیہ

شگفتگیٔ گلِ مضموں کی ہے بہارِ سخن

درحالِ حضرت امامِ حسینؑ

سنہ تصانیف

1916

شگفتگی گل مضموں کی ہے بہار سخن

شگفتگی گل مضموں کی ہے بہار سخن
کلام شستہ و رفتہ سے ہے وقار سخن
نیا ہو رنگ تو ہوتے ہیں دل نثار سخن
کمال علم سے بڑھتا ہے اعتبار سخن
صدائے مدح و ثنا تا فلک پہنچتی ہے
اس ایک پھول کی کوسوں مہک پہنچتی ہے

(۲)

دماغ میں جو بسی ہے شمیم باغ سخن
تو اپنی آنکھ میں جچتا نہیں کوئی گلشن
ہمیشہ فصل بہاری کا ہے یہی مسکن
گذر ہر ایک کا ممکن نہیں یہ ہے وہ چمن
جنہیں مذاق ہے لطف اس کا وہ اٹھاتے ہیں
ہمیشہ سیر کو عالی دماغ آتے ہیں

(۳)

بہار وہ ہے کہ جس پر فدا بہار نسیم
ہر ایک گل میں بسی ہے طرح طرح کی شمیم
کسی ریاض میں جاتی نہیں یہاں کی نسیم
ہزار شکر کہ بلبل ہیں اس چمن کے فہیم
نظر میں جب گل مضموں کوئی سماتا ہے
تو پھول پھول کے ہر ایک چہچہاتا ہے

(۴)

فدا ہے شاہد معنی پہ کوئی سو سو بار
بہت سے ہیں گل مضموں کی تازگی پہ نثار
کوئی تو حسن ادا کا ہوا ہے عاشق زار
کسی کو رنگ پہ آتا ہے ٹوٹ ٹوٹ کے پیار
مزے دلوں کو جو ملتے ہیں لطف سے اسکے
تو برسوں رہتے ہیں آپس میں تذکرے اسکے

(۵)

شباب پر ہے ہمیشہ بہار بستانی
کہ رنگ رنگ کے پھولوں کی ہے فراوانی
ہے بلبلوں کو خوش آیند مرثیہ خوانی
بجائے قطرۂ شبنم ہے یاں دُر افشانی
رگے نہالوں سے باد صبا کے رستے ہیں
ذرا جو ہوتی ہے جنبش گُہر برستے ہیں

(۶)

ہزار جان سے بلبل ہیں اس چمن پہ فدا
یہاں کے لطف کا ہوتا ہے جا بجا چرچا
اسی چمن پہ ہے ختم انتہا کی نشو و نما
بہار کے لئے انسب ہے ان کی آب و ہوا
جو خار جمع ہوں کچھ لالہ زار بن جائے
گذر خزاں کا اگر ہو بہار بن جائے

(۷)

ہر ایک شاہدِ معنی سے ہے بلا کا نکھار
نثار ہوتا ہے دل ہر ادا پہ سو سو بار
پڑے ہوئے گلِ مضموں کے ہیں گلے میں ہار
کہ جن کو دیکھ کے بلبل ہیں اس چمن کے نثار
نہال ہو کے عنادل جو سب چہکتے ہیں
شگفتہ ہو کے یہ گل اور بھی لہکتے ہیں

(۸)

ریاضِ خلد میں اسکی ہے کچھ یونہی سی جھلک
اسی سبب سے ہے رضواں کو باغِ خلد کا شک
کسی چمن میں نہیں ایسے پھول زیرِ فلک
چھپائے سے نہیں چھپتی ہے ان گلوں کی مہک
نظر بچا کے جو رکھتا ہے کوئی دامن میں
تو پھوٹ جاتی ہے بو ان کی سارے گلشن میں

(۹)

کہیں نگاہ میں وہ رنگ ہے گلوں کا یہاں
کسی ریاض نے پائے ہیں ایسے پھول کہاں
نہ داد دیں جو سخنداں عبث ہے حُسنِ بیاں
اداس باغ ہے بلبل نہوں جو زمزمہ خواں
خزاں رسیدہ چمن پُر بہار بنتے ہیں
یہ چپ رہیں تو گلِ تر بھی خار بنتے ہیں

(۱۰)

تلاش میں گلِ مضموں کے ہو گیا ہوں جو زار
خدا کی شان کہ نرگس سمجھتی ہے بیمار
وہ طعن کرتے ہیں مجھ پر کہ جو ہیں گل زر دار
نظر میں بلبلِ شیدا کی بن گیا ہوں خار
پھری ہوئی جو نگہ بلبلوں کی پاتے ہیں
گلوں کو کیا کہوں غنچے بھی مسکراتے ہیں

(۱۱)

بچا بچا کے چلی جاتی ہے صبا پہلو
نسیم لے کے نکلتی نہیں ادھر خوشبو
انھیں یہ کیا ہے زمانے کا ہے سفید لہو
اشارہ کر کے دباتا ہے گل کا گل پہلو
نگاہِ لطف نہ کی باغ میں کسی گل نے
نہ سونگھا مجھ کو شگوفہ سمجھ کے بلبل نے

(۱۲)

بہت دنوں سے جو پھیرے ہوئے ہیں آنکھ بہار
تو دیکھ دیکھ کے ہنستے ہیں پھول بھی ہر بار
نظر بچا کے گذرتی ہے اس طرف سے ہزار
ہر اک سے چشمکیں کرتی ہے نرگسِ بیمار
ریاض نظم کا کانٹا جو مجھ کو پاتی ہے
تو بادِ تند بھی کترا کے آتی جاتی ہے

(۱۳)

ہر اک نے مجھ کو جو ناکردہ کار سمجھا ہے
خزاں رسیدۂ فصلِ بہار سمجھا ہے
ہوائے تند نے مشتِ غبار سمجھا ہے
غضب تو یہ ہے عنادل نے خار سمجھا ہے
نکالے دیتی ہے بلبل ہر ایک گلشن سے
مجھے تو ڈر ہے نہ الجھوں گلوں کے دامن سے

(۱۴)

یہ کہہ کے سب سے کہ ہم ہیں وحیدؔ کے پوتے
ریاضِ نظم میں تخمِ فیور کیوں بوتے
علاوہ اسکے بزرگوں کی آبرو کھوتے
مزہ تو کہنے کا جب تھا کہ ہم بھی کچھ ہوتے
نہ کہتا ہے نہ کہینگے کہ ہم ہیں جانِ وحیدؔ
زبان چاہیے تو کہہ دے کہ ہیں زبانِ وحیدؔ

(۱۵)

ہوا ہوں سب کی نگاہوں میں خار سے بدتر
دکھاؤں تیغِ فصاحت کے پھر کسے جوہر
مجھے ریاضِ سخن کا ثمر ملے کیوں کر
کہ اک زمانہ کی مجھ سے پھری ہوئی ہے نظر
ہزار شکر کہ منت کشِ ہزار نہیں
وہ پھول ہوں کہ جو شرمندۂ بہار نہیں

(۱۶)

ریاضِ نظم میں اپنا کوئی شفیق نہیں
نہ ہیں وحیدؔ جہاں میں نہ اُنسؔ با تمکیں
نہیں ہے تختِ فصاحت پہ کوئی آج مکیں
کہ ان کی مسندیں الٹی پڑی ہوئی ہیں یوہیں
یہ حال دیکھ کے با آہِ سرد بیٹھی ہے
نہیں ہے کوئی تو آ آ کے گرد بیٹھی ہے

(۱۷)

یہ گھر تباہ ہوا اب رہا نہیں کوئی
نہیں ہے ایک بھی اتنا کرے جو دلجوئی
سمجھ چکے ہیں کہ ہم نے تو آبرو کھوئی
وحیدؔ ہوتے تو تھا لطفِ مرثیہ گوئی
خزانۂ دُرِ مضموں ہمیں دکھا دیتے
دیارِ نظم کا وہ راستہ بتا دیتے

(۱۸)

رموزِ شاعری اس طرح دل نشیں ہوتے
کہ ملکِ نظم و معانی میں بس ہمیں ہوتے
یہ مصرعے ان کے بنائے ہوئے کہیں ہوتے
تو لفظ ہوتے کہ ترشے ہوئے نگیں ہوتے
بڑھا کے لفظ یہ اوجِ بیاں دکھا دیتے
زمینِ نظم کو وہ آسماں بنا دیتے

(۱۹)

بغیر ان کے ہے الفاظ کی یہ کیفیت
سقیم حال ہوا ہے رہی نہیں صحت
اثر سے ان کے مضامیں کی ہے بری حالت
ہوئے ہیں ست غم وہم سے سلب طاقت
عجب ہے نظم کی قوت شریک حال نہیں
بلند ہو کے نکل جائیں یہ مجال نہیں

(۲۰)

غم و الم میں کسی کے ذرا نہیں تخفیف
ہیں ست لفظ کہ طبع رسا ہوئی ہے خفیف
اس انتشار میں جاتی ہے قوتِ تصنیف
کہ ضعف بڑھ کے گھٹا ہے نہ طاقتِ تالیف
بیان کیا ہو عجب انقلاب دیکھتا ہوں
محاورات کی حالت خراب دیکھتا ہوں

(۲۱)

دکھائی دیتا ہے جملوں کا حال بے ترتیب
تو کوسوں بھاگتی ہے لف و نشر سے ترتیب
یہ انقلاب ہوئے ہیں فصیح لفظ غریب
بنا لیا ہے بلاغت نے اپنا حال عجیب
زمین نظم پہ اک شور آہ و زاری ہے
نشست خاک ہو لفظوں کو بیقراری ہے

(۲۲)

فریدؔ دل کو سنبھالو کرو نہ غم بے حد
بہار آئے گی ہوگا جو فضلِ ربِّ صمد
ثنائے شہؑ میں کئے جاؤ دل سے کوشش و کد
جنھوں نے اُن کی مدد کی وہی کرینگے مدد
برا کہے جو کوئی دل نہ ٹوٹنے پائے
نبیؐ کی آل کا دامن نہ چھوٹنے پائے

(۲۳)

رہا ہے کون کسی کا یہ رنج و غم ہے فضول
یہ ذکر چھوڑ کہ ہو جائے مرثیہ کو نہ طول
کرو وہ بات کہ جس سے ہو کچھ ثواب حصول
نبیؐ ہوں شاد رضا مند ہوں جنابِ بتولؑ
وہ ذکر جس سے کہ بزمِ عزا میں محشر ہو
بہیں جو اشک تو رومالِ فاطمہؑ تر ہو

(۲۴)

حسینؑ جبکہ اکیلے رہے ہزاروں میں
رہا عزیزوں میں کوئی نہ جاں نثاروں میں
چمن رسولؐ کا اُجڑا ستم شعاروں میں
گھرا صدیقہؑ زہراؑ کا پھول خاروں میں
پسر کی لاش کہیں ہے کہیں برادر کی
بنائی ہے ابھی رو رو کے قبر اصغرؑ کی

(۲۵)

وہ بیکسی وہ غریبی و عالمِ غم و یاس
نہ کوئی مرتبہ داں ہے نہ کوئی قدر شناس
گئے وہ خلدِ بریں میں جو لوگ رہتے تھے پاس
نہ اب ہیں عونؑ و محمدؑ نہ قاسمؑ و عباسؑ
گلے کٹائے ہوئے سب زمیں پہ سوتے ہیں
حسینؑ اپنی غریبی پہ آپ روتے ہیں

(۲۶)

کھڑا ہے پاس ہی گردن کو خم کیے رہوار
یہ سوچ ہے کہ میں ہوں کس طرح فرس پہ سوار
کبھی ہے سوئے یمیں گہہ نظر ہے سوئے یسار
اُدھر ہے فوج میں ہل من مبارز کی پکار
بہا کے بیکسیِ شہؑ پہ اشک مرکب نے
نکل کے خیمہ سے تھامی رکاب زینبؑ نے

(۲۷)

سوار شاہؑ کا ہونا فرس کا گرمانا
پلٹ پلٹ کے قدم شہؑ کے چومتے جانا
کبھی تو خوبیِ قسمت پہ اپنی اترانا
ہلا کے سر کبھی آنکھوں میں اشک بھر لانا
تمام ہو گیا کنبہ اب ان کی باری ہے
سمجھ گیا تھا کہ یہ آخری سواری ہے

(۲۸)

ہیں گرد سامنے اسکے فرس کھڑے سے کھڑے
رسا ہو ذہن جو نقشِ قدم پہ مشق کرے
برابری پہ فرس کہ کہیں ہوا نہ کرے
سلامتی کی ہے خواہاں تو دم اسی کا بھرے
مقابلہ میں ہنر آشکار ہوتا ہے
نظر کی طرح یہ شیشے کے پار ہوتا ہے

(۲۹)

براق ، برق کی تیزی کو مانتا ہی نہیں
کہاں کا دم یہ دم اپنا جانتا ہی نہیں
بسانِ بادِ صبا خاک چھانتا ہی نہیں
کہیں رکوں گا بھی یہ دل میں ٹھانتا ہی نہیں
جہاں کے دور کو کاوے سے کم سمجھا ہے
گذرنے کو حدِ امکاں سے دم سمجھتا ہے

(۳۰)

سبک روی کا سرِ آب اگر ہنر یہ دکھائے
مجال کیا ہے کہ زنجیرِ موج الجھنے پائے
نہ سمٹے پانی کی چادر جو زور میں بہہ جائے
سلنا کیسا غبار قدم بھی اسکا نہ آئے
سرِ حباب میں مطلق نہ سرگرانی ہو
اسی جگہ وہ رہے جو جہاں کا پانی ہو

(۳۱)

ادھر یہ فوج میں جاسوس دے رہے تھے خبر
کہ ہوشیار ہو آتے ہیں شاہِ جن و بشر
علی سے شیر کی ہے ذوالفقار زیبِ کمر
یہ سوچ لو کہ بشر کے داغ ہیں دل پر
ہزاروں آفتیں جھیلے دلیر آتا ہے
بپھرا ہوا اسدِ حق کا شیر آتا ہے

(۳۲)

خبر یہ سنتے ہی لشکر میں پڑ گئی ہلچل
حواس و ہوش ہوا ہوگئے نکل گیا بَل
ہوئے کمال پریشاں سوار اور پیدل
قدم جما کے رکابوں میں دیکھنے لگے بَل
قریب ابھی تھی سواری نہ ابنِ حیدرؑ کی
لڑی ہوئی تھیں نگاہیں تمام لشکر کی

(۳۳)

جو سن رسیدہ تھے ان سے یہ کہہ رہے تھے جواں
دکھائی دیتا ہے پھیلا ہوا دھواں سا جہاں
اسی جگہ پہ ہے شبدیزِ شاہِ کون و مکاں
نظر جما کے تو دیکھو وہ ہے غبار عیاں
لگا کے کان سنو جب ادھر ہوا آئے
یقیں تو یہ ہے کہ ٹاپوں کی بھی صدا آئے

(۳۴)

قریب آگئے اتنے میں شاہِ جن و بشر
دکھائی دینے لگا صاف چہرۂ انور
یونہی سا شہؑ نے اشارہ کیا جو ہاں کہہ کر
کھڑا تھا جنگ کے میداں میں اسپ تیک سیر
صدا نقیب نے دی شاہِ خاص و عام آئے
کہا یہ رعب نے بڑھ کو ہٹو امامؑ آئے

(۳۵)

سنبھل کے رخش پہ جھوما علی کا لختِ جگر
نظر کی فوجِ مخالف پہ آپ نے تن کر
نگاہ پڑ جو گئی شاہِ دیں کی دریا پر
اک آہِ سرد بھری قلب پر لگا نشتر
خیال دل میں برادر کا آیا رہ رہ کر
پکارا بھائی کو عباسؑ آپ نے کہہ کر

(۳۶)

نگاہِ یاس سے دیکھا حسینؑ نے لب جو
ہوا نہ ضبط تو رونے لگے شہِؑ خوشخو
خیال اور بڑھا دیکھنے لگے پہلو
نظر میں پھر گئے آخر کٹے ہوئے بازو
کہا کہ نہر پہ عباسؑ ہی نے نام کیا
انھیں پہ ختم ہوا جو انھوں نے کام کیا

(۳۷)

یہ کہہ کے آپ نے لشکر سے پھر کیا یہ خطاب
کہ ہوشیار ہو اب اے گروہ خانہ خراب
کہیں نہ ایسا ہو نازل ہو تم سبھوں پہ عتاب
کہ اتنے ظلم کئے ہیں نہیں ہے جنکا حساب
یہ تیغ تیز مری برقِ طور جانو تم
خدا کے قہر کو ہرگز نہ دور جانو تم

(۳۸)

غضب ہے ظلم و ستم سے جو اب بھی باز نہ آؤ
ہزار حیف کہ انسان ہو کے رحم نہ کھاؤ
جو میہمان ہو پانی سے اسکو یوں ترساؤ
نبیؐ کو مانو نواسے پہ دستِ ظلم اٹھاؤ
رسولؐ کو بھی قیامت میں منھ دکھانا ہے
کبھی تو پیشِ خدا تم کو یاں سے جانا ہے

(۳۹)

جواب میں شہِؑ ذیشاں کے بولے وہ بدخواہ
خدا رسولؐ سے مطلب نہیں ہمیں یا شاہؑ
غرض ہے نفع سے رہتی ہے مال و زر پہ نگاہ
عدول حکمِ حاکم کو جانتے ہیں گناہ
نہ وعظ و پند کو اس درجہ طول دیجئے آپ
اماں ہے بیعتِ حاکم قبول کیجئے آپ

(۴۰)

یہ سن کے غیظ سے شہؑ کانپنے لگے تھر تھر
عذار سرخ ہوئے رعب چھایا لشکر پر
پڑی جو تیغ کے قبضہ پہ بار بار نظر
یہ شور اٹھا کہ اسد کے بدل گئے تیور
پھٹا سپاہ کا بادل وہ انقلاب آیا
غضب میں برجِ امامت کا آفتاب آیا

(۴۱)

غرض رجز میں ہوا محو جب شجاع و دلیر
ہوئی نہ ٹوٹنے میں قفلِ خاموشی کے دیر
کہا حضورؑ نے کیوں اپنی زندگی سے ہو سیر
حسینؑ ابن علیؑ ہوں خدا کے شیر کا شیر
شجاعِ حیدرؑ کرار سا بھی کم نکلا
یہی وہ نام ہے مرحب کا جس سے دم نکلا

(۴۲)

کیا ہے معرکہ ہر ایک سر پدر نے مرے
خطاب پایا ہے خیرالبشر پدر نے مرے
اکھاڑہ قلعۂ خیبر کا در پدر نے مرے
بجز نماز جھکایا نہ سر پدر نے مرے
ہوئی تھیں مرحب و عنتر کی رنگتیں پھیکی
بڑے بڑوں کی علیؑ نے نگاہ نیچی کی

(۴۳)

بجز علیؑ ہے ولایت کا کس کے سر پہ تاج
ہیں اور کس کی شفاعت کے انس و جن محتاج
علیؑ کی تیغ سے اسلام کو ہوا ہے رواج
خدا نے کعبہ میں دوشِ نبیؐ پہ دی معراج
عجیب ناز سے با شان و شوکت اٹھی تھی
قدم کو چومنے مُہرِ نبوتؐ اٹھی تھی

(۴۴)

نبیؐ کا قوتِ بازو تھا حق کا ہاتھ علیؑ
نصیریوں کا خدا عبدِ ربِّ لم یزلی
پئے جہاد نکلتا تھا جب وہ حق کا ولی
سنائی دیتی تھی ہاتف کی یہ صدائے جلی
فرشتے تھام لیں افلاک کو زمینوں کو
خدا کا شیر الٹتا ہے آستینوں کو

(۴۵)

رجز شروع کیا غیظ میں حضورؑ آئے
صدا بلند ہوئی دشت و کوہ تھرّائے
ہر ایک چیز پہ آثار خوف کے چھائے
قریب تھا کہ زمیں کا طبق الٹ جائے
پڑا وہ تفرقہ عالم کے جزو اور کُل میں
کہ آئی گاؤ زمیں خوف سے تزلزل میں

(۴۶)

غضب میں چہرۂ اقدس کا تھا وہ رعب و داب
زباں ہلائے کوئی یہ نہ تھی کسی کی بھی تاب
صفوں کی آڑ میں چھپتے تھے ڈر کے خانہ خراب
وہ ہمہمہ تھا کہ زہرہ ہو جس سے شیر کا آب
پڑا تھا وقت ہر اک زندگی سے عاری تھا
کھڑے تھے رونگٹے سب کے یہ خوف طاری تھا

(۴۷)

یہی تھے نعروں پہ نعرے کہ آؤ سامنے آؤ
سب ایک ہو کے لڑو فوج کے پروں کو جماؤ
ڈٹے ہوئے جو ترائی میں ہیں انھیں بھی بلاؤ
اٹھے نہ ہاتھ سے تلوار اگر تو ڈھال اٹھاؤ
تمام ہو چکی حجت نگاہ پھرتی ہے
ہو ہوشیار کہ بجلی کڑک کے گرتی ہے

(۴۸)

کئے جو ظلم ہیں ان کے مآل دیکھ تو لیں
تھکے ہوئے کی جدال و قتال دیکھ تو لیں
جو پہلواں ہیں ہم ان کے کمال دیکھ تو لیں
جہاد امامؑ کا وقتِ جلال دیکھ تو لیں
سناں لگائی ہے کس نے جگر پہ اکبرؑ کے
کہاں ہے جس نے لگایا ہے تیر اصغرؑ کے

(۴۹)

یہ کہہ کہ کھینچ لی حضرت نے غیظ میں تلوار
جہاں میں قہرِ خدا کے عیاں ہوئے آثار
ہلے جبل ، متلاطم ہوئے تمام بحار
قریب تھا کہ گرے پھٹ کے گنبدِ دوّار
سمک تو ڈر سے تہہ ڈر منہ چھپاتے تھے
سپر زمین کی گاو زمیں اٹھاتے تھے

(۵۰)

مئے ولا کا پیالہ پلا دے اے ساقی
لگی ہے آگ سی جلتے ہیں استخواں ساقی
نہ اختیار میں دل ہے نہ ہے زباں ساقی
جگر سے قلب سے اٹھنے لگا دھواں ساقی
نثار ہوں میں ترے اس چھلکتے ساغر کے
بجھا دے آگ یہ چھینٹے سے آتشِ تر کے

(۵۱)

وہ جام دے کہ بڑھے جس سے نورِ ایمانی
نہ دیر کر کہ گناہوں کی ہو فراوانی
تھپیڑے مارتی ہے موجِ بحرِ عصیانی
پلا بس اب کہ ہے کشتیِ عمر طولانی
پیئوں تو مست ہوں چھائے نہ خوف کچھ دل پر
جو ہوش آئے تو کشتی لگی ہو ساحل پر

(۵۲)

پلا دے مئے کہ نظر آئے مجھکو نور ہی نور
حواس و ہوش بڑھیں عقل میں نہ آئے فتور
وہ مئے کہ ایک کرشمہ ہے جس کا جلوۂ طور
وہ مئے کہ مہر درخشاں ہو جس سے جامِ بلور
کہیں یہ لوگ کہ کیسا یہ انقلاب ہوا
کہ آفتاب سے طالع اک آفتاب ہوا

(۵۳)

شروعِ جنگ میں پی لوں تو باندھ دوں وہ سماں
کہ سب کہ نظروں میں پھر جائے جنگ کا ساماں
پڑے سروں پہ جب اعدائے دیں کے ضرب گراں
خبر کسی کو نہ اتنی رہے کہ ہم ہیں کہاں
یہ وجد ہو کہ زبانوں سے مرحبا نکلے
بڑھے سرور تو روحی لک الفدا نکلے

(۵۴)

ادھر تو دیکھ ذرا ساقیا میں تیرے نثار
لگا دے جام لبوں سے کہ ہے یہ وقتِ بہار
گھٹائیں جھوم کے آئی ہیں پڑ رہی ہے پھوار
پلائے جا مجھے لِلّٰہ اب نہ ٹوٹے تار
ترے ہی در پہ مروں اب نہ جاؤں میں یاں سے
ملا دے سلسلۂ جام رشتۂ جاں سے

(۵۵)

وہ مئے کہ پیتے ہی دھو جائے فردِ عصیانی
جو بخش دیتی ہے اک آن میں سلیمانی
بھرا ہے جس کی صفت سے کلامِ ربّانی
پلا وہ جس سے نظر آئے نورِ یزدانی
چراغِ خانۂ دل پیتے ہی منوّر ہو
وہ نور ہو کہ سویدائے قلبِ اختر ہو

(۵۶)

ہر اک بندۂ مومن ہے جس کا دیوانہ
ہے جس کے نور پہ ایماں کا نور پروانہ
رہا زباں پہ اماموں کی جس کا افسانہ
وہ مئے کہ جس سے نبیؐ نے خدا کو پہچانا
نجات جس کے سبب سے ہے سارے عالم کی
وہ مئے جو باعثِ خلقت ہوئی ہے آدم کی

(۵۷)

تمام رندوں میں پیچھے رہے نہ اپنی دھاک
کہ ساقی اپنا ہے نقشِ شہنشہِ لولاک
شراب پینے میں واعظ سے کچھ نہیں مجھے باک
کہ یہ وہ چیز ہے کرتی ہے جو کہ خاک سے پاک
سرم خوش است بہ بانگِ بلند می گویم
کہ من نسیمِ حیات از پیالہ می جویم

(۵۸)

پہنچ کے دل میں سکھا دیتی ہے یہ خلقِ حسن
سرور اس کا دکھاتا ہے خلد کا گلشن
اسی کے نور کا شاہد ہے وادیٔ ایمن
یہی وہ مئے ہے جو کرتی ہے چشم و دل روشن
نظر میں زینتِ دنیا کو خاک کرتی ہے
یہی ریا و تصنّع سے پاک کرتی ہے

(۵۹)

خدا کی شان کہ واعظ ہمیں پڑھاتے ہیں
یہ میکدہ ہے وہ جس میں ملائک آتے ہیں
خدا کے حکم سے ہم پیتے ہیں پلاتے ہیں
سرور و وجد میں قرآن پڑھتے جاتے ہیں
چھپائیں کس لئے ہاں ہاں ضرور پیتے ہیں
گناہ کیا ہے شرابِ طہورہ پیتے ہیں

(۶۰)

میں ایسا رند نہیں ہوں سنوں جو وعظ و پند
مجھے کیا ، ایسی شریعت کا ہو تو ہی پابند
تجھے وہ رنگ پسند اور مجھے یہ رنگ پسند
شراب پینے کی تو مجھ سے لیتا ہے سوگند
بُرو بکارِ خود اے واعظ ایں چہ فریاد است
مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتاد است

(۶۱)

سمجھ رہا ہوں میں اچھی طرح یہ روئے سخن
میں تجھ سے کیا کہوں تو تو ہے عقل کا دشمن
کہاں کا پتہ یہاں تو بنا ہے دل مسکن
یقیں نہ آئے مری بات کا تو سونگھ دہن
پسینہ بن کے نکلتی ہے ہر بُنِ مو سے
ملک زمیں پہ آتے ہیں اسکی خوشبو سے

(۶۲)

جو رند ہیں وہ نہیں جانتے حلال و حرام
کہیں سمجھتے ہیں بے خود بھلا ترا انجام
برائیوں سے مری واعظا تجھے کیا کام
کہوں میں صاف کہ رکھتا ہے تو عبث الزام
کہاں تھا تو کہ جب اک عام بادہ نوشی تھی
نہ ٹوکا تو نے جو یومِ الست میں پی تھی

(۶۳)

اجل کا ذائقہ ہے برگ و زیست کی لذت
لگے جو کانٹا تو ہو سیرِ گلشنِ جنت
بیان کیجیے کیا ہے عجیب کیفیت
کہ اسکے مست کی رہتی ہے اک نئی حالت
تمام زیست کچھ ایسا سرور رہتا ہے
کہ بعدِ مرگ بھی چہرے پہ نور رہتا ہے

(۶۴)

وہ بات کرتے ہیں جس سے کہ پختہ ہو اسلام
یہ مدعا نہیں اپنا کہ ہو بخیر انجام
مئے ولائے علیؑ پیتا صبح سے تا شام
تو گھونٹ گھونٹ پہ لیتا ہمیں خدا کا نام
نہ فکرِ خلد نہ حوروں کی چاہ کرتے ہیں
ہم اس طریق سے یادِ اللہ کرتے ہیں

(۶۵)

خدا نا کردہ جو ہو اس شراب کی قلت
کمی ہوئی تو ہے ہم مشربوں میں پھر ذلت
یہی ہے خاص ہماری نجات کی علت
پیمبروں نے بھی پی ہے گواہ ہے حلت
سبھی نے پی ہے کسی سے نہیں یہ چھوٹی ہے
نہ کیوں پیوں کہ یہ پیغمبروں کی جھوٹی ہے

(۶۶)

نصیریوں نے کہا گو تجھے خدا ساقی
یہ کوئی جانتا ہے تیری قدر کیا ساقی
سمجھتے ہیں تری عزت کو مصطفاً ساقی
خدا ہی جانتا ہے تیرا مرتبا ساقی
کسے ہے شبہ خدا تک تری رسائی کا
خدا نہیں ہے مگر دخل ہے خدائی کا

(۶۷)

چڑھائے دوش پہ ساقی تجھے رسولؑ کریم
بتوں کو توڑ کے کعبہ میں پائی قدر عظیم
یہ تیرے پاؤں کی پشتِ نبیؐ پہ ہو تکریم
ادب سے مہرِ نبوتؐ اٹھے پئے تعظیم
جہاں کہ عرش پہ ہاتھ اپنا کبریا رکھے
وہاں قدم مرا ساقی رکھے خدا رکھے

(۶۸)

میں کیاں کہوں مرے ساقی کو لوگ کیا سمجھے
امام و ہادی و مختار دو سرا سمجھے
جو سمجھے بعدِ خدا و نبیؐ بجا سمجھے
مزا تو یہ ہے جو بہکے بھی تو خدا سمجھے
اب اور کوئی فضیلت علیؑ کی باقی ہے
نصیریوں کا خدا ہے ہمارا ساقی ہے

(۶۹)

وہ چمکی تیغ گلے سیکڑوں کے کٹنے لگے
سیاہ شام کے بادل تمام چھٹنے لگے
بڑھے امامؑ قدم سرکشوں کے ہٹنے لگے
رواں دواں ہوئیں فوجیں پرے الٹنے لگے
سرانِ کوفہ و مصر و حلب نکل بھاگے
ادھر سوار اُدھر پیدلوں کے دَل بھاگے

(۷۰)

اڑے جو سر تو بھگوڑوں کی ہمتیں ٹوٹیں
ہراس و یاس سے منھ پر ہوائیاں چھوٹیں
جب آئی تیغ لعینوں کی قسمتیں پھوٹیں
اجاڑ کر گئی جانوں کی بستیاں لوٹیں
نہالِ عمر کو اک دم میں کاٹ کر آئی
زمیں کو لاشوں سے اعدا کے پاٹ کر آئی

(۷۱)

جہاں میں کوئی نہیں تیغ اسکی ہم پایہ
اسی نے کفر پرستوں کے زور کو ڈھایا
علیؑ کے ہاتھ سے اس نے یہ مرتبہ پایا
احد کی جنگ سے "لا سیف" شان میں آیا
نہ اس سے پہلے جہاں میں یہ نام دار ہوئی
علیؑ کے ہاتھ میں آئی تو ذوالفقار ہوئی

(۷۲)

زمیں سے عرش پہ اتری ہے سب پہ ہے یہ جلی
اسی کا نام ہے قہرِ خدائے لم یزلی
حسینؑ اسکے ہیں جوہر شناس یا تھے علیؑ
یہی وہ تیغ ہے جو راہِ مستقیم چلی
زمین لاشوں سے اہلِ جفا کے پاٹی ہے
تمام عمر جہادوں میں اس نے کاٹی ہے

(۷۳)

جمال دیکھ کے کوئی تو حور کہتا ہے
چمک جو دیکھتا ہے برقِ طور کہتا ہے
یہ قہرِ حق ہے ہر اک ذی شعور کہتا ہے
خدا پرست ہے چہرے کا نور کہتا ہے
نبیؐ کے دین نے قوت اسی سے پائی ہے
ہر ایک جنگ میں حیدرؑ کے کام آئی ہے

(۷۴)

وہ خوب رو کہ حسیں دیکھ لیں تو جائیں جائیں
چراغ لے کے بھی ڈھونڈیں تو یہ چراغ نہ پائیں
جہاں میں تیغ نہ ایسی بنے ہزار بنائیں
بنائیں بھی تو یہ لوہا کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں
عدو کے دیں کے لئے قہرِ کردگار ہے یہ
خدا کے گھر سے جو آئی وہ ذوالفقار ہے یہ

(۷۵)

دمِ نبرد جو اعدا کے دیں کا خون پیا
تو اور چہرہ زیبا کا رنگ زرد ہوا
روا روی میں اگر جوہروں کو دیکھ لیا
نکیلی آنکھوں کے ڈورے ہیں یہ ہُوا دھوکا
مبصروں کو صدا دی یہ حُسنِ صنعت نے
لکھا ہے آیۂ لا سیف دستِ قدرت نے

(۷۶)

وہ خوب رو کہ ہر اک کی نگاہ ہے اس پر
نظر کے ڈر سے ابھر آئے ہیں یہ جوہر
یہ نورِ حسن میں ڈوبی ہوئی ہے سر تا سر
دکھائی دیتے ہیں جوہر اُدھر کے صاف اِدھر
عیاں ہے صاف تجلّی یہ برقِ طور کی ہے
خدا کی شان کہ ترچھی شعاع نور کی ہے

(۷۷)

فرس بھی شہؑ کا کسی طرح تیغ سے نہیں کم
وہ چل رہی ہے اسکے بھی کب رُکے ہیں قدم
بنی ہے افعی خونخوار وہ تو یہ ضیغم
وفورِ غیظ میں دونوں کا ایک ہے عالم
بسانِ برق چمکتی ہے وہ یہ کوندتا ہے
صفیں بچھاتی ہے وہ اور انھیں یہ روندتا ہے

(۷۸)

اگر وہ فردِ جہاں ہے تو یہ بھی ہے یکتا
وہ موجِ بادِ صبا ہے ہوا کا یہ جھونکا
ثنا کے وقت نہ کیوں ہو زباں پہ صلِّ علیٰ
نبیؐ کی تیغ وہ ہے یہ علیؑ کا ہے گھوڑا
بلند رتبہ ہیں اور باتمیز ہیں دونوں
جب ہی تو شاہؑ کو دل سے عزیز ہیں دونوں

(۷۹)

ہلاک اس نے کئے ہیں اگر ہزاروں یل
تو اس نے پاؤں سے پسپا کئے قوی ہیکل
اگر ہے قوت بازو کے شہؑ پہ اس کو تکل
امام کو لئے پھرتا ہے یہ بوقتِ جدل
کبھی جو اس نے کہا قہرِ کردگار ہوں میں
یہ بول اٹھا اسدِ حق کا راہوار ہوں میں

(۸۰)

وحیدِ عصر ہے وہ اور یہ شہرۂ آفاق
وہ رشکِ برق اگر ہے تو یہ ہے رشکِ براق
چمک میں ہے جو وہ یکتا تو کوندنے میں یہ طاق
یہ افتخارِ عجم ہے تو وہ ہے فخرِ عراق
کہیں اسے جو ابھی ماہ کا وہ ہالہ ہو
کڑی جو باگ ہو اسکی سمٹ کے نقطہ ہو

(۸۱)

قضا کی اس میں ادا، اس کی برق کا انداز
وہ سرفروش اگر ہے تو یہ بھی ہے جاں باز
جو خلق میں وہ سرفراز ہے تو یہ ممتاز
یہ وہ ہیں جن پہ شہنشاہِ کربلا کو ہے ناز
رہے ہمیشہ علیؑ و حسنؑ کی خدمت میں
ملے ہیں دونوں کے دونوں انھیں وراثت میں

(۸۲)

جوان کی شان میں کہتے وہ ہے درست و بجا
علیؑ کے ساتھ رہے ہیں نہوں یہ کیوں یکتا
کھچے ہوئے ہیں جہادوں کے یہ یہ سپاہ ہے کیا
ابھی جو غیظ میں آئیں تو حشر ہو برپا
اٹھے تڑپ کے اگر وہ تو آسماں نہ رہے
یہ ٹاپ ماریں تو طبقے اڑیں جہاں نہ رہے

(۸۳)

نہ کچھ اسے ہے تفوق نہ اسکو ہے تفضیل
وہ ماہ رو یہ پری وش جمیل وہ یہ شکیل
وہ فرد اور یہ یکتا نجیب وہ یہ اصیل
حسینؑ پاس ہیں دونوں بڑی تو یہ ہے دلیل
بُراق و برق کو ہے رشک وہ روانی ہے
نہ اسکا مثل ہے کوئی نہ اسکا ثانی ہے

(۸۴)

روانیاں وہ تو یہ تیزیاں دکھاتی ہے
وہ روند ڈالتا ہے یہ صفیں بچھاتی ہے
وہ سر کچلتا ہے اور یہ لہو بہاتی ہے
جہاں یہ جاتا ہے گھوڑا وہاں یہ جاتی ہے
جدا نہوتا ہے وہ اور نہ شہؑ کے ساتھ سے یہ
وہ چار پاؤں سے چلتا ہے ایک ہاتھ سے یہ

(۸۵)

کبھی یہاں تھی تڑپ کر کبھی وہاں پہنچی
زمیں پہ گر کے اٹھی سوئے آسماں پہنچی
جہاں چھپے تھے وہیں تیغ جاں ستاں پہنچی
تھپیں صفیں کی صفیں یہ جہاں جہاں پہنچی
کہیں یہ شور اٹھا یہ کہ اس پرے پہ گری
پکارے میمنہ والے وہ میسرہ پہ گری

(۸۶)

خدا کا قہر ہے صورت سے یہ ٹپکتا ہے
بُرش کو دیکھ کے اسکی ہر اک کو سکتا ہے
نثار ہوتے ہیں دشمن بھی یہ وہ یکتا ہے
بجز امامؑ کوئی اسکو روک سکتا ہے
جہاں سے آئی تڑپتی ہوئی وہاں پہنچی
نہ ہوں امامؑ تو یہ سوئے آسماں پہنچی

(۸۷)

بڑھ آئی فوج کی بدلی اگر گھٹا آئی
دمک جو تیغوں کی دیکھی تو اور جھلائی
گھٹا پہ ڈھالوں کی تھائی ہر طرف چھائی
بَرَس بَرَس کے ہر اک سمت آگ برسائی
عجب ہر ایک کو ہے اس شرر فشانی سے
خدا کی شان نکلتی ہے آگ پانی سے

(۸۸)

جدھر جدھر یہ سوئے لشکرِ گراں پہنچی
تحوں سے کھنچ کے لبوں پر ہر ایک جاں پہنچی
اماں اماں تھی وہاں یہ جہاں جہاں پہنچی
جہاں جہاں تھی اماں یہ وہاں وہاں پہنچی
چہار سمت ہر اک جا پہ خوں برستا تھا
در اجل تھا کھلا، بند اماں کا رستا تھا

(۸۹)

کہیں سپاہ تھی اور تھے کہیں سپہ سالار
یہ شور کرتے تھے ہر سمت فوج کے سردار
اماں محال ہے بچنا ہے تیغ سے دشوار
تمام لشکرِ جرار کردیا مسمار
یونہی چلی تو لڑائی کی یہ قسم لے گی
تمام کوفہ کو تاراج کرکے دم لے گی

(۹۰)

یہ فوج کا کٹے جاتی ہے جس قدر ستھراؤ
چلا ہی آتا ہے اسکو تو اور تاؤ پہ تاؤ
جلا کے خاک کرے گی قریب اسکے نہ جاؤ
بلا کا لوہا ہے اور ہے غضب کا اسکا بجھاؤ
پڑے جو ضرب تو آوازِ الاماں نکلے
جگر زمین کا شق ہو ابھی دھواں نکلے

(۹۱)

مثال شعلہ جوالہ ہے شرر انگیز
پناہ جس کی نہیں وہ بلا کی آفت خیز
بہائے خون کے دریا وہ قہر کی خوں ریز
تڑپ میں گرنے میں اور تیزیوں میں برق سے تیز
اماں محال ہے بچنے کی کوئی راہ نہیں
کہ اس سے قلعۂ آہن میں بھی پناہ نہیں

(۹۲)

نیا ہے ڈھنگ نرالی ہے ہر ادا اسکی
بچے رہو کہ سَم آلودہ ہے ہوا اسکی
بغور دیکھو تو ہر بات ہے جدا اسکی
کہ شکل تیغوں میں ملتی نہیں ذرا اسکی
خدا کا قہر ہے شمشیر آبدار نہیں
ارے! کہیں یہ علیؑ کی تو ذوالفقار نہیں

(۹۳)

پکارے بعض کہ ہم کو بھی ہے اسی کا شک
نہ ایسی کاٹ کسی میں ہے اور نہ ایسی لچک
ہماری نظروں سے گذری نہ ایسی تیغ اب تک
لو دیکھتے رہو جاتی ہے دم میں تا بہ فلک
خبر کسی کو نہیں قہر کردگار ہے یہ
ضرور حیدرؑ صفدر کی ذوالفقار ہے یہ

(۹۴)

یہ نام آتے ہی اک تہلکہ ہوا برپا
حواس و ہوش نہ مطلق رہے کسی کے بجا
ہراس و یاس میں ایک اک کے منھ کو تکتا تھا
ہر اک کہتا تھا ہوتا ہے دیکھئے اب کیا
خدا بچائے عجب ہولناک منظر ہے
طبق زمیں کے نہ الٹیں ہمیں یہی ڈر ہے

(۹۵)

کہیں نہ کیوں اسے قہر خدائے لم یزلی
ملائکہ نے پڑھی جس کے ڈر سے نادِ علی
وغا وہ کون سی ہے جس وغا میں یہ نہ چلی
کسے کسے نہ جلایا کہاں کہاں نہ چلی
جنوں کو مار کے بیر العلم کو پاٹ گئی
روا روی میں پر جبرئیل کاٹ گئی

(۹۶)

بنا تھا تختۂ میدان حشر دشتِ قتال
پھریرے اڑتے تھے جیسے کہ نامۂ اعمال
ہوئی تھی ہر متنفس کو اپنی جان وبال
وفورِ خوف سے تھرا رہے تھے دشت و جبال
قیامت آئی تھی ہر چیز کو تزلزل تھا
سمک سے تا بہ سما الاماں کا غل تھا

(۹۷)

نہ تھے جہاں میں کسی کے حواس و ہوش بجا
کمالِ فکر میں تھے ساکنانِ ارض و سما
نظر میں معرکہ بیر العلم کا پھرتا تھا
یہ کہہ رہے تھے اب الٹا زمین کا طبقہ
بنی ہوئی تھی بنی جان کی یہ جانوں پر
کہ یا علیؑ کے سوا کچھ نہ تھا زبانوں پر

(۹۸)

چہار سو جو نمایاں تھا قہرِ یزدانی
بلند ہوتا تھا نیزوں فرات کا پانی
وہ تہلکہ تھا کہ ہر موج کو تھی حیرانی
ہر اک حباب کی کشتی بنی تھی طوفانی
تلاشِ امن تھی ہر چیز کو رواں ہو کر
اڑی تھی پانی کی چادر بھی دھجیاں ہو کر

(۹۹)

وفورِ خوف سے تھرّا رہا تھا چرخِ بریں
چھپے تھے آڑ میں سدرہ کی جبرئیلِ امیں
بدل رہی تھی زمیں کروٹیں نہ تھی تسکیں
ہراس و یاس میں تھی بیقرار گاوِ زمیں
پڑا تھا تفرقہ ایسا نظامِ عالم میں
عیاں تھا صاف اب الٹا جہاں کوئی دم میں

(۱۰۰)

جلائے جاتی تھی اہلِ دغا کو تیغ دو دم
ہر اک ڈوب رہا تھا لہو میں تا بہ قدم
کسی سے کوئی جو کہتا تھا ہو کفیل اس دم
جواب ملتا تھا اپنا بھی ہے یہی عالم
گھرے ہوئے تو سبھی قہرِ ذوالجلال میں ہیں
شریک کون ہو سکتا سب ایک حال میں ہیں

(۱۰۱)

بپا تھا شور ہر اک سمت امن تھا نایاب
وہ آ بنی تھی کہ سکانِ بحر تھے بیتاب
جھپک نہ سکتی تھی خوف و خطر سے چشمِ حباب
سمٹ رہی تھی بصد انتشار چادرِ آب
قرار اور سکوں جب کہیں نہ پاتی تھی
تو اضطراب میں موجوں سے لپٹی جاتی تھی

(۱۰۲)

کسی کو مانتی کب تھی دمِ روانی تیغ
پہنچ رہی تھی رگِ خوں میں مثلِ پانی تیغ
ہوتی تھی خوں میں بھر بھر کے ارغوانی تیغ
وہی ہے دم وہی خم گو کہ ہے پرانی تیغ
اشارہ پاتے تو قلبِ زمیں میں در آئے
پھر آج شہپرِ جبرئیل کاٹ کر آئے

(۱۰۳)

ہیں آپ تیغ بکف آستیں چڑھائے ہوئے
وفورِ شوق سے باگیں ہیں سب اٹھائے ہوئے
رواں ہیں فوج کی فوجیں شکست اٹھائے ہوئے
چلے ہی جاتے ہیں گھوڑے کو شہؑ لگائے ہوئے
وہ گر رہے ہیں پیادے جو تھکتے جاتے ہیں
سوار خوف سے پھر پھر کے تکتے جاتے ہیں

(۱۰۴)

اٹھا وہ شورِ اماں شہؑ نے روک لی تلوار
جو ڈر کے بھاگ رہے تھے پلٹ پڑے وہ سوار
ہر ایک سمت سے تیروں کی ہو گئی بوچھار
خوشی سے تان کے سینے کو روکنے لگے وار
خیالِ تشنگیِ امت میں تیر کھانے لگے
کھلے جو زخمِ بدن آپ مسکرانے لگے

(۱۰۵)

گھرے ہیں چار طرف سے امامؑ ہیں بے بس
بڑھا ہے ضعف کہ رکتی نہیں لگامِ فرس
یہ حال ہے مگر آتا نہیں کسی کو ترس
قریب آگیا ہے ہے سنانِ ابنِ انس
تڑپ کے گھوڑے سے لو شاہِ مشرقین گرے
کچھ ایسا ظلم کیا خاک پر حسینؑ گرے

(۱۰۶)

زمیں پہ کروٹیں لیتے ہیں جاں کنی میں حضورؑ
بھرا ہے خون میں حضرت کا چہرۂ پرنور
تمام عضوِ بدن ہوگئے ہیں زخموں سے چور
لگا رہے تھے وہ پتھر کھڑے ہوئے ہیں جو دور
جگر کو نامِ علیؑ لے کے تھام لیتے ہیں
تڑپ کے امتِ جد کو دعائیں دیتے ہیں

(۱۰۷)

ادھر تو سجدۂ حق میں تھے شاہِ عرش مقام
یہ کہہ رہا تھا اُدھر ابنِ سعد بد انجام
سپاہ میں کوئی ایسا بھی ہے کرے جو یہ کام
کہ تن سے کاٹ لے جا کر سرِ امامِؑ انام
ہر ایک چین سے بیٹھے دلوں کو راحت ہو
یہ مرحلہ بھی جو سَر ہو تو بس فراغت ہو

(۱۰۸)

یہ سن کے ہو گیا تیار شمرِ بد گوہر
کیا نہ خوفِ خدا باندھ لی جفا پہ کمر
نہوگا اس سے کوئی بڑھ کے ظالم و خودسر
شقی نے دستِ تعدی میں لے لیا خنجر
کہا کہ میں سرِ شبیرؑ کاٹے لاتا ہوں
ابھی چراغِ امامت بجھا کے آتا ہوں

(۱۰۹)

قریب سبطِ پیمبرؐ گیا تو یہ دیکھا
امامؑ غش میں ہیں جنبش میں ہیں لب گویا
شقی یہ سمجھا کہ کرتے ہیں بد دعا مولاؑ
سنا تو بخشش امت کی کر رہے تھا دعا
جفاؤں پر تھیں جفائیں ستم شعاروں کی
مگر تھی یاد ہم ایسے گناہ گاروں کی

(۱۱۰)

یہ حال دیکھنے پر بھی ترس نہیں کھایا
کسی سے ہو نہ سکے گا جو کچھ ستم ڈھایا
لحد میں فاطمہؑ زہرا کے دل کو تڑپایا
قریب سرورؑ عالی وہ بے ادب آیا
پڑے تھے دھوپ میں زخموں سے چور، چھاؤں کہاں
رسولؐ زادے کا سینہ کہاں وہ پاؤں کہاں

(۱۱۱)

یہ ڈر سے دیکھ کے چلائی بنتِ شیرِ الہٰ
ارے یہ سینہ ہے قرآں سے بڑھ کے او گمراہ
گرے نہ برقِ غضب تجھ پہ چرخ سے ناگاہ
خیال کر تو سہی کون ہے یہ بیکس آہ
سوار صدرِ شہنشاہِ خاص و عام پہ ہے
غضب خدا کا قدم سینۂ امامؑ پہ ہے

(۱۱۲)

جو آپ مرتا ہو اس پر یہ ظلم ہائے غضب
کہ اسقدر بوجھ کی اس ناتواں میں جاں ہے کب
غریب و بیکس و مظلوم جا کنی میں ہے اب
اتر کہ بھائی کی صورت کو دیکھ لے زینبؑ
ارے نہ شمعِ امامت بجھا خدا کے لئے
ہٹا لے پاؤں کو سینے سے کبریا کے لئے

(۱۱۳)

رکھا ہو تو نے اگر حلقِ شاہؑ پر خنجر
نہ پھیرنا کہ یہ ہے بوسہ گاہِ پیغمبرؐ
سکینہؑ پاس کھڑی ہے اسے یتیم نہ کر
لہو میں بیکس و مظلوم کے تو ہاتھ نہ بھر
نحیف و زار کا کوئی بھی سر اتارتا ہے
جو آپ مرتا ہو اسکو بھی کوئی مارتا ہے

(۱۱۴)

نہ اترا اس پر بھی سینے سے شمر عربدہ جو
گلے پہ خنجر کیں پھیرنے لگا بدخو
امامِ بیکس و مظلوم کا بہا جو لہو
زبانِ خاک سے آئی صدائے فاعتبرو
سنا نہ زینبؑ غمگیں کا کچھ کلام اس نے
خدا کے سجدے میں کاٹا سرِ امامؑ اس نے

(۱۱۵)

کسی بہن کو نہ بھائی کا غم دکھائے خدا
علی الخصوص بہن وہ جو بھائی پر ہو فدا
جو دیکھا حضرتِ زینبؑ نے بھائی پر یہ جفا
کلیجہ پھٹ گیا اور دل ہوا تہ و بالا
نہ ضبط کر سکی یہ حال دیکھ کر زینبؑ
پچھاڑ کھا کے گری فرشِ خاک پر زینبؑ

(۱۱۶)

جب آیا ہوش تو چلا کے شمر سے یہ کہا
کہ تجھ کو پاسِ پیمبرؐ ہوا نہ خوفِ خدا
کوئی بھی کرتا ہے دنیا میں ایسے ظلم و جفا
خدا کے واسطے چادر سے ڈھانک دے لاشا
ترس کا رحم و مروّت کا کوئی کام تو کر
ارے امامؑ کی میّت کا احترام تو کر

(۱۱۷)

خطاب شہؑ سے کیا پھر یہ جوشِ رقت میں
بہن کن آنکھوں سے دیکھے تمہیں اس آفت میں
گھری ہوئی ہے یہ دکھیا عجب مصیبت میں
نہ ساتھ دے سکے بھیا بہن کا غربت میں
کٹے وہ نخلِ تمنا جو میں نے بوئے تھے
اسی کے واسطے دو لال اپنے کھوئے تھے

رباعی

دنیا میں یہ آئے تھے ہدایت کے لئے
اک نعمتِ عظمیٰ تھے شریعت کے لئے
تربت سے عیاں ہے شانِ نورالٰہی
حضرتؑ کی شہادت ہے شہادت کے لئے

رباعی

کیا کیا نہ جواہر تھے ترے سینے میں
ہونگے نہ ہوئے شاہوں کے گنجینہ میں
اس دارِ فنا سے جو اٹھا ہو کے شہید
ہے جلوہ نما بقا کے آئینہ میں

رباعی

ہر درد میں دکھ میں کام آجائیں گے
قوت ہوئی دل کو چین اب پائیں گے
مدفن میں مدد کرنے جب آئے حیدرؑ
میدانِ قیامت میں کیوں نہ آئیں گے

سلام

مروّت میہماں سے یوں ہر اک پیاں شکن توڑے
نہ دے پانی کا قطرہ ، دم شہنشاہِ زمن توڑے

مٹایا باغیوں نے ہے غضب یوں باغِ زہرؑا کا
شگوفہ توڑے ، غنچہ توڑے ، گل ہائے چمن توڑے

یہی قسمت میں تھا ماں نے کہا نعشِ سکینہؑ پر
کہ زنداں کی زمیں ہو ، دم یہ آوارہ وطن توڑے

علیؑ مرقد میں آئے یا تنِ بے جاں میں جان آئی
کھلیں آنکھیں خوشی نے بڑھتے ہی بندِ کفن توڑے

کہا زینبؑ نے قضا سے دوں رضا مرنے کی اکبرؑ کو
غضب ہے رشتۂ امید کو یہ کشتہ تن توڑے

یہ ارماں تھا مجھے سہرا بندھے دولہا بناؤں میں
یہ اٹھارہ برس کا آسرا کیوں کر بہن توڑے

یہاں اک ہاتھ میں قرآں ہے ، اک میں دامنِ عترت
وہ بیٹھے رشتہ ہائے ربط جو پیاں شکن توڑے

سنانِ ظلم نے اکبرؑ ہی کا سینہ نہیں توڑا
جگر زینبؑ کا چھیدا اور قلوبِ پنجتن توڑے

فریدؔ انصاف اٹھا ، ہیں قدر داں دو عیب ہیں لاکھوں
عبث ہے عرش کے تارے اگر اہلِ سخن توڑے

مرثیہ

تہلکہ حملۂ علی عباسؑ سے تھا بپا

درحالِ حضرت عباسؑ

سنہ تصانیف

1945

تہلکہ حملۂ عباسؑ علی سے تھا بپا

تہلکہ حملۂ عباسؑ علی سے تھا بپا
مضطر اسوار پیادوں کے نہ تھے ہوش بجا
رنگِ رُخ آئینہ کرتا تھا دلوں کا نقشہ
خوں کے چھڑکاؤ سے پرہول تھا میدانِ وغا
جان کے خوف سے نامردوں کے لرزاں دل تھے
ڈھیر تھے لاشوں کے سَر ڈھلتے ہوئے بسمل تھے

(۲)

ناگہاں فوج سے اک گبر بد انجام بڑھا
بادۂ کبر و تبختر کا پیے جام بڑھا
جھومتا فیل دماں جانبِ ضرغام بڑھا
جیسے تاریکیِٔ شب یوں وہ سیہ فام بڑھا
فربہی یہ کہ فرس پست ہوا جاتا تھا
قلعہ آہن کا لئے کوہ چلا آتا تھا

(۳)

دیو کے روئیں کھڑے ہوں وہ کریہہ المنظر
ہے سبو بادۂ سر جوش کا اوندھا ہوا سر
شکنیں شمس جبین پر ہیں کشیدہ خنجر
آنکھیں سفاک کی خونیں کہ لگے دیکھ کے ڈر
جو کہ فولاد سے کٹتا رہا ایسا تن ہے
جس پہ خوں سیکڑوں مظلوموں کا وہ گردن ہے

(۴)

سینہ پُر کینہ وہ دل جس میں ہے اصنام کا گھر
نہ ہوئی خیر کبھی جن سے وہ دستِ خود سر
ستم و جور و جفا پر جو بندھائی وہ کمر
پیر وہ جن سے کہ قائم ہے رہِ باطل پر
کفر کا جذبہ اسے کھینچ کے یاں لایا ہے
ابنِ حیدرؑ سے پئے جنگ و جدال آیا ہے

(۵)

خود فولاد و گراں وزن ہے رکھے سر پر
آہنی درع پہ ملعون کی جوشن بکتر
ڈاب میں تیغ کمر میں ہیں دو دھارے خنجر
ہاتھ میں نیزہ ہے اور پشتِ شمس پر ہے سپر
فن کے غرّے میں جوانی کی طرح جوش یہ ہے
تیر ترکش میں چنندہ ہیں کماں دوش پہ ہے

(۶)

پلٹے قبیل سے یہ بھاگتا لشکر چھوڑا
برق جولاں ہوا اک آن میں پہونچا گھوڑا
ڈر کیا اُس نے خدنگ آپ نے مرکب موڑا
تیر ان کے نہ لگا جب تو دل اُس کا توڑا
ہو کے حیران و خفیف اُن کی طرف تکنے لگا
منہ میں جو لاف و گزاف آیا شقی بکنے لگا

(۷)

کہتا تھا کون ہے دنیا میں مقابل میرا
سنگ و فولاد سے ہے سخت کہیں دل میرا
کلمہ پڑھتا ہے ہر اک ماہر و کامل میرا
اور پانی بھی نہیں مانگتا گھایل میرا
تیر پڑ جاتا اگر ساری حقیقت کھلتی
زد سے بچتے نہ تو ان ہاتھوں کی قوت کھلتی

(۸)

لاکھ جرّار ہوں رکتی نہیں میری تلوار
ابرِ شمشیر رہا کرتا ہے رن میں خوں بار
روح کو تن سے جدا کرتی ہے اس تیغ کی دھار
لاشہ دشمن کا میرے روندتا ہے یہ رہوار
چھین کر تاج ملک تخت اُلٹ دیتا ہوں
دم میں نقشہ لڑائی کا پلٹ دیتا ہوں

(۹)

قتل اتنے کئے نامی کہ نہیں نام بھی یاد
اُن کے سر کاٹے ہیں جلاد کے جو تھے جلاد
کھنچتی اس کرب سے تھیں کرتی تھیں روحیں فریاد
کلۂ شیر کو چیروں وہ ہے پنجہ فولاد
کبھی دبتا ہی نہیں سخت و قوی دشمن سے
مجھ سا ماہر نہیں دنیا میں کوئی اس فن سے

(۱۰)

رن سے پلٹا نہ کبھی جنگ نہ جب تک ہوئی سر
لوہا مانے ہوئے اپنا ہیں سبھی اہلِ ہنر
بھوکے پیاسے کئی دن کے ہیں یہ بے کس بے پر
لڑتا ایک ایک اگر مجھ سے نہ ہوتے سر بر
بودے نا تجربہ کاروں کے سبب شیر ہوئے
آ پڑے سیکڑوں پر لاشوں کے یوں ڈھیر ہوئے

(۱۱)

جان و عزت سے نہیں دہر میں کچھ بھی پیارا
وہم نے شہرت و تعریف کے سب کو مارا
طاقتِ سلطنتی سے ہے کسی کو چارہ
ساتھ دولت کے ہے دولت کے زمانہ سارا
مر مٹیں داد شجاعت کوئی دے سکتا ہے
مدح شبیرؑ کیا نام بھی لے سکتا ہے

(۱۲)

جو جو ساتھ آئے تھے زنجیر محبت میں اسیر
ذمہ دار ان کے اگر ہیں تو جناب شبیرؑ
سانسیں کچھ لینے کو جیتے تھے کئی ایسے تھے پیر
سخت افسوس وہ تک ہوگئے نذرِ شمشیر
رن کا دکھ درد نہ اس عمر میں سہنا تھا انھیں
منتظر موت کا اک گوشہ میں رہنا تھا انھیں

(۱۳)

صلح شبرؑ کی طرح کیوں نہیں کرتے حضرت
تھے بڑے بھائی بری کیا تھی حسنؑ کی سیرت
ختم یہ جملہ مصائب ہیں جو کر لیں بیعت
حیف صد حیف اولی الامر سے ایسی نفرت
ماننا فرض انہیں شاہؑ کا جو فرماں ہو
ہے عجب سبطِ نبیؐ منحرفِ قرآں ہو

(۱۴)

سن کے فرمایا یہ کیا بکتا ہے او ہرزہ سرا
دہر میں کون سمجھ سکتا ہے تجھکو یکتا
بھوکے پیاسوں پہ جو غالب تجھے جانا جاتا
ہوتی لشکر کی نہ فوجوں کی ضرورت اصلا
صرف کر دے گا جو یہ تاب و تواں دشمن میں
فوج کثوائی مگر تجھکو نہ بھیجا رن میں

(۱۵)

لڑنا اس لشکرِ جرار سے ہمت کی دلیل
کثرت افواج کی تصدیق شجاعت کی دلیل
قتل پیاسے ہوں یہ ہے بخشش امت کی دلیل
بے لڑے دعوے تیرے صاف حماقت کی دلیل
تو ہے کیا ہرزہ سرائی سے تری ظاہر ہے
جوہرِ تیغ دکھا فن کا اگر ماہر ہے

(۱۶)

پست احساس نہ اللہ و نبیؐ سے تجھے ڈر
شہؑ کی ذہنیت عالی یہ ہے او بانیٔ شر
جان مال آبرو اولاد ہو قرباں حق پر
آنچ اسلام پہ قرآن پہ آئے نہ مگر
پاس ایماں ہے انہیں خوف نہیں شاہ کا ہے
اُس کی رحمت پہ نظر ڈر ہے تو اللہ کا ہے

(۱۷)

نہ فنا ہوگی کبھی قوتِ حقانیت
سلطنت جس کو زوال اس سے دبے کیا طاقت
روشنی دیں کی ہے دنیا کی بنائی خلقت
حق پہ قربان ہیں شہؑ دیکھنا تو اسکی قدرت
ذرّہ ذرّہ کی زبان اُن کی کہانی ہوگی
آج اسلام کی بھر پور جوانی ہوگی

(۱۸)

راہِ معبود کے دکھ درد ہیں آرامِ حسینؑ
کیوں نہ اسلام ہو پھر بندۂ بے دامِ حسینؑ
نہ مٹے دینِ پیمبرؐ ہے یہی کامِ حسینؑ
نقش ہو کر دلِ عالم پہ رہے نامِ حسینؑ
مقصدِ شہؑ جو ہو پورا تو نہیں ہر سکتے
اُٹھ کے دنیا سے بھی شبرؑ نہیں مر سکتے

(۱۹)

نہ کیا جبر ہر اک فاعلِ مختار رہا
چھوڑدو ساتھ یہی شاہؑ کا اصرار رہا
ذکر اس بغض و عداوت کا یہ تکرار رہا
روئے دیندار پلٹ جانے سے انکار رہا
روکتے بھی تو بھلائی تھی برائی کیا تھی
شہؑ پہ ہوتے جو فدا بہتریٔ عقبیٰ تھی

(۲۰)

مترشح تری باتوں سے ہے یہ بھی گمراہ
قتل کروا دیا کتنوں ہی کو بیٹھے رہے شاہ
کور دل ڈال تو ترتیب شہادت پہ نگاہ
سامنے عقل کی حکمت کی نظر آئے گی راہ
ہیں زمانے کے امامؑ ابن پیمبرؐ ہیں آپ
جملہ عالم سے ہر اک امر میں بہتر ہیں آپ

(۲۱)

سہل و آساں ہے پھرے اپنے گلے پر خنجر
ضبط مشکل جو کٹے سامنے دل اور جگر
ظلم کیا کیا نہ ہوئے گود کے پالے ہوؤں پر
دیکھیں یہ صبر تو ایوبؑ گریں غش کھا کر
کتنی موتیں ہوئیں شہؑ کی یہ ستم سہنے سے
کام بنتا تھا مگر ایسے ہی غم سہنے سے

(۲۲)

قاتلِ سبطِ نبیؐ ہوں جو مسلماں یہ تمام
بے حیا دہر میں اسلام نہ ہوگا بدنام
اک طرف خلق کا خون اک طرف قتلِ امامؑ
مٹنے دیتے وہ کیوں عظمتِ دینِ اسلام
چاہتے ہیں ہو گناہوں سے پشیماں دشمن
میرے خوں سے نہ رنگیں ہاتھ مسلماں دشمن

(۲۳)

صلح کی تھی حسنؑ سبز قبا نے واللہ
توبہ کر توبہ نہیں جاتا تہمت کا گناہ
صلح نامے سے ہے آئینہ ہیں الفاظ گواہ
صاف روشن ہے کہ بیعت نہیں کی او گمراہ
جو بزرگوں کے چلن تھے وہی کردار رہے
ہر گھڑی صلح پہ شبیرؑ بھی تیار رہے

(۲۴)

ایسے فاسق کو اولی الامر کہے گا اللہ
فرض اُس کی ہے اطاعت جو ہو خود ہی گمراہ
مانا یہ شاہ مراد اس سے ہیں لیکن وہ شاہ
شہؑ کونین ہو اور دین کی ایماں کی پناہ
واجب اس وجہ سے ہر اک پہ اطاعت ہوگی
کہ خطاؤں سے بچاتی ہوئی عصمت ہوگی

(۲۵)

جس کا جد ختمِ رُسل خود ہو امامؑ ابنِ امامؑ
جد بھی وہ جس پہ کہ نازل ہوا خالق کا کلام
منحرف حق سے وہ ہوجائے گا او بد انجام
کیا سمجھ سکتا ہے ملعون خدا کے احکام
گرسنہ تشنہ دہن تیرا نبیؐ زادہ ہے
زر کی امید میں تو قتل پہ آمادہ ہے

(۲۶)

کُلِ عالم بخدا کی ہوگی حکومت ان کی
رمزِ قرآں کے یہ سمجھے ہیں شریعت ان کی
کوئے باطن نظرِ حق میں ہے عزت ان کی
ہیں اولی الامر یہی فرض ہے بیعت ان کی
جانشین حسنؑ و حیدرؑ و پیغمبرؐ ہیں
منحرف ان سے جو ہیں منحرفِ داورؑ ہیں

(۲۷)

کب نہیں ظلم پہ تیار بد انجام رہے
کوئی پروا نہ ہوئی موت کے پیغام رہے
تھے جو خاصانِ خدا ان کے یہی کام رہے
خود رہیں یا نہ رہیں دہر میں اسلام رہے
بڑھ کے آغاز سے انجام کہیں نیک ہوا
اس امانت کا امیں ایک کے بعد ایک ہوا

(۲۸)

وہ کیا شہؑ نے جو ایماء مشیت سمجھے
نہ کبھی نام کی شہرت کی حقیقت سمجھے
جان سے بڑھ کے امانت کی حفاظت سمجھے
اپنی ہستی کی یہی ایک ضرورت سمجھے
دینِ اسلام کو یوں اپنی اماں میں لیں گے
وقت آجائے تو اصغرؑ کو فدا کردیں گے

(۲۹)

فائدہ تو نے لگائی ہے جو بیکار کی بڑ
خود ستائی ہے عبث رن میں جو آیا ہے لڑ
کھینچ تلوار رجز خوانیاں کر کے نہ اکڑ
ہے جواں مرد تو آ سامنے میدان پکڑ
یاوہ گوئی سے زباں کے تو بہت وار چلے
جوہرِ فن بھی ذرا دیکھ لیں تلوار چلے

رباعی

حیدرؑ کی دمِ نزع جو صورت دیکھی
سمجھا میں کہ یاسین کی صورت دیکھی
آنکھیں مری کھولیں جو بند آنکھ ہوئی
سوتے سوتے اٹھا تو جنت دیکھی

رباعی

حیراں ہے عقل وصفِ حیدرؑ کیا ہو
ہیں ہیچ ہماں اگر کہیں بیجا ہو
قربت کی یدُاللہ کی بس وہ سمجھے
جو پردۂ قدرت کے قریں پہنچا ہو

رباعی

جو ہے غمِ شبیرؑ میں دیوانہ ہے
ہر آنکھ چھلکتا ہوا پیمانہ ہے
مستانِ مئے حُبِّ علیؑ بیٹھے ہیں
مجلس نہیں کوثر کا یہ میخانہ ہے

سلام

ملی ذاکر کو رفعت فاطمہؑ کے مہ جبینوں سے
ارم دیکھا ترقی یہ ہوئی منبر کے زینوں سے

ہوا ذکرِ مصیبت اشکِ خونیں ڈبڈبا آئے
مئے حبِّ علیؑ کا رنگ پھوٹا آبگینوں سے

وہ معدن ہے یہ سینہ سے فشانی سے ہے افزائش
یہ گنجینہ کہیں بہتر ہے شاہوں کے خزینوں سے

توکل جن کا شیوہ فقر و فاقہ پہ ہے فخر ان کو
فقیر اللہ کے جھکتے نہیں مسند نشینوں سے

کہا صغراؑ نے رو کر خیر بابا کی ہو اے نانی
وہ تازہ خوں ہوئی جو خاک رکھی تھی مہینوں سے

ولا کا جوہر الفاظ ثنا سے یوں ہویدا ہے
کہ نکلے جیسے لو الماس کے چیدہ نگینوں سے

علیؑ کا مصحفِ ناطق نمازِ صبح پڑھتا ہے
جو تیر آتے ہیں ناصر روکتے ہیں اپنے سینوں سے

نمازی کربلا کے آ رہے ہیں غل ہے محشر میں
ستارہ بن کے چمکے ضوفشاں ہیں یوں جبینوں سے

مرے خرمن کے سب دانوں پہ میرے حق کی مہریں ہیں
ہو صرف پامال ممکن نہیں یہ خوشہ چینوں سے

محمدؐ ہے لکھا ہر بادباں پر ہم نہ بھٹکیں گے
ہے کشتی اپنی وابستہ انہیں بارہ سفینوں سے
غنیمت ہو گیا غربال مشکیزہ بھی تیروں کو
تری پانی کی تھی ملتے تھے منہ لپٹائے سینوں سے
رہیں کاندھے پہ گہ بستر پہ جو محبوب داور کے
نہ کیوں وقعت بڑھے مسند کو ایسے جانشینوں سے
بنے گی محشر ارض کربلا لا کر شہید اپنے
پئے فریاد اونچی ہو کے عالم کی زمینوں سے
نہ کیوں ہوں مصطفیٰؐ محبوب حق ختم الرسل آخر
کہ چھانٹا جوہری نے اک نگیں اتنے نگینوں سے
فرید اپنا سخن یہ گو کلام پاک ہے لیکن
کلام اللہ کا محفوظ کب ہے عیب بینوں سے

مرثیہ

نکلے شبیرؑ جو خیمہ سے غضنفر کی طرح

درحالِ حضرت حرؑ

سنہ تصانیف

1928

نکلے شبیرؑ جو خیمہ سے غضنفر کی طرح

نکلے شبیرؑ جو خیمہ سے غضنفر کی طرح
جلوہ فرما ہوئے خورشیدِ منور کی طرح
تھی عبا دوشِ مبارک پہ پیمبرؐ کی طرح
ذاب میں تیغ دوسَر فاتحِ خیبر کی طرح
نظر آئی جو سپر مرتبہ دونا دیکھا
پشت پر مُہرِ نبوّت کا نمونا دیکھا

(۲)

غول میں غول نے ہٹ کر یہ کیا حُر سے کلام
آدمیّت نہ رہی تجھ میں عجب کا ہے مقام
ہے یہ بیخود کہ فراموش ہے رسمِ اسلام
حُر نے فرمایا کہ بے کار ہے کافر پہ سلام
دشمنِ آل ہے بے دیں ہے ستمگر ہے تُو
بُت پرستوں سے مرے زعم میں بدتر ہے تُو

(۳)

جس کو دانستہ مٹاتا ہے یہ ہے کون سا گھر
جن سے شر کرتا ہے بے خبر یہ ہے کون بشر
جن سے دعوت میں عداوت ہے یہ ہے کس کا پسر
جس پہ کھینچی ہے کماں کس کا ہے یہ لختِ جگر
گو ہے کہنے کو مسلماں کلمہ جانتا ہے
کس پیمبرؐ کا نواسہ ہے یہ پہچانتا ہے

(۴)

حاکمِ شام سے مطلب ہے نہ تجھ سے مجھے کام
خوں بھرا جوش میں ہے سُن کے یہ بیہودہ کلام
منھ سے لیتا ہے شقی نامِ سرِ شاہِؑ انام
یہ نہ سمجھا کہ ہے موجود یہیں اُن کا غلام
بندھ سکے گی کبھی آگے نہ مرے دھاک تری
کاٹ لوں بڑھ کے زباں او سگِ ناپاک تری

(۵)

شمر نے بڑھ کے کہا ہے کدھر اے حُرِ جری
ہوش میں آ کے ذرا بات کر اے حُرِ جری
دوستی سے تجھے کہتا ہوں ڈر اے حُرِ جری
دیکھ اچھا نہیں اسکا شر اے حُرِ جری
مالکوں سے کہیں تقریر کا یہ طور نہیں
پسرِ سعد بھی حاکم ہے کوئی اور نہیں

(۶)

ساقیِ کوثر و تسنیم جو ہے او بدخو
زہر پانی ہو تجھے اور وہ رہے تشنہ گلو
جس میں شامل ہے ارے احمدؐ مرسل کا لہو
ہے غضب قتل پہ اس شاہؑ کے آمادہ ہے تو
اس بیاباں میں عیاں ہوگا یہ محشر ہے ہے
خونِ محمدؐ کا بہائے گا ستمگر ہے ہے

(۷)

کچھ جواب اور نہ سوجھا تو یہ بولا مغرور
سَر محمدؐ کے نواسے کا قلم ہوگا ضرور
یاں میں آیا ہوں اسی کام پہ ہو کر مامور
دخل کیا اس میں تجھے جو ہیں ریاست کے اُمور
حکم حاکم کا ہے ممکن کبھی تعویق نہیں
تو مرا تابعِ فرماں ہے اُطالیق نہیں

(۸)

دیکھ برباد نہ ہو ہے مری طاعت میں رفاہ
حُر نے فرمایا کہ شیطاں کی اطاعت ہے گناہ
بولا وہ زور بھی رکھتا ہوں کہ تابع ہے سپاہ
کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ
کل پہ لشکر کے ڈراتا ہے لعیں کیا مجھ کو
جو قوی سب سے ہے اُس کا ہے بھروسا مجھ کو

(۹)

تجھ سا مکّار نہ بے رحم نہ ظالم ہوں میں
پہلے کیا بے ادبی ہو گئی نادم ہوں میں
اب نہ محکوم کسی کا نہ ملازم ہوں میں
ابنِ مخدومۂ کونین کا خادم ہوں میں
نام پر شاہؑ کے جان اپنی فدا کرتا ہوں
تو ہے کیا تیرے فرشتوں سے نہیں ڈرتا ہوں

(۱۰)

یاں برآمد ہوئے ڈیوڑھی پہ امامِ جمہور
واں ہوا مہرِ جہاں تاب کا مشرق سے ظہور
آگیا تھا جو مقابل رخِ تابانِ حضورؐ
ہاتھ پھیلائے ہوئے شمس تھا خود طالبِ نور
جلوۂ فیض سے توقیر سوا بڑھتی تھی
دم بدم اوجِ فراواں تھا ضیا بڑھتی تھی

(۱۱)

رخشِ بجلی کی میں دکھاتا ہوا ایجاد آیا
اُڑ کے دم میں صفتِ طائرِ آزاد آیا
سمجھے انساں کہ پرستاں سے پریزاد آیا
فوجِ قدسی کو بُراقِ نبویؐ یاد آیا
سب معترف تھے کہ مرکب ہو تو بس ایسا ہو
راکبِ دوشِ محمدؐ کا فرس ایسا ہو

(۱۲)

شاہِ گردان کے دامن کو جو اسوار ہوئے
بختِ خوابیدہ رکابوں کے بھی بیدار ہوئے
چڑھ کے گھوڑوں پہ بہم یاور و انصار ہوئے
بڑھ کے اقبال و حشم حاشیہ بردار ہوئے
رعبِ شاہی سے ہر اک شیر کو تپ چڑھنے لگی
منزلت عرش کے پائے سے بھی کچھ بڑھنے لگی

(۱۳)

روئے تاباں تھا کہ شمعِ حرمِ لم یزلی
مہر اترا ہے فلک سے یہ ہوا سب پہ جلی
حبّذا نور خوشا حُسنِ حسینؑ ابن علیؑ
صبح کا وقت تھا غیرت سے مگر دھوپ ڈھلی
بس کہ ذرّوں کی چمک دیکھ کے شرمانے لگا
جھلملاتا ہوا خورشید نظر آنے لگا

(۱۴)

یک بیک فوجِ خدا میں جو کھلا سبز علَم
تن کے جھوما کہ فردوس اوج میں طوبیٰ سے ہیں ہم
کہتا تھا مہر سے پنجہ یہ لپک کر ہردم
بس اسی نور پہ گھیرے ہوئے تھا سب عالم
قابلِ دید ہے رفعت مری توقیر مری
اس طرف مڑ کے ذرا دیکھ تو تنویر مری

(۱۵)

اس تجمل سے بڑھے جب شہِؑ دیں رن کی طرف
بہرِ تسلیم جھکا چرخِ بریں رن کی طرف
رونق افزا ہوئے سب ماہ جبیں رن کی طرف
بن گئے مطلعِ انوار زمیں رن کی طرف
ضو رخِ شمس کی بے نور نظر آنے لگی
ایک میلی سی ردا دھوپ نظر آنے لگی

(۱۶)

برق بن بن کے گرا لشکرِ مقہور پہ نور
یوں بڑھا تھا کہ چڑھا تھا نظرِ حور پہ نور
جا کے دیکھ آئے تھے موسیٰؑ بھی نہ یوں طور پہ نور
چھوٹ پر چھوٹ تھی اور جلوہ نما نور پہ نور
غش میں لاتے تھے رخوں سے وہ مصلّیٰ شب کو
نظر آتی ہے تجلی پہ تجلی سب کو

(۱۷)

اس طرف دشت میں صف بستہ تھی فوجِ قہّار
انتہا جس کی نظر آئے نہ ممکن ہو شمار
وردیاں پہنے وہ پیدل وہ زرہ پوش سوار
سرکش و جاہل و مغرور مہیب و خونخوار
قد و قامت میں نہ تھے دیو بھی ہمسر ان کے
جسم فولاد تھے اور قلب تھے پتھر ان کے

(۱۸)

جس رسالے کے جہاں لوگ تھے افسر تھا وہیں
حُر تھا پر اپنے رسالے سے الگ چیں بہ جبیں
غم نہ تھا کچھ کہ سنے گا پسرِ سعدِ لعیں
بھائی بیٹے مع خادم تھے بہادر کے قریں
پیس کر دانتوں کو غم قلب پہ سہہ جاتا تھا
چاب کر ہونٹوں کو ہر مرتبہ رہ جاتا تھا

(۲۲۶)

غیروں کو آئے پیار گئے گھر سے اس طرح
ماتم پڑا ہے آئے ہو باہر سے اس طرح
دشمن بھی روئیں ٹکڑے ہوں خنجر سے اس طرح
پیارو کبھی نہ روٹھے تھے مادر سے اس طرح
اظہار درد و غم کے خوشی کے ساتھ ہیں
زخموں میں ہے جو ٹیس تو سینہ پہ ہاتھ ہیں

(۲۲۷)

جرأت سے سرخرو ہوئے کنبے میں میرے لال
در آئے ہر پرے میں اسی سے ہوا یہ حال
رخ پر لہو سے جم گئے ہیں گیسوؤں کے بال
گلنار ہیں عمامے تو کپڑے لہو سے لال
جھیلیں مصیبتیں جو بڑی آن بان سے
دولہا بنے جہاد کے آئے ہیں شان سے

(۲۲۸)

حسرت میری نکل گئی حاصل ہوا فراغ
پرسہ نہ دے کوئی کہ میرا دل ہے باغ باغ
خوش ہو کے سب کہیں کہ مبارک یہ دل کے داغ
روشن کریں گے بن میرے گھر کے بجھے چراغ
اسلام پر فدا ہوئے دنیائے زیشت میں
کوثر پہ ان کی روشنی ہوگی بہشت میں

(۲۲۹)

دیں دار ایسے سرو قد دیں پر ہوئے نثار
زخموں پہ صدقے خاک کے پھولوں کی ہے بہار
چہرے دمکتے جاتے ہیں ہے نور آشکار
رحمت کو ٹوٹ ٹوٹ کے کیا آرہا ہے پیار
قربانیاں قبول ہوئیں کیوں نہ عید ہو
کہتی ہے شان راہِ خدا کے شہید ہو

(۲۳۰)

آنکھوں کی گھر کی قبر کی تھے روشنی تمہیں
عمروں کے ساتھ ساتھ مری حسرتیں بڑھیں
سہرے تمہارے دیکھوں تمنائیں دل میں تھیں
بدلا خیال مٹتے جو دیکھا نبیؐ کا دیں
اسلام پر نثار ہو یوں ساتھ لائی تھی
یہ بیاہ کربلا میں رچانے میں آئی تھی

(۲۳۱)

ہے نیمچا یہ جاہ و حشم کی یہاں ہے آن
نادار بے دیار ہو دولہا کی ہے یہ شان
سہرا سواری اور نہ خلعت ہے مری جان
جنگل کی پہلی رات ہے اللہ کی امان
دل ماں کا اور چوتھیا اسی سے ہراس ہے
عریاں تن ہے خوں سے رنگین لباس ہے

رباعی

وہ عدل ہے مدّاح عدالت ان کی
ہر گوشۂ دل پر ہے حکومت ان کی
ہے بزمِ غمِ شاہؑ کی زینت ان سے
کوثر ان کا ہے اور جنّت ان کی

رباعی

پردہ تجھے سو رنگ سے دکھلاتے ہیں
جلوے ہیں حقیقت کے جدھر جاتے ہیں
موسیٰؑ نہیں کیوں طور پہ دیکھیں جا کے
اپنے سے جدا کہیں تجھے پاتے ہیں

رباعی

غریقِ بحرِ اشکِ غم ہوا پہونچا لبِ کوثر
خدا کی شان دیکھو میں کہاں ڈوبا کہاں نکلا
ولائے شہؑ نے بدلا راستہ سیدھی ہوئی قسمت
جہنّم میں گیا تھا حُرؑ سوئے باغِ جناں نکلا

سلام

درِ احمدؐ پہ جا پہنچے رسائی ہو تو ایسی ہو
فقیری میں کرے شاہی گدائی ہو تو ایسی ہو
لٹا کے گھر پئے تجزِ دعا کی شہؑ نے بخشش کی
زباں کا پاس یہ وعدہ وفائی ہو تو ایسی ہو
درِ خیبر اکھاڑا پل بنایا فوج بھی گزری
یہ پنجہ ہو یداللٰہی کلائی ہو تو ایسی ہو
رہائی دی گناہگاروں کو ہو کر قید عابدؑ نے
یہ صبر و جبر ہو مشکل کشائی ہو تو ایسی ہو
دکھا کے حالِ اصغرؑ آب شاہِ بحر و بر مانگیں
لگائیں تیر اعدا بے حیائی ہو تو ایسی ہو
دیا سائل کو حیدرؑ نے پیاپے خود کئے فاقے
یہ رحم ایثار یہ حاجت روائی ہو تو ایسی ہو
دل اپنا ہے غنی حرص و ہوس ہوگی تجھے منعم
کیا کرتے ہیں ہم شاہی گدائی ہو تو ایسی ہو
بچے دوزخ سے حُرؑ پہنچے جناں میں شاہؑ سے پہلے
مقدّر ایسا قسمت کی رسائی ہو تو ایسی ہو
پھرے ناموسِ احمدؐ سر برہنہ عام بلوے میں
رہا اُمّت کا پردہ بے ردائی ہو تو ایسی ہو

مرثیہ

بخدا فرض شناسی ہے بشر کا جوہر

درحالِ حضرت امام حسینؑ

سنہ تصنیف

1947

بخدا فرض شناسی ہے بشر کا جوہر

بخدا فرض شناسی ہے بشر کا جوہر
جس طرح نکتہ رسی اہلِ نظر کا جوہر
گُہر افشانیاں ہیں دیدۂ تر کا جوہر
با عمل صرف سے کھلتا ہے بشر کا جوہر
جب نہ سمجھے کوئی کیا فائدہ گفتار سے ہے
لن ترانی کا مزا طالبِ دیدار سے ہے

(۲)

فرض اُس کام کو کہتے ہیں کہ ہو جس کا عمل
علم ہے فرض شناسی جو ہے محتاجِ عمل
روح کی طرح نہ ہوگا نہ ہوا اس کا بدل
کہ عمل ہی تو ہے رہا کشمکشِ رنج کا حل
ہے عبث فرض شناسی نہ عمل ہونے سے
پھل جو پاتا ہے بشر کوئی تو کچھ بونے سے

(۳)

حق تو یہ فرض شناسی کا ہے دم سازِ عمل
اپنی قدرت سے دو عالم میں ہے ممتازِ عمل
سبب کشفِ عمل باعثِ اعجازِ عمل
ارتقائے بشری کا بھی رہا رازِ عمل
فرق رُتبے کا ہوا قوتِ بیش و کم سے
اشرف الخلق ہے انسان اسی کے دم سے

(۴)

فضلِ باری ہے یہی رحمتِ داور ہے یہی
ہر گھڑی جس کی ضرورت ہے وہ رہبر ہے یہی
کبھی بگڑا ہی نہیں جس کا مقدر ہے یہی
جس کی قسمت کی قسم کھائے سکندر ہے یہی
جلوہ بس دیکھ سکے گا وہی جو بینا ہے
جس میں کونین نظر آئے وہ آئینہ ہے

(۵)

مقتضئے حال کا بدلے تو بدلتا ہے عمل
آج جو کیجئے ممکن نہیں کر سکیے وہ کل
رائیگاں وقت کی پھر ہوگی تلافی نہ بدل
جس کی باریک نظر ہے وہی سمجھے گا محل
خطرہ ہر ایک قدم راستہ یہ عام نہیں
عقل درکار جہالت کا یہاں کام نہیں

(۶)

ہر محل پر نہیں یکساں ہیں سخاوت کے طریق
رنگِ میداں سے بدلتے ہیں شجاعت کے طریق
رہے پابند مصالح کے شریعت کے طریق
وقت کے ساتھ بدلتے ہیں عبادت کے طریق
سمجھیں آداب رہِ عشق کے چلنے والے
حج کو عمرہ سے بدلتے ہیں بدلنے والے

(۷)

حق سے باطل کو جدا کرنے کا معیار عمل
گزر آساں نہیں وہ منزلِ دشوار عمل
فتح پابند ہے جسکی وہ علمدار عمل
نقطہ دیں دایرے دُنیا ہے تو پرکار عمل
ہوئی ہے اس کی مدد عہدہ برائی کس کی
حق تو یہ ہے کہ خدا اس کا خدائی اس کی

(۸)

دور دورہ جو ازل میں تھا وہ ہے آج اس کا
تا ابد تخت رہا اس کا رہا تاج اس کا
دونوں عالم کا شہنشاہ ہے محتاج اس کا
کلمہ پڑھتی رہی عرش پہ معراج اس کا
صاف روشن تھی حقیقت یہ کوئی راز نہ تھی
چھٹ گیا پیچھے ملک قوتِ پرواز نہ تھی

(۹)

کس کے بل بوتے پہ اُڑتا ہوا جاتا تھا براق
نور کس کا تھا کہ سایہ بھی نہ پاتا تھا براق
ناز و انداز سے وہ چال دکھاتا تھا براق
ظرفِ قدرتِ خالق میں سماتا تھا براق
عزمِ معراج کی یا برق کی یہ طاقت تھی
کارکن فرض شناسی عملی قوت تھی

(۱۰)

جو بنا دیتا ہے انساں کو انساں ہے عمل
دو جہاں زیرِ نگیں ہیں وہ سلیماں ہے عمل
جانِ اسلام کی روح تنِ ایماں ہے عمل
رمزِ تنزیلِ عمل مقصدِ قرآں عمل
اپنا نفس اپنا نہ سمجھا جو نکو کاروں نے
مول لی مرضیِ اللہ خریداروں نے

(۱۱)

ذکر اُن شاہوں کا یہ ہے جو رہے خاک نشیں
جب زمیں چوے قدم اور بنے عرش بریں
تاج یا تخت بڑھا سکتا حشم ان کا کہیں
جن کو جز خیر کوئی واسطہ دنیا سے نہیں
ارتقائے بشری آئینہ ہونے کے لئے
تھے نہالِ عملِ خیر ہی بونے کے لئے

(۱۲)

تو بہ منبر پہ ہو دنیا کے کسی شاہ کا ذکر
پھیرے پھیرے رہے جس میں ہے اُسی راہ کا ذکر
کیوں نہ دل کھینچے ہے عشاقِ حق آگاہی کا ذکر
ذکر وہ کیجئے جسے شوق سے اللہ کا ذکر
دیں صدا غیر کے در پر یہ یہاں طور نہیں
ہیں گدائے درِ شبیرؑ کوئی اور نہیں

(۱۳)

ہم فقیر اور کجا دولت و ثروت کا بیاں
بے محل بھی ہے یہاں جاہ و جلالت کا بیاں
ہے یہ مجلس تو ہو بے کس کی مصیبت کا بیاں
کہ نہ ہو ترکِ ادب شوکت و حشمت کا بیاں
فقر پر فخر جنہیں مطلب انہیں آقا سے
کچھ غرض اُن کے غلاموں کو نہیں دُنیا سے

(۱۴)

فرض ادا کرنے کی کوشش سحر و شام رہے
ہوں دوا درد جو وقتِ غم و آلام رہے
ہو وہ ثابت قدمی کام ہی اب کام رہے
پھر نہ لغزش ہو اگر سامنے انجام رہے
مطمئن نفس نتیجہ پہ سدا غور رہے
شاہِ کونین جو تھے اُن کے یہی طور رہے

(۱۵)

جو رہی عقل کی پابند شجاعت یہ تھی
مانگنے دَر پہ ملک آئے سخاوت یہ تھی
آیا رحمت کو ترس جس پہ عبادت یہ تھی
ہو گئی شاملِ قرآں جو فصاحت یہ تھی
باتیں ان کی ہوئیں سب ربِّ علا کی باتیں
ان کی توصیف کو کہتے ہیں خدا کی باتیں

(۱۶)

جب کھنچیں قاطعِ کفار ہوئیں تلواریں
خونِ ناحق سے نہ رنگین کبھی کیں دھاریں
اُبلے کوثر جو زمیں پر کہیں ٹھوکر ماریں
پھٹ پڑے کوہ مصیبت تو نہ ہمت ہاریں
شعلے بھڑکے ہوں کلیجہ میں تو یہ اُف نہ کریں
پیاسے دم توڑیں لبِ نہر مگر تف نہ کریں

(۱۷)

ازلی وعدے نہ اک آن فراموش رہے
حق کی آواز پہ ہر دم ہمہ تن گوش رہے
کر کے امداد یہ شرمائے کہ روپوش رہے
کل کا دن آج ہی سمجھا کئے یہ ہوش رہے
فاقہ پر فاقے تھے ایثار کو یوں مانتے تھے
دستِ سائل کو یہ سب دستِ خدا جانتے تھے

(۱۸)

کوئی پہنے تھا جو انگشتری بیش بہا
سائل آیا تو ہوئی وقتِ رکوع اُس کو عطا
تھے عبادت میں عبادت کے یہ انداز جُدا
ہم نہ سمجھیں تو یہ کوتاہ نظری کی ہے خطا
یہ اسی در اسی کوچہ کا اسی راہ کا تھا
تھی سخا فرض کہ بھیجا ہوا اللہ کا تھا

(۱۹)

ابرِ رحمت کے برسنے کی نرالی وہ بہار
سائل اک روٹی کا دے دے آسے اونٹوں کی قطار
جوش زن دیکھا جونہی بحرِ سخا کا زخّار
ڈر گئے سکتہ میں قنبرؔ ہیں کھڑے چھوڑے مہار
دھیان یہ ہے نہ کہیں نذرِ عطا ہو جاؤں
قدمِ پاک سے میں بھی نہ جدا ہو جاؤں

(۲۰)

اللہ اللہ سخا یہ کہ نہیں جس کی مثال
طرہ یہ کیا دیا کس کو نہیں دل میں بھی خیال
روشنی گل کریں اس وقت کفایت کا یہ حال
آپ بیٹھے رہے تاریک رہا بیت المال
جھلملایا نہیں دم بھر بھی شریعت کا چراغ
کہ بجھاتے ہی سے جل اُٹھا ہدایت کا چراغ

(۲۱)

عیب یوں مٹتا ہے یوں حسن بڑھا دیتا ہے داغ
اس طرح جام کو بھر دیتا ہے خالی ہے ایاغ
پھول جو چاہے چنے عام ہدایت کا ہے باغ
جگمگا اُٹھے ہیں کونین بجھانے سے چراغ
سمجھے وہ زورِ عمل دیکھے جو باریکی سے
روشنی قبر میں یوں ہوتی ہے تاریکی سے

(۴۲)

یہ وہ بندے ہیں کہ جن سے نہیں امکانِ گناہ
ہر گھڑی رہتا ہے دربارِ خدا پیشِ نگاہ
بندگی شیوہ رجوع ایسا کہ سبحان اللہ
محوِ طاعت تھے کفِ پا کا ہوا تیر گواہ
حسبِ فرمانِ نبیؐ خوب یہ عنواں نکلا
سجدہ کرنے ہی میں کھنچا تو وہ پیکاں نکلا

(۴۳)

وہ بہادر وہ جری جو کہ ہو قتالِ عرب
غصہ جس شیر کا اللہ کا ہو قہر و غضب
باندھیں گردن رسنِ ظلم سے جب دشمنِ رب
چپ رہے گھر میں ہو کہرام بصد رنج و تعب
جرأت و صبر سے مقصد کبھی نام کا تھا
کام اللہ کا تھا فائدہ اسلام کا تھا

(۴۴)

اُحد و بدر کے جس نے ہوں کئے معرکے سر
جس سے سربر نہ ہوئے جنگ میں مرحب عنتر
اُترے سینہ سے عدو کے نہ چلی تیغ دوسر
یہ وہ قوتِ عملی تھی کہ بڑی پائی ظفر
بے محل تھا تو نہ اُس عربدہ جو کو مارا
نفس کو مار کے گستاخ عدو کو مارا

(۴۵)

یہ سخاوت یہ عبادت یہ شجاعت دیکھی
ان میں سے ایک میں بھی نفس کی شرکت دیکھی
ہو عبادت میں عبادت یہ سخاوت دیکھی
یہ تو سب ایک طرف صبر کی طاقت دیکھی
دامنِ پاک میں مقصد کے بھرے گوہر تھے
عمل و فرض شناسی ہی کے یہ جوہر تھے

(۴۶)

جس کو ہو فرض شناسی نہ عمل سے سروکار
عیش و آرام ہی کو زیست کا سمجھے معیار
دین پس پشت ہو دنیا طلبی عین شعار
ایسے بندہ کا ہو انسانوں میں کس طرح شمار
کہنے کو ہو تو مسلماں مگر اس شان سے ہو
مطلب اللہ و نبیؐ سے ہو نہ قرآن سے ہو

(۴۷)

پھر گیا یاں سے نگاہوں میں وہ پرہول سماں
روئیں تھرا گئے اب اُٹھنے لگا دل سے دھواں
آگیا سامنے بے آب و گیاہ وہ میداں
جس میں ہیں بے کس و مظلوم کچھ اہلِ ایماں
جمع نافرض شناس اتنے بھرا صحرا ہے
اک طرف دین ہے اور ایک طرف دنیا ہے

(۲۸)

نہ تو ہے فرض شناسی نہ عمل کی عادت
ہیں یہ وہ داغ کہ دوران سے رہا کی رحمت
دغدار ان سے ہوا دامنِ انسانیت
ڈھائیں یہ کعبہ کو زر ملنے سے ایسی طینت
خونِ ناحق میں ہیں تلواروں کو بھرنے والے
صدقے دنیا پہ ہیں عقبےٰ کو یہ کرنے والے

(۲۹)

پیاسی چھوٹی سی جماعت کو نہیں خوف و ہراس
ہیں یہ سب ایسے جری اہلِ وفا فرض شناس
ان کا ہے سید و سردار وہی عرش اساس
آیا سر دینے کو تھا وعدۂ طفلی کا یہ پاس
ہو کے مہمان مسلمانوں کا پیاسا ہے وہ
جنھیں کہتے ہیں نبیؐ اُن کا نواسا ہے وہ

(۳۰)

ہیں بلائے ہوئے خط سیکڑوں پتے ہیں گواہ
لکھا آپ آئیں ہدایت ہو کہ عقبےٰ ہے تباہ
خیر مقدم یہ کیا دی نہ کوئی دوسری راہ
لائے اُس دشت میں جو دشت تھا بے آب و گیاہ
دق کیا اور تھکے ماندے مسلمانوں کو
لبِ دریا نہ اُترنے دیا مہمانوں کو

(۳۱)

ایسی دنیا میں نہ دیکھی نہ سُنی مہمانی
گھاٹ روکے ہوئے ہر سمت ستم کے بانی
جاں بہ لب طفل ہیں یہ پیاس کی ہے طغیانی
تیسرا دن ہے کہ پایا نہیں دانا پانی
پھر بھی یہ کد کہ زمیں خوں سے سب کے تر ہو
پیاسے شبیرؑ کا سر جلد تہِ خنجر ہو

(۳۲)

جب سے آئے ہیں یہاں چین نہ پایا دم بھر
صبح سے آج کے آثار یہ دیتے ہیں خبر
بیبیاں قید ہوں مُردوں کے ہوں سر نیزوں پر
لاشیں پامال ہوں اور لوٹ لیں گھر پھونک دیں گھر
لاکھوں تیغیں ہیں کھنچی خیر نہیں جانوں کی
رُخصتی آج ہے اس شان سے مہمانوں کی

(۳۳)

فرض ادا کر چکے ہر طرح ہدایت کا حسینؑ
پاس کرتے رہے ہر لمحہ شریعت کا حسینؑ
خاتمہ کر چکے ہر طور سے حجت کا حسینؑ
حق کریں گے اب ادا جد کی امانت کا حسینؑ
سامنے اپنا چمن پھولا پھلا کٹوا کے
روحِ اسلام میں پھونکیں گے گلا کٹوا کے

(۳۴)

شور برپا ہے کہ ہیں رن میں صف آرا اشرار
کمریں باندھے ہیں پیاسے یاں مجاہد تیار
سُن کے گستاخیاں غصے میں بھرے ہیں جرار
صُلح شیوہ سبقت کرنا نہیں جن کا شعار
شاہِ دیں سے جو نہیں اذنِ وغا پاتے ہیں
ہاتھ قبضہ پہ رکھے کانپ کے رہ جاتے ہیں

(۳۵)

ناگہاں طبل بجا گونج گئی ساری فضا
دھوپ سایہ میں چھپی ابر اُٹھا تیروں کا
باگیں گھوڑوں کی وہ اُٹھیں وہ چلی تیز ہوا
چمکی تلوار جو ہر سمت تو کوندا لپکا
ساقیا ڈھالوں کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے
خوں برسنے کو ہے پینے کی بہار آئی ہے

(۳۶)

روحِ ہستی کی یہی مے ہے مسلمانوں میں
جس کا اقرار ازلی وعدوں میں پیمانوں میں
دور اسی بادہ کے چلتے رہے میدانوں میں
میکدہ یہ بھی ہے ساقی تیرے میخانوں میں
جلوہ گر ہو تیری الفت سے یہ کچھ دور نہیں
دشت ہے کرب و بلا کا جبلِ طور نہیں

(۳۷)

وقت کاٹے نہ کٹا جب کسی متانے کا
کیفِ ہستی ہوا چھڑنا ترے افسانے کا
ہے کہیں ذکر اُحد بدر کے میخانے کا
اور کہیں خیبر و صفین کے پیمانے کا
وہ سماں بندھ گیا ہے کوئی کب ہوش میں ہے
بے پیئے آنکھیں گلابی ہیں ہر اک جوش میں ہے

(۳۸)

آ کے پہچان ہیں تیرے ہی قرینے والے
کون کون آئے ہیں میخوار مدینے والے
مے کشی ہی سے ابد تک ہیں یہ جینے والے
رہے بے آب و غذا ایسے ہیں پینے والے
روئیں لرزاں ہیں نہیں پینے کا یارا مجھکو
ان کے صدقے میں ہے تلچھٹ کا سہارا مجھکو

(۳۹)

شانِ حق دیکھتا ہوں جو کوئی صف دیکھتا ہوں
کیسے نور آنکھوں کا وہ دُرِّ نجف دیکھتا ہوں
بزم یہ دیکھ کے جب اپنی طرف دیکھتا ہوں
گنجِ الماس میں بس ایک خزف دیکھتا ہوں
پایہ اس در کی فقیری ہی سے یہ پایا ہے
جذبہ مدحت کا یہاں کھینچ کے لے آیا ہے

رباعی

کیا جانے کوئی شیرِ خداؑ کیسے تھے
ہاں جانتا ہے ربِّ عُلا کیسے تھے
روشن سب پر ہے قابَ قوسین کا رمز
نزدیکِ خدا پہونچے رسا ایسے تھے

رباعی

ابرِ غمِ شبیرؑ ہے چھایا دل پر
کشتی ہے نجات کی لگی ساحل پر
اشک آتے ہی جھپکی پلک اٹھا لنگر
آنسو جو گرے پہونچ گئے منزل پر

رباعی

جیسے تھے نبیؐ وصی بھی ویسا پایا
پوچھو احمدؐ سے مرتضیٰؑ کو جیسا پایا
ہوتے نہ اگر یہ تو نہ تھا کفو بتولؑ
بیٹی دے دی علیؑ کو ایسا پایا

سلام

لگایا پار بیڑا شہؑ نے پابندِ رضا ہو کر
جہان صبر پر کی ہے خدائی ناخدا ہو کر
مئے حُبِّ علیؑ پیتے ہوئے نکلیں گے محشر میں
نہ چھوٹا ہے یہ بادہ اور نہ چھوٹے گا فنا ہو کر
امامؑ عصر تھے وقتِ نماز آیا جو زنداں میں
گری عابدؑ کی بیڑی ہتکڑی تن سے جدا ہو کر
خدا کیوں کر نہ بخشے اُمتِ عاصی کو نانا کی
نواسہ جب گلا کٹوائے مصروفِ دعا ہو کر
معاذ اللہ اصغرؑ کا گلا اور تیر سہ شعبہ
نشانہ پر لئے ہو باپ پابندِ رضا ہو کر
تبر سے زخمِ اکبرؑ کے رعشہ تن میں پڑتا ہے
سناں کھنچتی نہیں شبیرؑ سے مشکل کشا ہو کر
انا الحق کہنے والو یوں فنا فی اللہ ہوتے ہیں
اٹھا سجدہ سے سر شبیرؑ کا تن سے جدا ہو کر
علیؑ کا مرتبہ مہرِ نبوتؐ کیا بڑھائے گی
جب احمدؐ دوش پر ہیں آپ محبوبِ خدا ہو کر
قریبؔ آساں نہیں مدح و ثنائے آلِ پیغمبرؐ
خضرؑ آئیں تو ان راہوں میں بھٹکیں رہنما ہو کر

مرثیہ

پھر آج عزمِ بارگہِ مدحِ شاہؑ ہے

درحالِ حضرت امامِ حسینؑ

سنہ تصانیف

1925

پھر آج عزمِ بارگہِ مدحِ شاہؑ ہے

پھر آج عزمِ بارگہِ مدحِ شاہؑ ہے
ہر گام اک پہاڑ ہے وہ سخت راہ ہے
لرزاں ہوں بے بضاعتی اپنی گواہ ہے
آساں نہیں کہ وصفِ شہِ دیں پناہ ہے
دنیا کا کام یہ نہیں عقبیٰ کا کام ہے
دل میں ہو کچھ زباں پہ ہو کچھ یاں حرام ہے

(۲)

نیت رہے خلوص کی یہ ہے پیامِ مدح
ہو حق پسند رنگِ حقیقت ہے جامِ مدح
بے کس کا حق ادا تو ہو کچھ ہو یہ کامِ مدح
سمجھے کلامِ پاک ہے ایسا کلامِ مدح
اپنے کو ذرّہ جان کے اِس نیک راہ میں
کُل مادحیں کی عظمت ہو اپنی نگاہ میں

(۳)

آثار کہہ رہے ہیں کہ یہ ہے رہِ جناں
ہے نت نئی بہار تو ہے نت نیا سماں
کہتی ہے گُل فشانیاں گزرے ہیں کارواں
آئینہ دار طرزِ روش ہے ہر اک نشاں
مست مئے ولا ہوں تو میں جھومتا چلوں
ہر مدح گو کے نقشِ قدم چومتا چلوں

(۴)

حیران شکلِ آئینہ ہر سمت ہے نگاہ
اپنی نظر میں ہے کہیں خندق کہیں ہے چاہ
بے مائیگی سے ڈر ہے نہ ہو جائے سنگِ راہ
سکتہ سا ہے زباں پہ ہے یا شاہِ دیں پناہ
لرزاں قدم ہیں جوشِ ولا سے بھے ہوئے
رستے کے خوف سے ہیں مسافر تھمے ہوئے

(۵)

آسان سمجھے کوئی ہے مشکل مرے لئے
ہر گام پر ہے اک نئی منزل مرے لئے
طوفاں اٹھا رہا عجب دل مرے لئے
دریائے بے کنار ہے ساحل مرے لئے
چکّر سا ہے دماغ کو افلاک کی طرح
گرداب میں ہوں میں خس و خاشاک کی طرح

(۶)

نا قدریٔ زمانہ ہے اک ہولناک خواب
ہے اپنی جانفشانیوں کا بے رخی جواب
پروا نہیں ہوں ایسے اگر لاکھ انقلاب
اہلِ ولا سے چھٹ نہیں سکتی رہِ ثواب
اک دن وہ دورِ مرثیہ تھا جو کبھی نہ تھا
دربار میں امامؑ کے ہم تھے کوئی نہ تھا

(۱۹)

ترچھی چتون کبھی کی فوج بد اختر کی طرف
دل کبھی محو ہوا خالقِ اکبر کی طرف
مڑ کے دیکھا کبھی فرزند و برادر کی طرف
کی نظر تن کے کبھی شاہؑ کے لشکر کی طرف
قبضۂ تیغ شرر بار کبھی چومتا تھا
یا حسینؑ ابن علیؑ کہہ کے کبھی جھومتا تھا

(۲۰)

شب کو بے آب و غذا تھا جو بصد رنج و ملال
سنسنے جسم میں تھی جی ہوا جاتا تھا نڈھال
التہابِ دلِ بیتاب سے تسکیں تھی محال
بات ثابت نہ نکلتی تھی عطش سے تھا یہ حال
رخ پہ زردی تو کبودی تھی عیاں ہونٹوں پر
پھیرتا رہتا تھا ہر بار زباں ہونٹوں پر

(۲۱)

ساغرِ آب خنک دوڑ کے لایا جو غلام
عرض کی بیٹے نے پیجئے کہ ہے منہ خشک تمام
حُر نے سر پیٹ لیا اور کیا رو کر یہ کلام
ہائے میں پانی پیوں اور لب تشنہ ہو امامؑ
تین دن سے ہے عجب حال میں آقا میرا
غم سے پانی ہوا جاتا ہے کلیجہ میرا

(۲۲)

مجھ پہ بے آب و غذا گزرے ابھی چار پہر
اس پہ وہ پیاس کی شدّت ہے کہ پھنکتا ہے جگر
تین دن شاہؑ نے کس طرح کئے ہونگے بسر
ہے غضب یہ تعب اور دلبر میرِ کوثر
حق کا جو فیض ہے جاری اُسے روکا ہے ہے
خشک ہوتے نہیں کیوں خلق کے دریا ہے ہے

(۲۳)

ضبط دشوار ہے اب چڑھ گیا پانی سَر سے
ایک قطرہ کے لئے آلِ محمدؐ ترسے
کیا تعجب ہے جو یاں آگ فلک سے برسے
جلد اللہ نکالے مجھے اس لشکر سے
شاق ہے دل پہ توقف جو کوئی دم ہے مجھے
خلد کا شوق ہے ساتھ اور اُن کا غم ہے مجھے

(۲۴)

شب کو سادات کے خیمے میں رہا حشر بپا
العطش کا تھا کبھی شور کبھی شور و بکا
کیا اثر دار تھی بچوں کے بلکنے کی صدا
دم بدم چوٹ سی لگ جاتی تھی دل پر بخدا
غم میں ایک ایک گھڑی ہاتھوں کو ملتے گزری
مجھ کو تشویش میں یہ رات ٹہلتے گزری

(۲۵)

اک سناں قلب پہ چل جاتی ہے اٹھتی ہے وہ ہوک
دم بدم خونِ جگر پیتا ہو پیاس اب ہے نہ بھوک
کوئی مانع نہ ہو گر نہر سے پی لیں سگ و خوک
جو کہ مہماں ہے نبیؐ زادہ ہے اس سے یہ سلوک
کافر و فاسق و فاجر کوئی محروم نہیں
قابل آب رواں اک وہی مظلوم نہیں

(۲۶)

کیا میں بھولوں گا جو احساں مرے محسن نے کئے
جام خود پانی کے کس پیاس میں بھر بھر کے دئے
جاں بلب سب تھے مگر ان کے تصدق میں جئے
تم کو مانا نہیں میں جس کو گوارا ہو پئے
فکر سیراب میرے ہونے کی نادانی ہے
خونِ خالص کے برابر مجھے یہ پانی ہے

(۲۷)

بولا فرزند کہ پانی سے ہمیں اب کیا کام
کہا بھائی نے کہ ہے مثل مئے ناب حرام
عرش کی عبد نے برچھی سے نہیں کم یہ کلام
ساغر زہر ہلاہل ہو تو پی لے یہ غلام
دل کے ٹکڑے ہو، لہو ہو کے جگر بہہ جائے
آبرو دی ہوئی آقا کی مگر رہ جائے

(۲۸)

مطمئن ہو گیا یہ سن کے نجُبِ باتوقیر
ہنس کے بولا کہ بس اب میں نہیں مطلق دلگیر
نیک توفیق خدا اس سے بھی دے ربِّ قدیر
لِلّٰہ الحمد کہ تم سب ہو غلامِ شبّیر
مرحبا عاقل و دیندار بھی کرتے ہیں
جو ہیں کوثر کے طلب گار یہی کرتے ہیں

(۲۹)

اب یہ بتلاؤ کہ کیا نذر اُدھر لے کے چلیں
عرش کی بیٹے نے موجود ہے زر لے کے چلیں
بھائی بولا کہ ہے خوب آپ اگر لے کے چلیں
عبد بولا پسر سعد کا سر لے کے چلیں
پھر یہ فتنہ ہی فرو ہے جو وہ بد ذات نہیں
اس سے بہتر کوئی شۓ کے لئے سوغات نہیں

(۳۰)

اب سنو فوج ظفر فوج حسینی کا حشم
جس کے آگے تھا بصد اوج محمدؐ کا علم
وہ جوانانِ اولوالعزم وہ شیرانِ عجم
جن کی شوکت کی قسم کھاتا ہے عرشِ اعظم
صورتیں چاند سی ہر جسم میں گھر کرتی ہیں
حوریں جنّت کے دریچوں سے نظر کرتی ہیں

(۳۱)

صف جما کر جو کھڑے ہو گئے سب غنچہ دہن
کھل گیا دشتِ پُر آشوب میں اک تازہ چمن
گیسوں کی وہ مہک رشک کرے مشکِ ختن
سونگھ کر جس کو ہوئے جاتے ہیں بے خود دشمن
گو ثنا لب پہ حسد سے نہ کوئی لاتا تھا
خود بخود صلِ علیٰ منہ سے نکل جاتا تھا

(۳۲)

نازنینوں کا وہ غنچہ کہ فدا ہو گلزار
گلبدن غیرتِ سبزانِ ارم گل رخسار
جسم گورے وہ سمن بو تو عرق عطرِ بہار
مست پھرتی ہے صبا ہو کے معطر ہر بار
یاں سے ان پھولوں کی لپٹیں جو ادھر جاتی ہیں
بلبلیں چھوڑ کے گلشن کو نکل آتی ہیں

(۳۳)

بڑھ کے میداں میں اُدھر شمر پکارا اک بار
اب لڑائی میں نہیں دیر جوانو ہوشیار
مستعد سامنے ہے فوجِ امامِ ابرار
وہ بہادر ہیں تو مشہور ہو تم بھی جرار
حاکمِ شام رضا مند ہو وہ کام کرو
دن ہے یہ نام کا ہاں نام ورو نام کرو

(۳۴)

سن کے یہ ٹھاٹھ بدلنے لگے لشکر کے بھگیت
تن گئے سامنے برچھوں کو ہلا کر بدہیت
ہنہنائے فرسِ ابلق و مشکی و کمیت
جوڑ کے تیر صفیں بڑھ گئیں بولے کڑکیت
ابر ڈھالوں کا اٹھا گرز گراں تلنے لگے
پھلواں ڈٹ گئے رایات سیہ کھلنے لگے

(۳۵)

نکلا خیمہ سے یکایک پسرِ سعدِ لعیں
خشم چہرے سے عیاں تند نظر چیں بہ جبیں
پاؤں نخوت سے نہ رکھتا تھا زمیں پر بے دیں
رفقاء گرد سر نحس پہ چتر زریں
زرد چہرہ حُرِ ذیجاہ و گرامی کا ہوا
غل پڑا فوج میں باجوں کی سلامی کا ہوا

(۳۶)

شمر بے دیں کی طرف دیکھ کے بولا مکار
بندھ چکیں رن میں صفیں ہو چکا لشکر تیار
عرض کی اس نے کہ دیر اب نہیں کچھ اے سردار
مستعد جنگ پہ استادہ ہے ایک ایک قطار
ہاں مگر حُر کا نیا طور نظر آتا ہے
عزم اس کا مجھے کچھ اور نظر آتا ہے

(۳۷)

طیش میں آ کے کہا اُس ستم آرا نے کہ ہاں
خیر بہتر ہے مرے ہاتھ سے جاتا ہے کہاں
جرم حاکم سے بغاوت کا نہیں ہے آساں
حکم دے کے کہ رکھیں اس کو حراست میں جواں
بے ادب اب نہ مرے سامنے آنے پائے
دو قدم بھی کہیں لشکر سے نہ جانے پائے

(۳۸)

شمر بولا کہ درشتی کا نہیں یہ ہنگام
مجھ کو اچھا نظر آتا نہیں اس کا انجام
لڑ کے مرجائے گا سُن لے گا اگر حُر یہ کلام
ابھی کُل فوج میں ہو جائے گا ہنگامۂ عام
اس کے ساتھ اور بھی آ کر نہ اجٹ جائیں کہیں
ہاتھ پاؤں اپنے ہی لشکر کے نہ کٹ جائیں کہیں

(۳۹)

دیر تک سوچ کے کہنے لگا مکّار و شریر
خیر سمجھیں گے لڑائی میں نہ ہو اب تاخیر
پھر کمانداروں سے چلّا کے یہ بولا بے پیر
پہلے چلتا ہے سوئے فوج حسینی مرا تیر
بعد میرے نہ رہے ایک بھی سرکش خالی
ہاں جگر گوشۂ زہراؑ پہ ہوں ترکش خالی

(۴۰)

کی نظر پشت پہ یہ کہہ کے بصد غیظ و عتاب
خادم خاص نے دی لیس کماں اسکو شتاب
جوڑ کر ناوک خونیں جو بڑھا خانہ خراب
تیر سا حُر بھی نکل آیا صفوں سے بے تاب
تھا یہ دھڑکا کہ نہ دُکھ لشکرِ شہؑ پر پہونچے
عبد و فرزند و برادر بھی برابر پہونچے

(۴۱)

چار شیروں کو جو روباہ نے بپھرا پایا
دفعتا ہوش اڑے سہم گیا گھبرایا
کچھ نہ بے دیں کا حشم دھیان میں حُر کے آیا
فرق سے تابہ قدم کے بہادر بغضب تھرّایا
کی نہ تسلیم ہی نہ رعب ہی جانا مطلق
سامنے کون کھڑا ہے نہ یہ جانا مطلق

(۴۲)

دی صدا حُر کے پسر نے کہ خموش او بد ذات
ہے تری بھی یہ لیاقت جو کرے سامنے بات
فکر کر اپنی کہ ہو ہاتھ سے شیروں کے نجات
دور ہو بس تجھے کیا دخل ہے در معقولات
کوئی نا فہم ترے مکر میں آتا ہوگا
اب جو بولے گا تو سر ٹھوکریں کھاتا ہوگا

(۴۳)

شیر کی ڈانٹ سے دبکا جو وہ مثلِ روباہ
پسرِ سعد نے کی حُر کی طرف تند نگاہ
بولا بس جان ہے پیاری تو سخن کر کوتاہ
ابھی غصہ سے مرے تو نہیں شاید آگاہ
بد زبانی کی سزا پائے گا کیا بکتا ہے
تو کوئی اپنے برابر کا مجھے سمجھا ہے

(۴۴)

آج کچھ آپ سے باہر تجھے پاتا ہوں میں
حد میں رہ اپنی بہت ٹالتا جاتا ہوں میں
ضبط ممکن نہیں اب طیش میں آتا ہوں میں
ٹو مجھے روک تو لے تیر لگاتا ہوں میں
بولا حُر عزم یہ اچھا نہیں پچھتائے گا
اب کماں تو نے اٹھائی تو خطا پائے گا

(۴۵)

تیر کا رُخ جو کیا سوئے امامؑ والا
حُر نے کڑکا کے فرس ہاتھ کماں پر ڈالا
تیغ لی بھائی نے بیٹے نے سنبھالا بھالا
بن گیا عبد سیاہ آگ کا پرکالا
گُرز دوزخ کے فرشتے کی طرح تان لیا
حُر کے بدلے ہوئے تیور کو ہر اک جان لیا

(۴۶)

کر کے دو ٹکڑے کماں حُر نے جو پھینکی اک بار
حُر کے نامرد نے دیکھا سوئے فوجِ غدّار
قول کے مثلِ شرر دم یہ پکارا اک بار
فوج گھیرے گی تو کیا ڈر مجھے او ناہنجار
لڑ کے لاکھوں سے غلامِ شہِ خوش خو ہی نہیں
جب تک آئیں وہ لعیں پہلے شقی تو ہی نہیں

(۴۷)

تل نہ تلواروں پہ کر فوجوں کے نیزوں پہ نہ بھول
سامنے سے مرے ہٹ جا نہیں ہو جائے گا طول
لغو ہے تو تری باتیں ہیں جہالت کی جھول
سخت گوئی سے ڈراتا ہے مجھے نامعقول
دشمنِ آلِ نبیؐ کے لئے جلاد ہوں میں
سنگدل موم نہ تو جانیو فولاد ہوں میں

(۴۸)

دی صدا حُر کے برادر نے دکھا کر شمشیر
کیوں جوانوں سے الجھنے کی سزا دوں بے پیر
اپنے ہاتھوں سے ہوا معرکہ میں بے توقیر
تل بڑا تھا تجھے سرکش نہ لگایا کوئی تیر
بزدلی آپ عیاں کی عقلا پر اپنی
غم نہیں مثلِ کماں اب بھی خطا پر اپنی

(۴۹)

نعرہ زن یوں ہوا تن کر حُرِ غازی کا پسر
پھر تو کہہ منھ سے یہ کیا بکتا تھا او باغی شر
ایسے نامرد سے ڈر جائیں بہادر کیوں کر
بادشاہوں سے بگڑ جاتے ہیں جیوٹ اکثر
دب کے رہتے نہیں ہیں فضلِ الٰہی سے کبھی
تجھ کو پالا نہ پڑا ہوگا سپاہی سے کبھی

(۵۰)

چاپ کر ہونٹوں کو خادم نے صدا دی کہ لعیں
کیا اجل آئی ہے جاتا ہے یہاں سے کہ نہیں
مجھ کو بھی اور کوئی سمجھا ہے او دشمنِ دیں
ٹھوکروں میں نہ کہیں ہو یہ کلاہِ زرّیں
کوئی افتاد نئی سر پہ نہ اس آن پڑے
گرز پڑ جائے تو صورت بھی نہ پہچان پڑے

(۵۱)

اپنے ساتھ اور بھی کو کرتا ہے بے دیں گمراہ
اہلِ دیں کو ترے سائے سے بچائے اللہ
کام آئے گی یہ دولت نہ یہ حشمت نہ سپاہ
ہے بہت تیرے لئے خادمِ حُرِ ذیجاہ
سر نہیں گر رہِ جرأت میں قدم مارے گا
خون پی لوں گا ستمگار جو دَم مارے گا

(۵۲)

کچھ کلام اُس نے کیا سخت جو غصہ میں اُدھر
تاب پھر کب تھی بڑھا گرز اٹھا کر سر پر
حُر کے فرزند نے روکا تو کہا ٹھہرا کر
بے سزا ٹھیک نہ ہوگا کبھی یہ بانیٔ شر
چھوڑ دیجئے مجھے میں اس سے سمجھ لیتا ہوں
ہڈیاں توڑ کے نامرد کی رکھ دیتا ہوں

(۵۳)

حُر نے ہو کر متبسّم یہ صدا دی یکبار
پھر سمجھ لیجیو اب طول ہے اس دم بیکار
آ چلیں جلد سوئے فوجِ امامِ ابرار
دور کر خود وہ مرا جاتا ہے بودے کو نہ مار
بے حیا کر کے یہ تفضیح گوارا نہ مرے
مارنا کیا اُسے جو بات کا مارا نہ مرے

(۵۴)

کھینچ کر غول میں لے بھاگے اُسے تو افسر
مستعد ہو گئے چلنے پہ یہ چاروں صفدر
واں حبیب ابنِ مظاہر سے یہ بولے سرورؑ
بڑھ کے دیکھو تو ذرا شور یہ کیسا ہے اُدھر
طرفِ خُلد دو قدم جلد بڑھاتے دیکھا
راہ میں حُر کو رہِ راست پہ آتے دیکھا

(۵۵)

حُر حبیب ابنِ مظاہر کے قریں پہونچا جب
کود کر گھوڑے سے مجرئی کو ہوا خم با ادب
پھر بصد عجز یہ کی عرض کہ اے خاصۂ رب
آپ حامی ہوں تو بر آئے مرا سب مطلب
منھ سے یہ کہہ نہیں سکتا کہ وفادار ہوں میں
ہے شفاعت مری لازم کہ گنہگار ہوں میں

(۵۶)

ملطفت ہو کے یہ فرمانے لگے حُر سے حبیب
شکر کر شکر کہ ہاتھ آئے تجھے راہ مجیب
نار سے دور ہوا ہو گیا جنت کے قریب
لے اب آرام مبارک ہو کہ جاگے ہیں نصیب
آئے گی خُلد سے زہراؑ ترے رونے کے لئے
بسترِ خاک شفا پائے گا سونے کے لئے

(۵۷)

شاہِ دیں صاحبِ اخلاق ہیں تو چل تو سہی
حلم میں شہرۂ آفاق ہیں تو چل تو سہی
ساعتیں ہجر کی واں شاق ہیں تو چل تو سہی
آپ مولا ترے مشتاق ہیں تو چل تو سہی
نیک ہے عاقبت اندیش ہے دیندار ہے تو
ڈھونڈتی ہے جسے رحمت وہ گنہگار ہے تو

(۵۸)

کہہ کے یہ حُر کو لئے ساتھ بصد جاہ چلے
شادماں خادم و فرزند یدُاللہ چلے
چار سیّار ستارے عقب ماہ چلے
خلد جس راہ سے نزدیک تھی وہ راہ چلے
فضلِ معبود کی تاثیر بڑھی جاتی ہے
ساتھ ہر گام کے توقیر بڑھی جاتی ہے

(۵۹)

دم بدم قدر بڑھاتی تھی ولائے شہِ دیں
پایۂ اوج سے بن جاتا تھا سَر چرخِ بریں
چومتی تھی قدمِ پاک کو ہر گام زمیں
خیر مقدم کی صدا دیتے تھے جبرئیلِ امیں
شہؑ کے مہماں کو مَلَک ساتھ لئے جاتے تھے
تہنیت کاتبِ اعمال دئے جاتے تھے

(۶۰)

کاتبِ خیر کے دینے پہ صدا تھی ہر دم
نیکیاں لکھتا ہوں اے حُر تری ہر ایک قدم
کہتا تھا بائیں طرف کاتبِ عصیاں مُتَہم
یک قلم محو ہوئے جو عملِ بد تھے رقم
باعثِ رحمتِ حق عشقِ نبیؐ زادہ ہے
کچھ حساب اب نہیں باقی کہ ورق سادہ ہے

(۶۱)

شاہؑ سے بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے کہا
اے جگر بندِ نبیؐ لختِ دلِ عقدہ کشا
حُر اُدھر سے اِدھر آیا ہے کہ ہو عفوِ خطا
بخش دیجئے تو ہے کیا دور کرم سے مولاؑ
ہاتھ باندھے ہوئے ہے خوف سے لرزاں ہے وہ
سامنے آ نہیں سکتا کہ پشیماں ہے وہ

(۶۲)

سُن کے یہ چلتے ہوئے سیّدِ ابرارؑ بڑھے
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ علمدار بڑھے
کون رہ جائے جب آفاق کا سردار بڑھے
پیچھے شہزادوں کے سب یار و انصار بڑھے
رُخ کیا دین کے سلطاں نے گدا کی جانب
لے کے تاروں کو بڑھا بدرِ سُہا کی جانب

(۶۳)

دیکھا جس دم حُرِ غازی نے کہ آتے ہیں امامؑ
پائے اقدس پہ گرا دوڑ کے وہ بعدِ سلام
سَر کو مہماں کے اٹھا کے یہ کیا شہؑ نے کلام
منتظر دیر سے تھے ہم ترے اے نیک انجام
شادماں جس میں ہو تو پہلے وہ تدبیر تو ہو
عذر بس ہو چکا آ ہم سے بغلگیر تو ہو

(۶۴)

آفتوں میں جو مرا ساتھ دیا ہے اس دم
ہوگا تو گلشنِ فردوس میں بھی مجھ سے بہم
خلق میں ساتھ مرے غم کے رہے گا ترا غم
بزمِ ماتم میں مری ہوگا ترا بھی ماتم
تیری الفت بھی نہ بھولیں گے طلبگار مرے
حشر تک روئیں گے تجھ کو بھی عزادار مرے

(۶۵)

دیکھ ادھر آئے ہیں یاور مرے ان سے بھی مل
جرمِ ماضی ترے خالق نے کئے آج بحل
ہاتھ باندھے ہوئے کیوں آیا ہے ناحق ہے خجل
ہم ہیں عقدہ کشا اور صاف ہے تجھ سے مرا دل
تیرگی مہرِ جہاں تاب پہ کب آتی ہے
گرد پڑ کر کہیں آئینہ پہ رہ جاتی ہے

(۶۶)

کہہ کے یہ دستِ حُرِ نیک سیر کھول دئے
طائرِ رفعت و اقبال کے پر کھول دئے
عیب مجرم کے چھپائے تو ہنر کھول دئے
فضلِ معبود نے امید کے در کھول دئے
دفعۃً رتبۂ عالی سے فلک پست ہوا
حُر ادھر نار سے آزاد سرِ دست ہوا

(۶۷)

چوم کر شہؑ کے قدم حُر کے برادر نے کہا
حبذا بخت جواں قدموں پہ یہ سر ہو فدا
عرض فرزند نے کی اے پسرِ عقدہ کشا
ناسزا ہیں یہ لعیں ان کو مناسب ہے سزا
آرزو ہے کہ لڑوں اہلِ ستم سے پہلے
حکم ہو جنگ کا مجھ کو اب و عم سے پہلے

(۶۸)

چوم کر نقشِ قدم یوں کیا خادم نے کلام
اے جگر بندِ نبیؐ نورِ خداؑ عرش مقام
آپ جن لوگوں کے آقا ہیں میں ان کا ہوں غلام
پہلے ان سب سے تصدق ہوں یہ ہے میرا کام
خوف مطلق نہ کروں فوج پہ جا کر مولاؑ
آج مٹ جاؤں تو اونچوں کو مٹا کر مولاؑ

(۶۹)

بولے عباسؑ سے شہؑ حُر کی وفا دیکھتے ہو
وہ تو عاشق ہے برادر کی ولا دیکھتے ہو
جوش بیٹے کو ہے دونوں سے سوا دیکھتے ہو
عبد کے ٹھاٹھ ہیں ان سے بھی جدا دیکھتے ہو
عاشقانِ خلفِ حیدرِ کرار ہیں سب
صاحبِ فہم ہیں جنت کے طلب گار ہیں سب

(۷۰)

جب گلے مل چکا ہر اک سے حُر نیک انجام
ہاتھ میں ہاتھ لئے لائے شہنشاہؑ انام
دیکھ کر اوجِ حریمِ حرمِ عرش مقام
درِ دولت کی طرف جھک کے کئے تین سلام
بھائی بیٹے سے کہا جانِ نبیؐ کا گھر ہے
باادب ہو یہ رسولؐ عربی کا گھر ہے

(۷۱)

یہ مکاں وہ ہے جو ہے خانۂ بذل و احساں
سب کو تقسیم ہوا ہے اسی گھر سے ایماں
وحی لاتے تھے یہیں روح امیں ہے یہ عیاں
منزلت وہ ہے کہ آیا اسی گھر میں قرآں
زیورِ عرش اسی کے لئے سارا اُترا
سب پہ روشن ہے کہ اس گھر میں ستارا اُترا

(۷۲)

بیتِ معمور سے بھی اوج میں برتر ہے یہ گھر
پوچھو حُرمت کو تو کعبہ کے برابر ہے یہ گھر
گو زمیں پر ہے مگر عرش کے ہمسر ہے یہ گھر
جس میں رہتی ہیں نبیؐ زادیاں وہ گھر ہے یہ گھر
اس کا میکا و سرافیل ادب کرتے ہیں
ملک الموت یہیں اذن طلب کرتے ہیں

(۷۳)

شاہؑ بیتاب ہوئے جب یہ سنے حُر کے کلام
دل میں شعلہ سا اٹھا کانپ گیا جسم تمام
رو کے فرمایا کہ جس گھر کا لیا ہے ابھی نام
کس زباں سے کہوں اے حُر جو ہے اسکا انجام
خنجر کیں جو مری حلق پہ چل جائے گا
آج تا عصر یہ گھر آگ سے جل جائے گا

(۷۴)

جو نبیؐ زادیاں رہتے میں ہیں مریمؑ سے سوا
کبھی خورشید نے جن کو نہ کھلے سر دیکھا
حق کی جانب سے جنہیں آیۂ تطہیر آیا
یوں لٹیں گی کہ وہ ہو جائیں گی محتاج ردا
عاجز و بیکس و ناچار جو پائیں گے انہیں
سر برہنہ سر بازار پھرائیں گے انہیں

رباعی

جس جا ذکرِ حسینؑ ہو جاتا ہے
رونے سے دلوں کو چین ہو جاتا ہے
آ کر بزمِ عزائے شہؑ میں رونا
ہر چشم کو فرضِ عین ہو جاتا ہے

رباعی

جب کٹ گیا سجدے میں سرِ پاکِ حسینؑ
سب ٹوٹ پڑے لٹ گئی پوشاکِ حسینؑ
فریاد ہے امّت نے کفن کے بدلے
پامال کیا پیکرِ صد چاکِ حسینؑ

رباعی

یہ فیض و سخا حاتمِ طائی میں نہیں
اور ان سا کوئی عقدہ کشائی میں نہیں
معبود کے عبد ہیں نصیری کے خدا
بندہ کوئی حیدرؑ سا خدائی میں نہیں

سلام

دو جہاں کی جس کو زیبندہ ہے شاہی کون ہے
شق ہوا جس پر خدا کا وہ الٰہی کون ہے
شیر سا جاتا ہے نڑ فوجوں میں کہتے ہیں حسینؑ
اور اس جیوٹ کا اس دل کا سپاہی کون ہے
رجعتِ خورشید عالم میں ہوئی جس کے لئے
ایسا بندہ ماہ سے اور تابہ ماہی کون ہے
شہؑ سے کہتے تھے حرم بعد آپ کے جز ذاتِ حق
اور ہم لوگوں کا ہنگامِ تباہی کون ہے
دل ہمارا ہے غنی منعم تجھے ہوگی ہوس
سر پہ تاجِ فقر ہے محتاجِ شاہی کون ہے
کام کس کس کے نہ آئے وقتِ بد مشکل کشاؑ
وہ مدد جس نے مدد ان سے نہ چاہی کون ہے
جو ملا اس زالِ دنیا سے اٹھایا اس نے غم
جس کے ساتھ آرام سے اس نے نباہی کون ہے
ما سوا دستِ خدا کے عالمِ اجسام میں
قوتِ بازوئے محبوبِ الٰہی کون ہے

مرثیہ

شوکت عجب ہے بارگہِ مدحِ شاہؑ کی

درحالِ حضرت علی اصغرؑ

سنہ تصنیف

1928

شوکت عجب ہے بارگہِ مدح شاہؑ کی

شوکت عجب ہے بارگہِ مدح شاہؑ کی
رفعت سے عاجز آتی ہے قوت نگاہ کی
عرشِ بریں زمیں ہے اسی بارگاہ کی
مجمع بتا رہا ہے حدیں عز و جاہ کی
ہر چار سمت مدح شہِ کربلا کی ہے
کونین ایک جا ہے یہ قدرت خدا کی ہے

(۲)

ہے شانِ حق کہ بارگہِ مدح شاہِؑ دیں
دیکھو جدھر ہے رحمتِ معبود جاگزیں
پڑھ کر درود کرتے ہیں سجدے ملک یہیں
ہے خاکِ پاک زینتِ رخسار اور جبیں
قصدِ ثنائے شاہؑ خرد گم کئے ہوئے
گویا ہیں یادِ حق میں تیمم کئے ہوئے

(۳)

کرسی و عرش لوح و قلم سب ہیں مدح خواں
غلمان و حور خلد و حرم سب ہیں مدح خواں
انسان جن فرشتے بہم سب ہیں مدح خواں
جتنے ہیں انبیائے امم سب ہیں مدح خواں
موسیٰؑ سمجھ رہے ہیں یہی جلوہ گاہ ہے
شاہد کلامِ حق ہے کہ مادحِ الٰہ ہے

(۴)

شاہوں کے بزم اور وہ دربار اور ہے
بے کس غریب امامؑ کی سرکار اور ہے
واں کے طریق اور ہیں رفتار اور ہے
یاں باریاب ہونے کا معیار اور ہے
یہ بارگہ ہے عاصیوں کے دستگیر کی
روشن ہے شکلِ آئینہ حالت ضمیر کی

(۵)

اس بارگاہِ مدح کا ہے رہنما خلوص
منزل کی ابتدا ہے خلوص انتہا خلوص
بیڑا جو پار کردے وہ ہے ناخدا خلوص
عالم یہ اور ہے، ہے یہاں کا خدا خلوص
ممکن نہیں وہ طرز جو بزمِ جہاں کا ہے
دونوں جہاں میں فرق زمیں آسماں کا ہے

(۶)

ہے مرتضیٰؑ کی مدح شہِؑ کربلا کی مدح
حیدرؑ کی جو ثنا ہے وہ ہے مصطفیٰؐ کی مدح
توصیف مصطفیٰؐ کی ہے ربِّ علا کی مدح
شک اس میں کیا عبادتِ حق ہے خدا کی مدح
اس وجہ سے بطون پہ دارومدار ہے
شہؑ کی ثنا بھی طاعتِ پروردگار ہے

(۷)

خالص اگر ہے مدح تو وہ قرب یہاں سے ہے
جو حبِّ ثنا کو دلِ مدح خواں سے ہے
مدحت سرا کے نفس کی شرکت جہاں سے ہے
ہے دور جتنی دور زمیں آسماں سے ہے
مدّاح جو خلوص سے ہو باریاب ہے
گر یہ نہیں تو اپنے لئے خود حجاب ہے

(۸)

مدحت ہو جس زبان میں تسلیم ہے یہاں
ہو نظم میں کہ نثر میں تعمیم ہے یہاں
ہر مدح خواں کی قدر ہے تکریم ہے یہاں
اجر و ثواب و خیر کی تقسیم ہے یہاں
ذر نکتہ چیں کا کچھ نہیں رشک و حسد نہیں
وہ ربط و اتحاد ہے باہم کہ حد نہیں

(۹)

مدّاح دوستوں کی ضرورت نہیں یہاں
غل مرحبا کا باعثِ شہرت نہیں یہاں
تعریض باہمی نہیں قیمت نہیں یہاں
کس واسطے ہو نفس کی شرکت نہیں یہاں
وہ درد ہے دوا نہیں جس سے ضرر ہو کچھ
ہرگز وہ کارِ خیر نہیں جس میں شر ہو کچھ

(۱۰)

ہے شرط اہلِ فن کہ نہ اہلِ زباں کی قید
تخصیص کوئی اور نہ کسی خانداں کی قید
ہاں اک خلوص یہ تو ہے بے شک یہاں کی قید
پابندیوں کی بیڑیاں کیسی کہاں کی قید
بس ہو ضمیر پاک غنی یا فقیر ہوں
اک مبتدی ہو چاہے انیسؔ و دبیرؔ ہوں

(۱۱)

بندش کا حُسن لطفِ فصاحت نہ ہو نہ ہو
اغلاط ہوں کلام میں صحت نہ ہو نہ ہو
عالم کا دل کھینچے وہ طاقت نہ ہو نہ ہو
ممدوح کو پسند ہو شہرت نہ ہو نہ ہو
بے کار ہے یہ فکر کہ دنیا میں نام ہو
عقبیٰ کا کام جان کے عقبیٰ کا کام ہو

(۱۲)

کس سے ادا ہو حق ثنائے شہِ عرب
سر انبیاء جھکاتے ہیں یہاں پر بصد ادب
طاری ہے ذرّہ ذرّہ پہ اک عالمِ عجب
اپنی زبان میں کرتے ہیں تعریف سب کے سب
پڑھتے ہیں کلمہ صبر شہِ مشرقین کا
مدحت سرا زمانہ ہے بے کس حُسینؑ کا

(۱۳)

کعبہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے شاہِ دیں پناہ
ہر خشت میری آپ کی جرأت کی ہے گواہ
عُمرہ سے بدلا حج کہ نہ اسلام ہو تباہ
دے کر مجھے پناہ بڑھے سوئے قتل گاہ
خونِ رسولؐ پاک کی ندی نہ بہہ گئی
کعبہ کی حرمت آپ کے قدموں سے رہ گئی

(۱۴)

لا ریب آپ کے جدِ امجد نے کی بناء
مولد ہوا پدر کا بڑھا اور مرتبہ
حیدرؑ نے توڑے بت مجھے کعبہ بنا دیا
بنتے اگر نہ آپ تو بن جاتا کربلا
احساں یہ آخری ہے شہِ مشرقین کا
غم ہے کہ ساتھ دے نہ سکا میں حسینؑ کا

(۱۵)

کہتی ہے کربلائے معلّٰے کی سر زمیں
ہوں صابروں کی رہ گزر اے بادشاہِ دیں
گزرا ادھر سے جو وہ گیا مضطر و حزیں
تجھ سا کوئی زمانہ میں نقشِ قدم نہیں
اب کس لئے بندھی ہوئی عیسیٰ کی دھاک ہے
قدموں سے تیرے خاک شفا میری خاک ہے

(۱۶)

بگڑا ہوا تھا میرا مقدر بنا دیا
تجھکو مقامِ رحمتِ داور بنا دیا
پڑھ کر نماز کعبہ سے بہتر بنا دیا
آرام کرکے خلد سے بڑھ کر بنا دیا
یاں خواب گاہ بادشہِ دیں پناہ ہے
فیضِ قدم سے خاک میری سجدہ گاہ ہے

(۱۷)

کرتی ہے عرض نہرِ فرات اے شہِ ہدا
اس صبر کے نثار تحمل پہ میں فدا
غم ہے قریب میرے نہ خیمے رہے بپا
پیاسے شہید ہوگئے سب خویش و اقربا
ہوں شرمسار یوں تو ہر اک حق شناس سے
محجوب ہوں سوا علی اصغرؑ کی پیاس سے

(۱۸)

مہرِ جنابِ فاطمہؑ زہرا میں ہو فرات
ہوں تشنہ لب حسینؑ جو ہوں شاہِ کائنات
اصغرؑ شہید پیاسا ہو عبرت کی ہے یہ بات
تھا معجزہ امامؑ کا یہ صبر یہ ثبات
مولاؑ بنے شفیع اسی اعتبار پر
ممکن نہیں کسی سے یہ جبر اختیار پر

(۱۹)

ہوتا ہے یاں سے واقعۂ کربلا کا ذکر
اک اَشتی جہاز کے ہے ناخدا کا ذکر
جور و جفا کا ذکر ہے صبر و رضا کا ذکر
اہلِ وفا کے ساتھ ہے اہلِ وفا کا ذکر
تھا بُغض کوفیوں کو شۂ مشرقین سے
مہماں بلا کے کی جنگ و جدل کی حسینؑ سے

(۲۰)

جب جاں نثار سرورِ دیں پر فدا ہوئے
جتنے یگانہ سینہ سپر تھے جدا ہوئے
غربت میں شاہِؑ بے کس و بے آشنا ہوئے
غم بڑھ گئے تو جور و ستم بھی سوا ہوئے
سیدانیوں میں حشر ہے رونا ہے بَین ہیں
زندہ ہے خوں کے پیاسوں کا تنہا حسینؑ ہیں

(۲۱)

عبرت کا ہے محل کہ بھرا گھر ہوا تباہ
قاسمؑ رہے نہ مسلمؑ و زینبؑ کے لال آہ
باقی رہا نشاں نہ علمدار نہ سپاہ
گردن جھکائے چپ ہے دو عالم کا بادشاہ
رعشہ ہے اور قدم رہِ صبر و رضا پہ ہیں
اکبرؑ کے تازہ خون کے دھبے قبا پہ ہیں

(۲۲)

جنگل کی سر زمیں پہ لٹا کے رسیدہ باغ
لبریز آ رہا ہے نظر عمر کا ایاغ
ہر ایک تازہ غم ہے تو ہر ایک تازہ داغ
سینہ میں دل ہے کعبہ کا بھڑکا ہوا چراغ
تاراج گھر ہوا کوئی مونس نہ یار ہے
بیمار اک پسر ہے تو اک شیر خوار ہے

(۲۳)

ہے داہنی طرف کبھی بائیں طرف نگاہ
دل خونچکاں ہے آنکھوں میں ہیں اشک لب پہ آہ
ایک ایک کا نام لے کے یہ فرما رہے ہیں شاہؑ
ہے کوئی جو مسافر و بے کس کو دے پناہ
سمجھے یہ کون اب کہ ستم شاہِ دیں پہ ہیں
لبیک کہنے والوں کے لاشہ زمیں پہ ہیں

(۲۴)

ہے مستغیث آج دو عالم کا تاجدار
دم بھر بھی اب سکون ہے کون و مکاں کو بار
لبیک کہہ رہا ہے ہر اک با صد اضطرار
جنباں ہے عرش لوح و قلم کو نہیں قرار
لرزاں جو ہر مکاں ہے تو مضطر مکیں بھی ہے
گردش میں ہے فلک متحرک زمیں بھی ہے

(۲۵)

نصرت طلب امامِ زماں ہیں بہ چشمِ تر
جن و ملک مدد پہ ہیں باندھے ہوئے کمر
ہے زلزلہ زمین کو جنباں ہیں دشت و در
لاشے تڑپ رہے ہیں شہیدوں کے خاک پر
کہتے ہیں زخم اہلِ وفا ہر دلیر ہے
اٹھتے ہیں صرف حکمِ الٰہی کی دیر ہے

(۲۶)

ماہی تڑپ رہی ہے تو لرزاں ہیں کل طبق
گاو زمیں ٹھٹکی ہے ، ہے سطحِ ارض شق
ہے عنقریب چرخ اوڑے صورتِ ورق
ہو خرق والتیام کا سب نظم اور نسق
قربان ثبات و صبر شۂ خوش خصال کے
اکھڑے ہیں پاؤں قطب جنوب و شمال کے

(۲۷)

ہے یہ اثر صدائے شۂ دیں پناہ سے
دامن کشاں ہے کہربا جذب نگاہ سے
ہے دل ہیں خضر چشمۂ حیواں کی چاہ سے
سیارے پلٹے آئے ہیں مغرب کی راہ سے
ہے استغاثہ جان و دلِ بوترابؑ کا
رُخ کربلا کی سمت ہے آج آفتاب کا

(۲۸)

وہ لو وہ دھوپ اور وہ تپش ہے کہ الحذر
تھے مبتلائے قہر الٰہی زبون سیر
نیموں کے آگے کرتے تھے سجدے زمیں جو تر
ہوتی تھی خاک دے کے دھواں خشک جلد تر
چھڑکاؤ ہو کے اور بھی شعلے نکلتے تھے
ذرّوں سے ناریوں کے تن و خس جلتے تھے

(۲۹)

فرطِ تپش سے ہوش کسی کے نہ تھے بجا
مشکل نفس کی آمد و شد تھی یہ حبس تھا
ہر بوند سے پسینے کی پڑتا تھا آبلہ
وہ التہاب تن کے رطوبات تھے فنا
مہلت کسی کو ملتی نہ تھی اشک و آہ سے
دامن مژہ کا ملتا تھا تار نگاہ سے

(۳۰)

مانندِ مس تھا خاک کا آبِ رواں کا رنگ
کالا پڑا تھا دھوپ سے پیر و جواں کا رنگ
فرطِ تپش سے تھا متغیر جہاں کا رنگ
آتا ہے حشر کہتا تھا یہ آسماں کا رنگ
گرمی کا تاب و تپ سے اثر تھا بڑھا ہوا
تھا آفتاب چرخ پہ گویا چڑھا ہوا

(۳۱)

لوہا تھا گرم اٹھتی تھی لو اک سنانوں سے
بھڑکے تھے گھوڑے گئے تھے چرکے دہانوں سے
تھے منتشر نکل کے پرند آشیانوں سے
گرمی عیاں درندوں کی نکلی زبانوں سے
تصویر دونوں آنکھیں تھیں یاس و ہراس کی
اک دھوکنی لگی ہوئی تھی سب کو پیاس کی

(۳۲)

تپنے سے تھا زمیں کا جگر خشک اس قدر
مشکیں بھی چھڑکی جائیں اگر کچھ نہ ہو اثر
ساحل ہوا تھا تابۂ آہن سے گرم تر
نکلا دھواں کناروں سے ٹکرائی موج اگر
برقِ تپش گری تھی جو طبقوں کو توڑ کر
ماہی تڑپ رہی تھی جگہ اپنی چھوڑ کر

(۳۳)

ثابت تھا ہر حباب سے مشکل ہے یاں ثبات
پانی کی چادروں میں چھپی جاتی تھی فرات
عادت بدل رہے تھے جہاں کے تغیرات
سب مانگتے تھے موت کہ پیاری نہ تھی حیات
خشکی گئی تھی ربط کا رشتہ جو توڑ کے
ضیغم کنارہ کش تھے ترائی کو چھوڑ کے

(۳۴)

کھاتا تھا جوش آب طپش سے کہ الاماں
سکانِ بحر گاہ عیاں تھے کبھی نہاں
اُلٹی پڑی تھیں پانی پہ بے جان مچھلیاں
لب کھولے جس حباب نے اُٹھنے لگا دھواں
موجوں سے نقشے آئینہ تھے انقلاب کے
چہرے تھے تمتمائے سوارانِ آب کے

(۳۵)

لو سے شفق چھپاتے تھے منہ اپنے ڈھالوں میں
مضطر تھے ایسے جیسے چھدے ہوئیں بھالوں میں
قوت زخند کی نہ رہی تھی غزالوں میں
گھوڑے ہوئے تھے نعل در آتش رسالوں میں
اوجِ سما پہ خاک ترائی کی چڑھ گئی
شیروں کی تپ زمیں کی حرارت سے بڑھ گئی

(۳۶)

لو کے زمین دیتی تھی تپتے تھے دشت و در
پتھر دہک رہے تھے تو جلتے تھے کل شجر
خشکی میں آئے پڑ کے یہ پانی کے جانور
تھی جستجوئے امن تو چکّر میں تھے بھنور
مخصوص تھا یہ روز تب و تاب کے لئے
دریا اترتا تھا کرۂ آب کے لئے

(۳۷)

صحرا قفس بنا تھا در امن تھا جو بند
پر ڈالے تلملائے تھے اُڑتے نہ تھے پرند
ساکت تھے سب درند یہ تھی ہیبت گزند
جولاں شعلے کہئے بگولہ نہ تھے بلند
گردش سے بڑھ گئی یہ طپش چرخ پیر کی
خنکی نہ وہ رہی کرۂ زمہریر کی

(۳۸)

آتش فشاں پہاڑ تھے پتھر ہوئے تھے لال
دہکی تھی خاک دشت کی سوزش سے تھا یہ حال
جھونکے ہوا کے بنتے تھے یوں دے کے اشتعال
پانی فرات کا تھا تیزاب کی مثال
کھاتا تھا جوش آب تو موجِ بلند تھے
دریا سے خوف کھائے چرند و پرند تھے

(۳۹)

پیاسے جو تھے حسینؑ یہ نازل ہوا تھا قہر
تیزاب ہو کے آب رواں ہو گیا تھا زہر
تابش سے مثلِ برق تپاں تھی ہر ایک لہر
ڈوبا تھا آفتاب کرہ آتشیں تھی نہر
گرمی سے تھا نہ فرق حیات و ممات میں
جلتا تھا پانی آگ لگی تھی فرات میں

(۴۳)

بڑھتے تھے یہ وہ روک رہی تھی بہ چشمِ تر
ناگاہ پکارے وہاں سے شہنشاہِ بحر و بر
آنے نہ دینا عابدؑ بیمار کو ادھر
ہوگی قیامت آج نہ روکا انہیں اگر
ساقط جہاد ہے نہیں طاقت جدائی کی
ہو جائے نسل قطع نہ احمدؐ کی آل کی

(۴۴)

بعد اس کے آئے خیمۂ ناموس میں امامؑ
آواز دی یہ آپ نے ہر اک کا لے کے نام
اے تشنہ کاموں ہوتا ہے رخصت یہ مستہام
تم سب پہ اس مسافر و بے کس کا ہو سلام
روئے حرم تو آہ کی شاہِ مدینہ نے
مقنع کو فرقِ پاک سے پھینکا سکینہؑ نے

(۴۵)

کی عرض یہ کہ مرنے تو جاتے ہیں آپ آہ
اب کون ہے جو ظلموں سے دے ہمیں پناہ
بولے کسے بتاؤں بھرا گھر ہوا تباہ
مایوس کس لئے ہو کہ ہے رحمتِ الٰہ
تم بے کسوں کی حفظ و حمایت خدا کرے
ناصر نہ جب ہو کوئی یہ مظلوم کیا کرے

(۴۰)

پہونچی صدا جو شاہؑ کی خیمہ میں ایک بار
سیدانیاں ہوئیں متوجہ بحالِ زار
شور فغاں رکا ہوئے خاموش سوگوار
اٹھیں یہ کہہ کے زینبؑ ناشاد ایک بار
اب کچھ خبر بھی مل نہیں سکتی لڑائی کی
آواز تو یہ ہے میرے مظلوم بھائی کی

(۴۱)

یوں آئی صحنِ خیمہ میں وہ غم کی مبتلا
ہمراہ بیبیاں تھیں کھلے سر برہنہ پا
منہ کرکے سوئے قبلہ یہ زینبؑ نے کی دعا
اپنے نبیؐ کی آل کو خالق تو ہی بچا
تو ہو کفیل فاطمہؑ کے نورِ عین کا
سُن استغاثہ بے کس و تنہا حسینؑ کا

(۴۲)

کلثومؑ کہتی تھیں سوئے اعدا نہ جاؤ تم
حالت تو اپنی دیکھ لو بیٹا نہ جاؤ تم
تھرا رہے ہیں پاؤں خدارا نہ جاؤ تم
بھائی کو آنے دو تن تنہا نہ جاؤ تم
کی عرض چھوڑیئے کہ لڑوں فوجِ شام سے
خوں جوش کھا رہا ہے صدائے امامؑ سے

(۴۶)

کہتے تھا گاہ سینہ سے لپٹا کے شاہِ دیں
روؤں گی عمر بھر مجھے اس وقت رو نہیں
جب تک کہ تن میں روح ہے اے میری مہ جبیں
آنسو بہا بہا نہ جلاؤ دلِ حزیں
جاں اپنی میرے غم میں نہ یوں کوئی کھوئے گا
بیٹی ہو تم سے بڑھ کے مجھے کون روئے گا

(۴۷)

لشکر سے یوں خطاب کیا پھر بحالِ زار
اے کوفہ والوں مرتا ہے پیاسا یہ گلعذار
تجھکو اگر سمجھتے ہو تم سب گناہ گار
اس کا قصور کیا کہ ابھی ہے یہ شیر خوار
دودھ اس کی ماں کا خشک ہے فرطِ عطش ہے یہ
پانی پلاؤ پیاس سے بے شیر غش ہے یہ

(۴۸)

یہ کہہ کے سر خمیدہ ہوئے سرورِ زماں
آتا کسے ترس کہ نہ تھا کوئی رتبہ داں
ساکت کھڑے ہیں ہاتھوں پہ ہے طفلِ بے زباں
ہوتا ہے بے کسی کے مرقع سے یہ عیاں
کیوں کر کہیں امامؑ شہؑ دیں پناہ ہوں
قرآں اُٹھا رہے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں

(۴۹)

ترکش سے تیر چھانٹا تھا حرملہ اُدھر
خونخوار کی نگاہ کبھی تھی صغیر پر
پیکاں سہ شعبہ دیکھ کے لوگوں پہ کی نظر
بے بے نشانہ باندھ لیا تیر جوڑ کر
گوشے ملے تو ظلم و ستم کا نشاں بنی
لعنت کا طوق کھینچتے ہی چلّہ کماں بنی

(۵۰)

چھوٹا وہ تیر چٹکی سے ہے ہے غضب ہوا
گوشے کمان کے جو ملے تھے ہوئے جدا
پیکاں وہ تین بھال کا اور پھول سا گلا
پھیلائے گود تیر کے ساتھ آگئی قضا
شہ رگ چھدی مصیبتِ معصوم کٹ گئی
اُلٹا صغیر ہاتھوں پہ دنیا اُلٹ گئی

(۵۱)

کھینچا جو تیر ہو گیا بسمل وہ بے زباں
آئی دہانِ زخم سے آواز الاماں
جسمِ شہید پر ملا جو خون تھا رواں
پلٹا نہ وہ جو پھینکا لہو سمتِ آسماں
بے نور اتنی دیر میں وہ ماہ ہو گیا
ہدیہ قبولِ درگہِ اللہ ہو گیا

(۵۲)

ایک چاند ہے کہ ہاتھوں پہ ہے لاشۂ پسر
دنیا سیاہ آنکھوں میں شق ہے دل و جگر
خونِ صغیر ملتے ہیں شہؑ روئے پاک پر
رعشہ ہے تن میں زخم سے تھمتی نہیں نظر
پھر آیا دل خیالِ سن و سال باندھ کے
روئے بہت بتولؑ کا رومال باندھ کے

(۵۳)

پھر لے چلے جو دفن کو لاشہ شہِؑ ہدیٰ
اکڑا کھڑا تھا غول میں لشکر کے حرملہ
تعریف ہو رہی تھی کہ کیا کہنا مرحبا
انگلی دبا کے دانتوں میں کہتے تھے بعض ہا
خود مر رہا تھا وہ یہ ستم کیا ضرور تھا
بچہ حریف کا تھا مگر بے قصور تھا

(۵۴)

شہؑ سن رہے تھے ضبطِ غم و ہم کیے ہوئے
تھا تازہ داغ چشم تھے پر نم کیے ہوئے
گستاخیاں مزاج تھیں برہم کیے ہوئے
لیکن خموش بڑھ گئے سر خم کیے ہوئے
بے بس تھے لاش ہاتھوں پہ اُس بے زباں کی تھی
آئے وہاں صغیر کی مٹی جہاں کی تھی

(۵۵)

لاشہ اُتارا گود سے جلتی زمین پر
پھر قبلہ رو کیا اُسے شہؑ نے بہ چشمِ تر
اشرار کے خیال سے ہر سمت دیکھ کر
پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ بحر و بر
اُس بے زباں شہید کے یہ احترام تھے
پیچھے صفیں فرشتوں کی آگے امامؑ تھے

(۵۶)

فارغ ہوئے نماز سے جب شاہِؑ دیں پناہ
اک قبر ذوالفقار سے کھودی بہ اشک و آہ
حسرت سے سر سے پاؤں تک اصغرؑ پہ کی نگاہ
لائے اُٹھا کے لاش کو مدفن کے پاس شاہؑ
صد چاک دل سنبھالا شہِؑ مشرقین نے
رکھا لحد میں لختِ جگر کو حسینؑ نے

سلام

ہر بلا پر صبر امامِ انس و جاں ایسا تو ہو
آسماں تک خون رویا امتحاں ایسا تو ہو

کیوں نہ لہرائے نظر میں رایتِ فوجِ حسینؑ
گڑ گیا اسلام کا جھنڈا نشاں ایسا تو ہو

کہتے تھے زینبؑ کے بازو جب تو کہتے تھے عدو
زخم پڑ جائے نشانِ ریسمان ایسا تو ہو

ابرِ رحمت سر پہ بارش نور کی میکش بنی
بزم کا ساقی کوثر کی سماں ایسا تو ہو

پیاسے اصغرؑ کا کھینچا دم دستِ شہؑ پر کھا کے تیر
بے کسی کی حد دکھا دی بے زباں ایسا تو ہو

مہرِ پیشانی پڑھو قرآنِ ناطق ہے رقم
حضرتِ عابدؑ کے سجدہ کا نشاں ایسا تو ہو

سب سے پہلے حرؑ تصدق ہو گیا شبیرؑ پر
ایسے بے کس مہماں کا میہماں ایسا تو ہو

کہتے تھے عاصی چھٹی جب بنتِ زہراؑ کی ردا
ڈوبتا بیڑا اُبھارا بادباں ایسا تو ہو

پائے عابدؑ پر ورم ہے جکڑے ہاتھوں میں مہار
شافعِ امت جو ہو وہ ساربان ایسا تو ہو

دے کے سر شبیرؑ نے جنت میں عاصی بھر لئے
جو ہو سردارِ جوانانِ جناں ایسا تو ہو

دم کھینچا زانو پہ شہؑ کے جب ہوا ناصر شہید
جب غلام ایسے ہو تو آقا قدرداں ایسا تو ہو

ہے زمیں اپنی مگر مشکل ہوا ہے دفنِ شاہؑ
ظلم چھوٹا کوئی دشمن آسماں ایسا تو ہو

پائی اکبرؑ نے حیاتِ جاوداں ہو کر شہید
موت کا آنا تھا نا ممکن جواں ایسا تو ہو

کربلا میں دیکھ رضواں باغِ زہراؑ کی بہار
آئیں ہم جنت میں لیکن بوستاں ایسا تو ہو

انبیاؑ کے ظرف پر تھی آزمائش منحصر
جب حسینؑ ایسا ہو صابر امتحاں ایسا تو ہو

کربلا میں مول لی شہؑ نے زمیں اور خط دیا
حد بنا گلزارِ جنت کی نشاں ایسا تو ہو

اذن لیں روح الامیں آنے کا گھر میں بار بار
ہو جو محبوبِ خدا کا آستاں ایسا تو ہو

گھر لٹے ہوں قید عابدؑ جب ہو امت رستگار
ہو اسیری اس طرح بے خانماں ایسا تو ہو

مرثیہ

ناگہاں پہونچے جو میداں میں جنابِ عباسؑ

درحالِ حضرت عباسؑ

سنہ تصانیف

1940

ناگہاں پہونچے جو میداں میں جنابِ عباسؑ

ناگہاں پہونچے جو میداں میں جنابِ عباسؑ
جست کی باگِ فرس روک لیا بے وسواس
کر کے شیرانہ نظر فوج پہ دیکھا چپ و راس
رعب ہیبت یہ بڑھا گم ہوئے اعدا کے حواس
جو فنِ جنگ میں تھے ماہر و کامل دہلے
بھاگنے کی بھی نہ جرأت ہوئی یوں دل دہلے

(۲)

دل جو تھے خوفزدہ لرزہ بہ اندام تھے یل
ڈر یہ تھا پھرتی تھی ہر ایک کی آنکھوں میں اجل
تھا وہ سناٹا کہ سنسان تھا گویا جنگل
سب یہی کہتے تھے اب ہوتا ہے مقتل مقتل
آگئی آج قضا خیر کسی طور نہیں
اسداللہ کا ہے شیر کوئی اور نہیں

(۳)

تنگ جب عرصۂ تدبیر نظر آتا ہے
ایک حالت میں جواں پیر نظر آتا ہے
پنجۂ موت گلوگیر نظر آتا ہے
جو ہے وہ یاس کی تصویر نظر آتا ہے
بس ہے کیا بند اگر امن و اماں کا در ہو
دم ہے نکلا ہوا حس و حرکت کیوں کر ہو

(۴)

آپ مرکب پہ سنبھل بیٹھے بصد اوج و حشم
داہنی سمت بہ تعجیل کیا نصب علم
تن کے فرمایا سب آگاہ ہو کیوں آئے ہیں ہم
جو بہادر ہوں سنیں ہوں وہ عرب یا ہوں عجم
دیکھو وہ سامنے لہراتا ہوا دریا ہے
پیاسے بچوں کا یہ سوکھا ہوا مشکیزہ ہے

(۵)

رکھیں ہاتھ اپنے کلیجے پہ ہو جن کے اولاد
پانی ہو جائے گا سینے میں جو دل ہو فولاد
کہیں دنیا میں نہیں کوفہ سے بڑھ کر جلاد
ظلم یہ وہ ہیں زمانے کو جو رہ جائیں گے یاد
ہر طرف اس ستم و جور سے نفرت ہوگی
صبر شبیرؑ کی کونین میں شہرت ہوگی

(۶)

اسے کہتے ہیں حمیت اسے کہتے ہیں حیا
میہمانوں کا عرب کی ہے یہی قاعدہ کیا
تم سے جو کچھ ہے شہؑ دیں سے ہے بچوں کی خطا
بے زبانوں پہ ستم ہے جری کا شیوہ
وعدہ پانی کا ہے آوارہ وطن بچوں سے
مجھے لڑنا ہے وغا تشنہ دہن بچوں سے

(۷)

ابھی سقا ہوں سکینہؑ کا نہ سمجھو عباسؑ
پیاسی دو دن کی بچی سے ہے لگائے ہوئے آس
کون ہوں کیا ہوں محبت میں کچھ اس کا نہیں پاس
تم سے کہتا ہوں بجھا لینے دو مظلوم کی پیاس
مجھ سے اس وقت میں لڑنا کوئی جانبازی ہے
چاہ سے بچوں کی مجبور ہر اک غازی ہے

(۸)

پیاسے دو روز کے مارے ہیں وہ تم نے ضیغم
دھیان سے پانی کے شعلے ہیں بھڑکتے ہر دم
آپ شمشیر سے یہ آگ بجھاتے ابھی ہم
کیا کریں بیچ میں ہے پیاسی سکینہؑ کا قدم
حملہ کیوں کر ہو ابھی فکر تو پانی کی ہے
روکے اس شیرِ غضب ناک کو یہ بچی ہے

(۹)

ان کی تقریر کا تھا عام دلوں پر جو اثر
سر جھکائے ہوئے خاموش تھا سارا لشکر
بعض ملعونوں کے تھے اشک رواں عارض پر
کسی بد بخت کی تھی آنسوؤں سے ڈاڑھی تر
پسر سعد کو لیکن نہ ترس آتا تھا
فکر یہ تھی کہ لبِ خشک ہوا جاتا تھا

(۱۰)

غم و غصہ جو بڑھا سامنے آیا بے دیں
آتے ہی کبر و تکبر سے یہ بولا وہ لعیں
بے لڑے نہر پہ جانا کبھی ممکن ہی نہیں
رن ہے یہ خون سے رنگین ہو مقتل کی زمیں
دم اگر ہو عوضِ تشنہ دہانی لیجئے
نل پہ تلوار کے ہنت ہو تو پانی لیجئے

(۱۱)

ہر طرف آپ کی شہرت تھی بڑا سنتے تھے نام
طالبِ رحم جری ہو کے عجب کا ہے مقام
حکمِ شاہی کی ہے تابع یہ کوفہ و شام
قتل و غارت کے لئے آئے ترس سے کیا کام
تشنہ لب طفل رہیں جان کسی کی یا جائے
اپنے قابو میں کسی طرح بھی دشمن آ جائے

(۱۲)

یہ ستم اور یہ جفا ذکر کے قابل ہی نہیں
سختیاں ہوں گی ابھی وہ کہ جو دیکھی نہ سنیں
سلطنت سے جو پھرے اُس کا ٹھکانا ہے کہیں
آپ ہی کیجئے کریں بیعتِ حاکم شہِ دیں
کتنے مقتول ہوئے کرب و بلا کے رن میں
چین سے رہتے جو ریتی پہ پڑے ہیں بن میں

(۱۳)

تن کے فرمایا کیا بکتا ہے او ہرزہ سرا
شاہِ دیں مانتے غاصب کی حکومت کو بجا
قتل ساتھی جو ہوئے کیا ہوا انجام برا
ابدی عیش کی خاطر یہ ہلاکت ہے بنا
صدقے سب راحتیں ایسی تھی مصیبت اُن کی
کہہ رہی ہے یہ شہادت ہوئی جنت اُن کی

(۱۴)

ہو اگر یوں غمِ دنیا سے مفر کیا کہنا
گھر جو چھوٹے تو ملے خلد میں گھر کیا کہنا
اپنے انجام پہ جس کی ہو نظر کیا کہنا
راہِ خالق میں جو کٹ جائے یہ سر کیا کہنا
حاصلِ زندگی اپنا بھی یہی کاش رہے
ساتھ بچھڑے ہوئے لشکر کے میری لاش رہے

(۱۵)

قابلِ ذکر نہ تھے ہیں جو ستم بچوں پر
بے زبانوں سے یہ کینہ ارے اللہ سے ڈر
درد دکھ ہیں وہ صغیروں کے ہو پانی چھر
دل ذرا بھی نہ پسیجا ترا او بانیٔ شر
یہ وہ غم ہیں کہ ہوئے ہیں نہ اب ایسے ہوں گے
جن کو تو سخت کہے ظلم وہ کیسے ہوں گے

(١٦)

خود نظیر اپنی ارے کیا یہ فسانہ ہوگا
اب کوئی طفل بھی پیکاں کا نشانہ ہوگا
کون ہے کس کا ہے حاکم کا زمانہ ہوگا
نہ تہِ خاک بھی لاشوں کا ٹھکانہ ہوگا
سر چڑھے نیزہ پہ تن خاک پہ ہو کچھ بھی ہو
سب گوارہ ہے ظفر دینِ مکرمؐ کی ہو

(١٧)

میں کہوں شاہؑ سے بیعت کو تو جل جائے زباں
تابعِ فاسق و فاجر ہو شہِؑ کون و مکاں
سجدہ شیطاں کو کرے رحمتِ خلاقِ جہاں
نہیں ممکن نہیں ممکن یہ عیاں را چہ بیاں
ورنہ اللہ و محمدؐ کا نہ پھر نام رہے
کعبہ بت خانہ جو بن جائے تو اسلام رہے

(١٨)

نور سے جس کے بنایا گیا ہو خلدِ بریں
دوشِ محبوبِ خدا کا ہو مکیں عرش نشیں
اُس کا دنیائے دنی میں نہ ٹھکانا ہو کہیں
توبہ کر توبہ یہ کیا تو نے کہا او بے دیں
شاہِ دیں ہیں ہوسِ تخت نہیں تاج نہیں
احتیاج ان کی ہے دنیا کو یہ محتاج نہیں

(١٩)

جنت ان کے لئے ہے اور یہ جنت کے لئے
آئے دنیا میں تو ہم سب کی ہدایت کے لئے
ہوں گے کل حشر کے میداں میں شفاعت کے لئے
مبتلا آج ہیں بخشائش امت کے لئے
ہیچ دنیا ہے سبق وعدہ وفائی ان کی
حق تو یہ ہے کہ خدا ان کا خدائی ان کی

(٢٠)

طلبِ رحم کی عادت نہیں او بد انجام
اور پھر اُن سے نہیں جانتے جو رحم کا نام
نہیں واقف کہ ہوں شبیرؑ سے آقا کا غلام
دکھ صغیروں کے ستائے تھے کہ حجت ہو تمام
شہِؑ مظلوم پہ جان اپنی فدا کرنا ہے
پانی لایا کہ نہ لایا مجھے لڑ مرنا ہے

(٢١)

جس پہ پڑتی ہے وہی جانتا ہے او غدار
پانی بھرنا مجھے آسان ہے لانا دشوار
اس محل پر ہے بہادر سے بہادر ناچار
خون کے پیاسے ہیں رن میں قدر انداز ہزار
دل پہ قابو نہیں بچہ جو ہر ایک پیاسا ہے
سنگ و آہن نہیں نا فہم یہ مشکیزہ ہے

(۲۲)

درد و غم لاکھ ہوں لیکن مجھے معذور نہ جان
بزدلے جمع کئے ہیں تو انہیں شور نہ جان
زندہ عباسؑ ہے شبیرؑ کو مجبور نہ جان
تیغ کھینچی ہے قیامت کی گھڑی دور نہ جان
جن پہ غرّا ہے انہیں بھیج وہ روکیں آ کے
پانی اب نہر سے لیں گے تو لہو برسا کے

(۲۳)

آگے بڑھ کے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے یہ قدم
زور بازو تجھے دکھلائے گا اس تیغ کا دم
تو سمجھ سکتا نہیں ہم کو وہ جانباز ہیں ہم
کوئی کھاتا ہے وفا کی کوئی جرأت کی قسم
حلم یہ ہے سبقت کی نہیں عادت اپنی
فوج یہ کم ہے کہیں بڑھ کے ہے ہمت اپنی

(۲۴)

تاریوں کے جو نشاں ہیں وہ بڑہیں کالے نشاں
ہر طرف برسے لہو رنگِ شجاعت ہو عیاں
دلیں نامرد وہ مقتل کا ہو پرہول سماں
تان کے برچھے بڑھیں وہ جو چنندہ ہوں جواں
صف بہ صف راہ میں کھینچے ہوئے تلواریں ہوں
شیر یہ رکتا نہیں لوہے کی دیواریں ہوں

(۲۵)

کہہ کے یہ آپ نے رکھا جو سر دوش علم
خوف کے مارے بہ عجلت وہ ہٹا پچھلے قدم
مسکرا کے یہ کہا بھاگ نہ میداں سے بہم
کاٹ اس تیغ کا ہاں دیکھ تو لے او ظالم
ڈر سے چہرہ کا اُڑا رنگ بڑا بزدل ہے
سہل فوجوں کا لڑانا ہے وغا مشکل ہے

(۲۶)

آپ یہ کہہ رہے تھے سر بگریباں تھا لعیں
آئینہ کر رہی تھی غیظ و غضب چیں بہ جبیں
رعب عباسؑ سے تھا خائف و لرزاں بے دیں
ہر گھڑی خوف یہی مجھ پہ نہ ہو وار کہیں
دل پہ وہ غریبوہ جو زخمِ زباں لے کے گیا
اپنے خیمہ کی طرف حکمِ وغا دے کے گیا

(۲۷)

طبلِ جنگی کا گرجنا تھا کہ گرجا بادل
طبقِ خاک ہلا بڑھنے لگے فوج سے بل
آ گیا تیوری پہ شیرِ اسد اللہ کے بل
نعرہ شیرانہ کیا آپ نے گونجا جنگل
شور اعدا میں ہوا تیغِ جہانگیر کھنچی
نظر آتی ہے اجل موت کی تصویر کھنچی

(۲۸)

تیغِ عباسؑ سے میداں میں ہوا ہنگامہ
شانِ مستانہ سے مداح کا جھوما خامہ
رنگِ محفل جو بدلنے کو ہے ساقی نامہ
بادہ نوشوں کا ہوا تنگ خوشی سے جامہ
دور ساغر کے یہ باندھے ہیں سماں آنکھوں میں
لال ڈورے ہیں مسرت کے نشاں آنکھوں میں

(۲۹)

دل تڑپتا ہے یہ میخوار ہے مضطر ساقی
جنگ ہونے کو ہے ہاں بادۂ اطہر ساقی
ڈر ہو حاسد کی نظر کا تو چھپا کر ساقی
کیسا ساغر مرا پیمانۂ دل بھر ساقی
مئے سر جوش وہ ہو تا بہ ابد جوش رہے
دین کی فکر ہو دنیا کا نہ اب ہوش رہے

(۳۰)

جب پکارے تجھے مشکل میں برہمن ساقی
کس طرح چھوڑ دے میخوار یہ دامن ساقی
ہے اسی پھول میں فردوس کا گلبن ساقی
سوجھے کیا اُس کو ہے ناری تیرا دشمن ساقی
نہ پیوں میں تو قرار آئے گا کیوں کر مجھ کو
موجِ بادہ میں نظر آتا ہے کوثر مجھ کو

(۳۱)

مجھ سے اُس بادہ کی کس طرح ثنا ہو ساقی
جس کا جو گھونٹ ہو خالق کی رضا ہو ساقی
حشر تک مدح کروں حق نہ ادا ہو ساقی
مے وہ مئے دستِ خدا سے جو عطا ہو ساقی
صدقے میخوار ہر انداز کریمانہ ہے
جس جگہ چاہے تو ساقی وہیں میخانہ ہے

(۳۲)

تاب کیا ہے تیرا دشمن تیرا بد خواہ پیئے
دوست رکھتا ہو تجھے جو وہ حق آگاہ پیئے
کچھ تکلف نہیں گھر میں کہ سرِ راہ پیئے
یہی وہ مے ہے کہ ہمراہ گدا شاہ پیئے
طاعتِ حق کی ہے سرتاج اطاعت وہ ہے
جس سے مقبول عبادت ہو عبادت وہ ہے

(۳۳)

جس کے پینے سے ملے خلد کا جادہ وہ شراب
کم نہ ہو جتنی بھی پی جائے زیادہ وہ شراب
کردے دفتر کو گناہوں کے جو سادہ وہ شراب
خضر کو چاہ رہی جس کی وہ بادہ وہ شراب
وہی پی سکتا ہے فضلِ صمدی ہو جس پر
مے وہ مے صدقہ حیاتِ ابدی ہو جس پر

(۳۴)

وقت کی فصل کی سن کی نہیں محتاج یہ مئے
کیف ہر آن ہے عقبےٰ کی ہے سرتاج یہ مئے
بگڑے کل حشر نہ کس طرح پیوں آج یہ مئے
پوچھو مومن سے نمازی سے ہے معراج یہ مئے
کر نہیں سکتا قبول ایزدِ غفار نماز
نشہ اس کا نہ ہو جب تک تو ہے بےکار نماز

(۳۵)

تیغ عباسؑ کھنچی رن میں ہوئی اک ہلچل
موت آنکھوں میں پھری ہوگیا مقتل مقتل
لڑنے مرنے پہ جو آمادہ تھے بڑھ آئے وہ یل
دم میں ہر سمت چمکنے لگے تلواروں کے پھل
رنگ چہرے کا بہادر کے نہ کیوں کر بدلے
خونی آنکھیں ہوگیں اور شیر کے تیور بدلے

(۳۶)

کوندی بجلی وہ گھٹا ڈھالوں کی اُٹھی یکبار
لو برسنے لگی عباسؑ علیؑ کی تلوار
دستے ابتر ہوئے سالم نہ رہی کوئی قطار
پیاسا سقہ ہے تو ڈوبے ہیں لہو میں سردار
اب نہ جرأت نہ شجاعت نہ کوئی ہوش میں ہے
جنگ ہے قہرِ خدا بحرِ فنا جوش میں ہے

(۳۷)

تیغ وہ جس نے کیا کفر کا سینہ صد چاک
مقتلِ کرب و بلا جس سے ہوا عبرت ناک
خوں میں نہلا دئے سفاک سے جو تھے سفاک
جس کے چلنے سے بندھی تا ابد اسلام کی دھاک
سکۂ ضرب کا منکر ہو یہ دم ہے کس کا
حشر تک اب نہ چلے نام چلے گا اس کا

(۳۸)

پور کاٹھی ہے کہیں ٹکڑے ہے تلوار کہیں
تہلکہ میں کہیں اسوار ہیں رہوار کہیں
تیغ سے اُڑ گئے پیکاں کہیں سوفار کہیں
کہیں بسمل ہیں تو لاشوں کے ہیں انبار کہیں
ڈانڈیں ٹکڑے ہیں کہیں پھل ہیں کہیں بھالوں کے
پھول بکھرے کسی جا ٹوٹی ہوئی ڈھالوں کے

(۳۹)

چھوڑنا دشمنِ دیں کا یہ سمجھتی ہے گناہ
گئی خالی نہ کبھی جس سے کہ مظلوم کی آہ
سپر و خود و زرہ کاٹتی ہے مثلِ گیاہ
کبھی کھنچتی نہیں چلتی نہیں بے حکمِ الہٰ
کیوں نہ ہو ہمدمِ عباسؑ وفادار ہے یہ
قوتِ بازوئے شبیرؑ کی تلوار ہے یہ

(۴۰)

بجلی اک کوندتی ہے چار طرف پھیلی ہے ضو
چوندھیائے ہوئے گر پڑتے ہیں وقتِ تگ و دو
تابشِ مہر سے اونچی جو ہوئی دے کے یہ لو
انگلیاں اٹھیں ہوا غل کہ وہ نکلا مہِ نو
کٹتا اک دن میں گھٹا یہ اثرِ غم دیکھو
انقلاب دہمِ ماہِ محرم دیکھو

(۴۱)

سمجھے غدار قضا کا ہے اشارہ بھی تیغ
باوفا کہتے ہیں ہے عرش کا تارا بھی تیغ
بے کس و تشنہ دہن شہ کا ہے پیارا بھی تیغ
پیاسے بچوں کا اخیری ہے سہارا بھی تیغ
محشر اس تیغ سے اب عرصۂ ہیجا ہوگا
نہر کے گھاٹ پہ خوں برسے گا قبضہ ہوگا

(۴۲)

مل کے پیتا نہیں اس تیغ کا مارا پانی
غرق ہے ہو گیا سر سے اُدھر اونچا پانی
جوہری دیکھ کے کہتے ہیں کہ ہے کیا پانی
آبِ شمشیر ہے یا نہر میں ٹھہرا پانی
ہوتا ہے سب پہ عیاں شور اماں ہونے سے
موت کے گھاٹ لعیں اترے رواں ہونے سے

(۴۳)

کام آتی ہے مجاہد کے ہے اسلامی تیغ
تیغِ شیرِ اسد اللہ ہے ضرغامی تیغ
رہ کے عباسؑ کے قبضے میں ہوئی نامی تیغ
ظفرِ اسلام کی ہے کفر کی ناکامی تیغ
چمکی جب غل ہوا یہ جلوہ ہے کس کے دم کا
قسمتِ دینِ محمدؐ کا ستارہ چمکا

(۴۴)

دلِ مومن کی طرح اس کا صفا سینہ ہے
جوہرِ جرأتِ حامل کا یہ آئینہ ہے
عشقِ شبیرؑ یہ ہے خادمِ دیرینہ ہے
جس سے اسلام ترقی پہ ہو وہ زینہ ہے
کی مجاہد کی جو خدمت تو یہ عظمت ہوگی
مدحِ عباسؑ کے ساتھ اس کی بھی مدحت ہوگی

(۴۵)

ضرب خالی نہ گئی خوں میں تر ہوگئی تیغ
کسی مظلوم کی آہوں کا اثر ہوگئی تیغ
وار دشمن نے کیا جب تو سپر ہوگئی تیغ
کٹ کے سیف اُس کی گری وجہِ ظفر ہوگئی تیغ
آئی جھنکار سے آواز کہ یہ غالب ہیں
کیوں نہ ہوں ابنِ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہیں

(۴۶)

تہلکہ ایسا وہ ہلچل کہ سبھی پر ہے اثر
ڈر سے ہیں ہوش و خرد باختہ فوجی افسر
تھے کہاں پہلے کہاں اب ہیں نہیں یہ بھی خبر
مٹھی میں ابن ید اللہ کی ہے سب لشکر
دیکھ کر دل تہ و بالا ہے ہر اک سینہ میں
فوج کا عکس ہے تلوار کے آئینہ میں

(۴۷)

عربی نسل کا وہ رخش کہ سبحان اللہ
دیکھ کر ٹھاٹھ ہر اک کہتا ہے بے ساختہ واہ
پریاں حیران ہیں اُڑنے سے تو ہے دنگ سپاہ
آگے یہ پیچھے ہزاروں کی ہے مشتاق نگاہ
صورتِ ابرِ غضب فوج پہ چھایا ہوا ہے
دل ہیں پامال کہ نظروں میں سمایا ہوا ہے

(۴۸)

لائقِ دیدِ دمِ جلوہ گری ہے یہ فرس
گوشۂ زین پر پرواز پری ہے یہ فرس
نظریں پڑتی ہیں کہ عیبوں سے بری ہے یہ فرس
زیبِ عباسؑ پہ ہے ایسا جری ہے یہ فرس
باوفا کیسا ہے پوچھو یہ وفاداروں سے
جنگ میں ڈرتا نہیں نیزوں سے تلواروں سے

(۴۹)

پتلیاں ایسی حسین آنکھیں بچھاتے ہیں حسیں
دھوپ سے نعل جو لو دیتے ہیں روشن ہے زمیں
کیلیں چمکیں کہ تڑپنے لگے ہیرے کے نگیں
برقِ جولاں بنا کاوے پہ ڈالا جو کہیں
یہ تو یہ اس کی ہوا بھی کوئی کب پاتا ہے
ہاں بس اک نور کا ہالہ سا نظر آتا ہے

(۵۰)

مثلِ ضیغم یہ بڑھے جب صفِ ہیجا کی طرف
فتح ان کی تو ہزیمت ہوئی اعدا کی طرف
ڈر کے بھاگے جو لعیں چھپنے کو صحرا کی طرف
گھوڑا ڈالے ہوئے یہ بڑھ گئے دریا کی طرف
ہو کا عالم تھا بیاباں میں سناٹا تھا
رخ کئے نہر کا اک شیر چلا جاتا تھا

(۵۱)

ساقیا دور کہ یہ مرحلہ آساں ہو جائے
ہر اک اس بزم میں مستِ مئے عرفاں ہو جائے
پیاسے بچوں کی تسلی ہو وہ ساماں وہ جائے
قبضہ دریا پہ ہو یوں فوج یہ حیراں ہو جائے
وار ہر سمت رہیں خون سے میداں تر ہو
جھنڈا سقے کا گڑے گھاٹ پہ اک جھگڑ ہو

(۵۲)

تیرے میکش کو نہیں بادۂ احمر درکار
نہ سبو اور نہ صراحی نہ ہے ساغر درکار
جنت و خلد سے مطلب ہے نہ کوثر درکار
جس سے سب کچھ ہے وہ ہستی کا ہے جوہر درکار
نگہ لطف سے ہے عہدہ برآئی اپنی
اک نظر دیکھ لے ہو جائے خدائی اپنی

(۵۳)

مجمع حشر میں شرمائے نہ تیرا میخوار
نیکیاں ہوں جو گناہوں کی جگہ روزِ شمار
تو وہ ہے رحمتِ حق کر نہیں سکتا انکار
اتنے عصیاں ہیں کہ بے گنتی ہیں ساغر درکار
ساعت اس وقت مرے واسطے معراج کی ہو
ظرفِ لطف کا پیمانہ عطا آج کی ہو

(۵۴)

حق جدا تجھ سے ہے یا حق سے جدا تجھ کو کہوں
توبہ توبہ ہوں نصیری کا خدا تجھ کو کہوں
ہر طرح سے ہوں میں حیران کہ کیا تجھ کو کہوں
حق بجانب ہے کہ خالق کی رضا تجھ کو کہوں
صدقے سو بار جناں وہ حشم و جاہ ملا
ساقیا جس کو ملا تو اُسے اللہ سے ملا

(۵۵)

وہ نگہبانوں میں دریا کے اُٹھا شورِ اماں
گھاٹ کی فوج بھی سب ہو گئی خوں میں غلطاں
بھاگتے پھرتے ہیں یہ کہتے ہوئے پیل تواں
غصہ کم کیجئے اب بحرِ شہِ تشنہ دہاں
روکئے ہاتھ علم تیغ شرر بار نہ ہو
حملہ اب کوئی بچے حیدرِ کرار نہ ہو

(۵۶)

مل گئی خوب ہمیں اپنے گناہوں کی سزا
رحم ہو رحم بس اب اے اسدِ شیرِ خدا
دشت تیرا ہے ترائی تیری دریا تیرا
واسطہ پیاسی سکینہؑ ہی کا بحرِ مشکیزہ
ہم کو پینے کی رضا دے نہ رضا دے چاہے
نام پہ پیاسے شہیدوں کے لٹا دے چاہے

(۵۷)

نعرے مڑ مڑ کے یہ ہیں جنگ میں کرتے ہو قصور
بھالے ہاتھوں میں ہیں اس پر بھی بے جاتے ہو دور
لاشے ہیں ٹھوکروں میں اُن کے جو تھے فوج میں سور
ہے سزا اُس کی جو کچھے شہِ دیں کو مجبور
جامِ کوثر بھی منگانے سے نہیں قاصر ہیں
دین و دنیا کے ہیں مختار مگر صابر ہیں
(آخری تین بند مرثیہ اول حضرت عباسؑ سے لئے گئے۔ فریدؔ)

مرثیہ

جلوہ گر رخش پہ عباسؑ علمدار ہوئے

درحالِ حضرت عباسؑ

سنہ تصانیف

1936

الوداع

بادشاہ دین و دنیا الوداع
اُمتِ عاصی کے شیدا الوداع
روتے روتے جان دیں تب بھی ہے کم
کب ملے گا تم سا آقا الوداع
آب خنجر سے بجھی دو دن کی پیاس
پار ہوا اُمت کا بیڑا الوداع
آپ رہتے جلتے ہم دوزخ میں کاش
خونِ دل روتا ہے کہتا الوداع
جانے والے ہوتا ہے یثرب تباہ
کیجئے آباد صحرا الوداع
روتے ہیں پیر و جوان و طفل سب
کہہ رہا ہے بچہ بچہ الوداع
ہو سلام ان سب غلاموں کا قبول
میرے آقا میرے مولاؑ الوداع

جلوہ گر رخش پہ عباسِ علمدار ہوئے

جلوہ گر رخش پہ عباسِ علمدار ہوئے
شان و شوکت یہ بڑھی حیدرِ کرار ہوئے
عازمِ خلد جو تھے جعفرِ طیار ہوئے
باگ کیا لی شہِ دیں بے کس و بے یار ہوئے
دل شبیرؑ میں ہوک اٹھی جو مہمیز ہوئی
بجلی اک آنکھوں میں کوندی کہ ہوا تیز ہوئی

(۲)

شور چاؤشوں میں تھا حشر یہاں آتا ہے
جس سے ہوں زیر شجاعانِ جہاں آتا ہے
گھوڑا ڈالے ہوئے اک شیرِ ژیاں آتا ہے
جس کو کہہ دیجئے حیدرؑ وہ جواں آتا ہے
شور یہ باجوں کا ہوگا نہ یہ لشکر ہوگا
فرش لاشوں ہی کا مقتل کی زمیں پر ہوگا

(۳)

خود سر پر رخِ ضیغم پہ ہے رعبِ حیدرؑ
تن پہ ہے صرف زرہ اور نہیں جوشن بکتر
کوئی ہتھیار نہیں تیغ ہے بس زیبِ کمر
ہاتھ تیار ہے ایسا کہ نہیں ساتھ سپر
علمِ پنجتنی دوش پہ لہراتا ہے
لئے مشکیزہ ترائی کی طرف آتا ہے

(۴)

شیر پیاسا ہے کہیں راہ میں لشکر نہ ڈٹے
راستہ صاف رہے مورچہ دریا سے ہٹے
کوئی ٹوکے نہ بُرا وقت کسی طرح کٹے
سمجھو قہر آگیا یہ گرد کا بادل جو پھٹے
چھیڑنا ٹھیک نہیں لاشوں کے تودے ہوں گے
سامنا ہوگا تو جرّار بھی بودے ہوں گے

(۵)

منتشر ہو ہی رہی تھی ابھی یہ سن کے سپاہ
آ گئے سامنے سے ثانیٔ حیدرؑ ناگاہ
راس و چپ ہٹ گئے سرہنگ جو تھے چھوڑ کے راہ
آپ نے فوج پہ کی تن کے غضب ناک نگاہ
نعرہ زن شیرِ الٰہی کا جو ضرغام ہوا
دل یہ دہلے کہ ہر اک لرزہ بر اندام ہوا

(۶)

ہمہمہ تھا کہ خبردار ہو اے قومِ جہول
میرے بابا ہیں علیؑ دستِ خدا نفسِ رسولؐ
جن سے پھیلے ہیں دین کے فروع اور اصول
منتخب ہو کے خدائی میں ہوئے زوجِ بتولؑ
سمجھا اللہ و محمدؐ ہی نے یہ بھیے تھے
عقد ان کا لبِ قدرت نے پڑھا ایسے تھے

(۷)

حکمِ خالق سے اسی گھر میں ہے اُترا تارا
اور یہیں آیا ہے قرآن کا پارا پارا
کوئی بندہ نہیں اللہ کا ایسا پیارا
کعبہ مولد ہوا گوشِ نبیؐ گہوارا
رخِ محبوبِ الٰہی کی زیارت کر لی
کھولی جب آنکھ تو قرآں کی تلاوت کر لی

(۸)

جو ہیں جانباز اُنہیں سے ہے مرا اب یہ سوال
بے زباں پیاسوں کا دو روز سے ہوگا کیا حال
اپنے شہزادوں کا کیا فرض نہیں تجھکو خیال
جان بچّوں میں ہے کس طرح کروں جنگ وجدال
اب بھی تیار ہوں میں وقت یہ ہر چند نہیں
تم کو لڑنا ہے تو لڑنے میں بھی میں بند نہیں

(۹)

دیر جو راہ میں ہوتی ہے مجھے بار ہے یہ
جب تک اس ہاتھ میں دم قبضہ میں تلوار ہے یہ
مل کے سب روک لیں عباسؑ کو دشوار ہے یہ
شاہؑ سے جنگ کہ اطفال سے پیکار ہے یہ
سقّہ بچّوں کا ہوں مشکیزہ بھی یہ لایا ہوں
لڑنے آیا نہیں پانی کے لئے آیا ہوں

(۱۰)

اُن کی تقریر کا رن میں جو اثر عام ہوا
پسرِ سعد نے سختی سے دیا حکمِ وغا
طبل گرجا وہ اٹھی تیروں کی گھنگھور گھٹا
آتے ہی غیظ انہیں کھنچ گئی تصویرِ قضا
روشنی پھیلی ہوئی خیرہ نظر عالم کی
خوں کا مینہ پڑنے لگا دشت میں بجلی چمکی

(۱۱)

روح بے چین ہے دے بادۂ عرفاں ساقی
چھوٹ سکتا نہیں مستوں سے یہ داماں ساقی
نشہ چڑھ جائے تو ہو درد کا درماں ساقی
جام دے جام ہے پڑھنا مجھے قرآں ساقی
رونقِ بزم ہوں یوں نشہ میں سر دھنتا رہوں
لبِ قدرت سے تری مدح و ثنا سنتا رہوں

(۱۲)

دی قطار اونٹوں کی سائل کو سخا ایسی تھی
چرچے ہیں عرش سے تا عرش عطا ایسی تھی
حق کو محبوب تھی بخششِ خدا ایسی تھی
بڑھ گیا شوقِ قناعت کی ادا ایسی تھی
مانگنے در پہ مَلَک بھیس بدل کر آیا
ہو کے قرآں ترا افسانہ زباں پر آیا

(۱۳)

ان فقیروں سے تو حق بڑھ کے ہیں میرے ساقی
پشتہا پشت سے ہوتے رہے پھیرے ساقی
میرے اسلاف نے ڈالے نہیں ڈیرے ساقی
کس طرف جاؤں اگر تو مجھے پھیرے ساقی
ہاتھ پھیلائے زمانہ ترا منہ تکتا ہے
نہ بجز دستِ خدا کوئی بھی دے سکتا ہے

(۱۴)

پی سکا رنگ سے تیرے نہ کوئی پیغمبرؑ
کہ گیا وقتِ نماز اور نہ چھوٹا ساغر
مے گساری سے تری دونوں جہاں ہیں ششدر
جام لب پر سرِ محبوبِ خدا زانو پر
جذبِ نیت میں یہ تجدیدِ عبادت کے لئے
آفتاب آگیا مغرب سے اطاعت کے لئے

(۱۵)

ہے وصیِ ختمِ رسلؐ کا تو ہی اے فخرِ سلف
ہاشمی مطلبی مہرِ عرب دُرِّ نجف
تارا اُترا ہے سمجھ کر تیرا گھر برجِ شرف
یوں رہا حق بہ طرف ہوگیا حق تیری طرف
تہمتیں رکھتے تھے جو جو انہیں جھٹلانے کو
جامہ قرآن کا پہنایا ترے افسانے کو

(۱۶)

اُڑتے ہی سر وہ دبی فوج ہوا شور اماں
قدر انداز کسی جا ہیں کہیں تیر و کماں
بے نشاں ہیں جو علمدار تو افتادہ نشاں
پیل تن راستہ طے کرتے ہیں افتاں خیزاں
اسلحہ پھینکتے ہیں کھول کے جلدی تن سے
لے کے جاں اپنی ہر اک بھاگ رہا ہے رن سے

(۱۷)

بھرم اشرار کے تلواروں نے چل کر کھولے
کیا زباں کھولتے تیغیں تھے نشتر کھولے
مرغ تیر آئے جو نزدیک گرے پر کھولے
قوتِ بازوئے شبیرؑ کے جوہر کھولے
ثانیِ حیدرؑ کرار یہ بن جائیں گے
لوہے کو حضرتِ عباسؑ کے سب مانیں گے

(۱۸)

ایسی تلوار کہ تلوار کو اعجاز کہیں
تیغ کے بھیس میں یا فتح کا اک راز کہیں
چار سو دم میں پہونچتی ہوئی آواز کہیں
ہمہ تن ناز کہیں سوز کہیں ساز کہیں
جلوہ ہر رنگ سے عشاق کو دکھلاتی ہے
جھک کے ملتی ہے گلے اور جلا جاتی ہے

(۱۹)

ناز وہ کوئی ہے شیدا تو کوئی پروانہ
صف پہ صف گرتی ہے رفتار ہے وہ مستانہ
چلتی ہے عمر کا چھلکاتی ہوئی پیمانہ
موت عشاق کی اس شوخ کا آکر جانا
حسن یہ دیکھا نہ یہ طرز جفا کا دیکھا
ہوش میں آتا نہیں جس نے کہ جلوہ دیکھا

(۲۰)

جان و دل لینے کے معشوقوں نے سیکھے ہیں ہنر
دیکھو چال اس کی لچک کھولتی ہے راز کمر
خم نہ یہ ہوتا تو کہلاتے نہ ابرو خنجر
اس کے ہی دم سے ہوا تار نظر تیر نظر
یونہی جب شانے جلوہ کے عیاں ہوتے ہیں
تو اشاروں ہی سے قتل جہاں ہوتے ہیں

(۲۱)

آب یہ روشنی ایسی رخ گل رو میں کہاں
کاٹ اور یہ چم و خم خنجر ابرو میں کہاں
رنگ یہ پیچ یہ جوہر کے سے گیسو میں کہاں
گردشیں مستیاں یہ نرگس جادو میں کہاں
دل پہ ادنی سے اشارہ میں چھری پھرتی ہے
جھوم کر جس کو یہ تکتی ہے وہ صف گرتی ہے

(۲۲)

جان لینے پہ نہ قاتل کہیں عیار ایسی
دوست دشمن کی نہیں ہوتی وفادار ایسی
دم سے وابستہ قضا رہتی ہے تلوار ایسی
کشش حسن بڑھے جس سے ہے رفتار ایسی
جلوہ دکھلاتی ہوئی چلتی ہے جس دم سن سے
روح دامن سے لپٹ جاتی ہے کھنچ کر تن سے

(۲۳)

رخش ایسا ہے کہ جانبازوں کی بڑتی ہے نظر
رنگ سبزہ وہ سیہ یال گھنی وہ گھونگھر
یال گردن پہ ہیں تلوار پہ یا ہیں جوہر
سینہ پر گوشت وہ ابھرا ہوا مانند سپر
کیوں نہ شیرانہ ہو چتون کہ ہے گھوڑا کس کا
زہرہ جانبازوں کا پانی ہو وہ ہے ٹھاٹھ اس کا

(۲۴)

روشنی کھڑے پہ یہ چاند ہے جیسے روشن
وہ کمر تنگ تناسب سے بھری وہ گردن
چال بن بن کے دکھانے میں وہ بے ساختہ پن
خوش خرام ایسا قدم چومیں حسینان چمن
دیکھ پائے جو کہیں باد صبا حیرت ہو
بھولے اٹکھیلیاں یہ عالم محویت ہو

(۲۵)

نعل بجلی سے چمکتے ہیں تو ضو بار ہیں سم
عرصۂ جنگ میں چلتی ہوئی تلوار ہیں سم
باعثِ حفظ و حفاظت پئے اسوار ہیں سم
ان کے دشمن کے لئے گرزِ گراں بار ہیں سم
نخوتِ کبر کو بد مستوں کے یوں دور کیا
رہ میں نکل جو ملے کاسۂ سر چور کیا

(۲۶)

یہ مہک یال کی معشوقوں کے گیسو میں کہاں
مستی ان انکھڑیوں کی نرگسی جادو میں کہاں
شوخیاں یہ جو طراروں میں ہے آہوں میں کہاں
اُڑنا اس رنگ سے گلزار کی خوشبو میں کہاں
بے سہارے میں کسی وقت ہوا جاتی ہے
ہر طرف تھام کے دامانِ ہوا آتی ہے

(۲۷)

شوخیاں کہتی ہیں اس کی ہمہ تن ناز ہے یہ
جھولے سے بند سے راکب وہ قدم باز یہ ہے
چار دم میں ہے کیا رعد کی آواز ہے یہ
ہو نہ ہو حضرتِ عباسؑ کا اعجاز ہے یہ
شیر سا جاتا ہے نیزوں میں کبھی تن تن کر
کبھی اعدا کو فنا کرتا ہے بجلی بن کر

(۲۸)

چال مستانہ وہ ہے جیسے کوئی متوالا
انکھڑیوں کا ہے پئے نرگسِ جادو پیالا
چاند سے صاف وہ سم لعل ہیں جن کا ہالہ
ہو گیا طرفہ سماں کاوے پہ جس دم ڈالا
کیفیت رقصِ پری کی جو نظر آتی ہے
برقِ جولاں ہے کہ پامال ہوئی جاتی ہے

(۲۹)

آئی تھی بھیس میں تلوار کے اعدا کی اجل
ہو کے دو گرتے تھے اک وار میں رہوار سے پل
تہلکہ حشر نما اور وہ غضب کی ہلچل
صف سے صف لڑ گئی در آئے جو گھوڑے کو حل
کہیں دم بھر بھی ٹھہرنے نہ کوئی پاتا تھا
ہو پسر نزع میں منہ پھیرے پڑا جاتا تھا

(۳۰)

کرتے کیا رد و بدل آنکھ ملاتے نہ تھے سور
جس طرف جو ہے وہ لرزاں ہے چہ نزدیک چہ دور
دستِ پا سرد تو جرأت کی حرارت کافور
آنچ تلوار کی اور ہاتھ پڑے ہیں بھرپور
غصے میں بھرا ہوا شیر اسداللہ کا ہے
جوش زن خوں ہے تو ہر وار یداللہ کا ہے

(۳۱)

تھے شقی ہوش و خرد باختہ جی چھوڑے ہوئے
سر کٹے اپنوں ہی پر تیر جو تھے جوڑے ہوئے
کشتہ اسواروں کے سرپٹ جو رواں گھوڑے ہوئے
تھے باگوں کے لعینوں کے لئے کوڑے ہوئے
لاشے پس پس گئے ہلچل میں دغا بازوں کے
منہ بگاڑے تھے رکابوں نے سخن سازوں کے

(۳۲)

ہر طرف ذکر یہ تھا ہے نئے عنوان کی جنگ
ہم نے ایسی کبھی دیکھی نہیں گھمسان کی جنگ
ایک ہے لاکھ پہ بھاری ہے عجب شان کی جنگ
حملہ ور جن ہے نہیں یہ کسی انسان کی جنگ
زور بازو کا یہ راکب مع مرکب کاٹے
جس قدر فوج ہے چاہے تو ابھی سب کاٹے

(۳۳)

حملے شیرانہ جو کرتے تھے جناب عباسؑ
منتشر فوج تھی ہر سمت پراگندہ حواس
فتح مشکل ہے یہ کہتی تھی بن سعد کی یاس
بھاگنے والوں کو تکتا تھا بصد خوف و ہراس
رنگ یہ دیکھ کے ہیبت جو سما جاتی تھی
ذہن میں کوئی نہ تدبیر مفر آتی تھی

(۳۴)

دیر سے دیکھتا تھا حال یہ اک جبلی تواں
مکر و تذویر میں شاگرد ہو جس کا شیطاں
خیر خواہی کے جتانے کو بڑھا بے ایماں
آتے ہی کہنے لگا ان پہ ظفر ہے آساں
قتل عام ایسا نہ پھر جنگ یہ گھمسان کی ہو
یاد رہ جائے وہ قدرت نئے عنوان کی ہو

(۳۵)

رنگ بدلے گا یہ جس وقت ظفر ہوگی جبھی
رن میں تیغیں جو کھنچی ہیں ہوں نیاموں میں ابھی
واسطہ دے کے سکینہؑ کا اماں مانگیں سبھی
حملہ ور ہوں گے نہ پھر حضرت عباسؑ کبھی
چار سو تہلکہ ہوگا نہ یہ ہلچل ہوگی
جو جو مشکل ہے وہ تدبیر ہی سے حل ہوگی

(۳۶)

شور پھر یہ ہو کہ اب آتا ہے اک جبلی دہاں
نیزہ برداروں کے حلقہ میں ہو چھوٹا میداں
بہر امداد رہے اُن کے عقب فوج گراں
یوں ملے ہوں کہ ہوا جا نہ سکے تا امکاں
قتل عباسؑ علیؑ پر ہر اک آمادہ رہے
اپنی جا مثل ستوں جو ہو وہ استادہ رہے

(۳۷)

پا پیادہ ہی بڑھوں گا سوئے ابن حیدرؑ
اپنے پاس اور نہ کچھ ہوگا بجز تیغ و سپر
پہلے کوشش بھی ہوگی کہ وہ آجائیں اِدھر
پھر ہے تلوار زباں سے نہ چلا کام اگر
محو جب رد و بدل میں ہوں تو غافل پا کے
دفعتاً ٹوٹ پڑے فوج عقب سے آ کے

(۳۸)

کار بند اُس کے کہے پر جو ہوا نا ہنجار
کاٹھیوں میں ہوئیں تیغیں تو دہائی کی پکار
واسطہ پیاسی سکینہؑ کا سنا جب کئی بار
ساتھ رہوار کے عباسؑ نے روکی تلوار
دھیان آیا جو بھتیجی کا تو دل بھر آیا
جوش میں آ کے لہو آنکھوں سے باہر آیا

(۳۹)

شور آمد کا ہوا سامنے آیا بے دیں
اے زہ پاس شجاعت زہ عدل او تمکیں
آپ اُتر آئے فرس سے کہ وہ پیدل تھا لعیں
دیکھ کر ان کو یہ بولا مجھے اب تاب نہیں
چشم و رخ پر ہے اثر اشکوں سے منہ دھونے کا
ہے عجب ایسے بہادر سے یہاں رونے کا

(۴۰)

اپنے بچوں کے جو دکھ درد کا ہو دل پہ اثر
شوق سے آپ انہیں لے کے چلے آئیں ادہر
کیوں نہ آنکھوں سے بہے ہو کے لہو قلب و جگر
ہوگی بے آب و غذا ہونے سے حالت ابتر
گرمی اس حد کی ہے دل ننھے سے بھُنتے ہوں گے
بھوک اور پیاس سے سر اپنے وہ دُھنتے ہوں گے

(۴۱)

بیعتِ بادشہِ وقت میں تھی آسانی
لاکھ سمجھائے گئے شہؑ نہ کسی کی مانی
بند ہو سکتا تھا معصوم پہ دانہ پانی
ضد حکومت کو دلادی بھی کی نادانی
اپنے ساتھ اوروں کو آفت میں پھنسا رکھا ہے
قتل و غارت کے سوا لڑنے میں کیا رکھا ہے

(۴۲)

ہے عبث ہو جو برادر کی مصیبت کا ملال
اپنے ہی ہاتھوں شہؑ دیں نے کیا اپنا یہ حال
خوب واقف ہیں کہ جب شاہوں سے ہوتی ہے جدال
ایک کی فتح شکست ایک کی ہوتا ہے مآل
لشکری لوٹنے ناموس کو جب آتے ہیں
قید کر کے انہیں دربار میں لے جاتے ہیں

(۴۳)

غیظ میں آکے یہ فرمایا کہ چپ او بے پیر
خون کھولاتی ہے یہ بے ادبانہ تقریر
اُن کو انکار جو بیعت سے ہے یہ بے تقصیر
رنج و غم شہؑ کی مصیبت پہ ہے بیکار شریر
حق بجانب ستم و جور یہ حضرت پر ہے
مظلمہ اوروں کے دکھ درد کا اُن کے سر ہے

(۴۴)

کور باطن تیرا عالی نہیں ہو سکتا خیال
مجھکو ہرگز نہیں دکھ درد کا بچّوں کے ملال
بھائی کیسے میرے آقا ہیں شہِ نیک خصال
یہ غلام اُن پہ فدا صدقہ ہیں سب اہل و عیال
دل میں شعلے سے ہیں منہ آنسوؤں سے دھوتا ہوں
کیا بتاؤں تجھے کس واسطے میں روتا ہوں

(۴۵)

اہلِ کوفہ کی جہالت پہ مجھے رونا ہے
شہؑ کے آثار شہادت پہ مجھے رونا ہے
اُن کے بچّوں کی مصیبت پہ مجھے رونا ہے
ارے اسلام کی حالت پہ مجھے رونا ہے
گوشت خوں اپنے پیمبرؐ کا انہیں مانتے ہیں
کلمہ گو قتلِ نبیؐ زادہ روا جانتے ہیں

(۴۶)

ہیں یہ اب حافظِ دیں پشت پناہ اسلام
سبطِ محبوبؐ خدا اور امامؑ ابنِ امامؑ
ان سے معلوم ہوا ہے یہ حلال اور یہ حرام
مصلحت میں شہِؑ دیں کے تجھے زیبا ہے کلام
کیوں نہ برداشت یہ ظلم اور یہ بدعت کرتے
ختم اسلام تھا شبیرؑ جو بیعت کرتے

(۴۷)

ہم پہ یہ رحم ترس سبطِ پیمبرؐ پہ نہیں
ارے اس ظلم و تعدی کا ٹھکانہ ہے کہیں
پیاسا دو روز سے ہے دوشِ محمدؐ کا مکیں
آسماں ٹوٹ پڑے اور اُلٹ جائے زمیں
ہے یقیں دہر میں آثار قیامت ہوں گے
خون برسے گا جو فائز بہ شہادت ہوں گے

(۴۸)

اس قدر آلِ پیمبرؐ سے عداوت ہے شقی
رحم کھانا شہِؑ بے کس پہ حماقت ہے شقی
دل بھر آنا بھی منافی شجاعت ہے شقی
میرا رونا تیری دانست میں بدعت ہے شقی
دل میں ہوک اٹھتی ہے یہ غم کا اثر ہوتا ہے
ٹکڑے ٹکڑے ہو جگر جس کا وہی روتا ہے

(۴۹)

غم کا جذبہ نہ رکے جب تو ہے رونا فطرت
ایسے رونے کو سمجھ سکتا ہے کوئی بدعت
انبیاء روتے ہیں گریہ ہے اُن کی سیرت
دیکھ قرآن میں او جاہلِ حکمِ قدرت
تو سمجھتا ہے عبث اشکوں سے منہ دھونا ہے
ہنسنا اللہ کو محبوب نہیں رونا ہے

(۵۰)

نصرتِ سبطِ نبیؐ رحمتِ داور رونا
انتہا غم کی علاجِ دلِ مضطر رونا
تو یزیدی ہے تو بدعت نہ ہو کیوں کر رونا
ڈر یہ ہے کھولے گا ان ظلموں کے دفتر رونا
دل میں جذبہ نہیں شبیرؑ کی غمخواری کا
ہے تقاضا یہی حاکم کی طرفداری کا

(۵۱)

بے کسی بے وطنی میں یہ جفائیں سہنا
اور اُمّت کے بہی خواہ پہ یوں چپ رہنا
حیف شاہؑ اس کی مصیبت پہ ہوا آنسو ہونا
قابلِ شرم ہے بدعت اسے بدعت کہنا
روئے گا ان کی مصیبت پہ جسے الفت ہے
گریۂ خیر الوریٰ اپنے لئے حجت ہے

(۵۲)

حکم اللہ کا ہے قولِ نبیؐ فعلِ نبیؐ
آل و قرآن نہ چھوٹے یہی تاکید رہی
یہی فرمان پیمبرؐ کی ہے تعمیل شقی
قید ہیں نرغے میں اعدا کے حسینؑ ابنِ علیؑ
پھر کے شبیرؑ سے کافر ہوئے گمراہ ہوئے
دشمنِ احمدؐ کے ہوئے دشمنِ اللہ ہوئے

(۵۳)

کون ہے جس پہ ہیں یہ جور و ستم سوچ ذرا
ہے وہ بیکس جو ہے جان و دلِ محبوبؐ خدا
عظمتِ غم ہے اس مظلوم سے او ہرزہ سرا
میں تو میں دور نہیں روئے لہو عرش و سما
ساتھ شبیرؑ کے اس وقت زمانہ ہوگا
ذرہ ذرہ کی زباں پر یہ فسانہ ہوگا

(۵۴)

قتل اُن کا جو روا سمجھے وہ کیونکر روئے
روئی ہیں فاطمہؑ ان ظلموں پہ حیدرؑ روئے
ریش تر ہوگئی اس طرح پیمبرؐ روئے
کس کی پھر اصل ہے جب رحمتِ داور روئے
اُس زمانہ میں ستم تھے نہ مصیبت یہ تھی
دیکھ شبیرؑ کے دکھ درد کی عظمت یہ تھی

(۵۵)

جبر فطرت کا یہ ہے غم کا اثر ہوئے گا
چوٹ جب دل پہ لگے گی تو بشر روئے گا
رحم بیکس پہ نہ کھا اپنا ہی کچھ کھوئے گا
وہ ہی کاٹے گا جو یہاں تخمِ عمل بوئے گا
شاہؑ نادار ہیں گو تخت نہیں تاج نہیں
بیکسی اُن کی تیرے رونے کی محتاج نہیں

(۵۶)

نصرتِ شہؑ نہیں احسان جتانے کے لئے
فرض اپنا ہے یہ عقبیٰ کے بنانے کے لئے
اک نصیحت ہے ثبات اُن کا زمانے کے لئے
صبر رہ جائے گا یہ رونے رلانے کے لئے
غم شبیرؑ ہر اک غم پہ مقدم ہوگا
ایک دن ماہِ عزا ماہِ محرم ہوگا

(۵۷)

او شقی تو نے بچھایا ہے عبث دامِ اجل
منتظر فوج ہے تلوار کا دکھلا کس بل
پڑ نہیں سکتا کہیں اپنے ارادہ میں خلل
وقت بے کار نہ کھو ٹھاٹھ بدل ٹھاٹھ بدل
غیظ میں آ کے وہ اشعار رجز پڑھنے لگا
پینترے بدلے جونہی جوشِ وغا بڑھنے لگا

(۵۸)

آنکھ لڑنا تھی کہ بس آگئی ابرو پہ شکن
سرخ ڈورے ہوئے چلنے لگیں تیغیں سَن سَن
یوں بڑھانے لگی دل اُس کا سپاہِ دشمن
کوئی کہتا تھا گھیر اور کوئی کہتا تھا بزن
دل پہ لگتی تھی نہ جب چوٹ کوئی پڑتی تھی
پیچھے دیتا تھا سپر سے جو سپر لڑتی تھی

(۵۹)

گرد جنگاہ کی تھی ہونے سے پامال بلند
نعرہ کرتا تھا بصد غیظ بد افعال بلند
تیغ اونچی تھی کوئی اور کوئی ڈھال بلند
تھا اُدھر حضرتِ عباسؑ کا اقبال بلند
وار رد ہونے سے جھلاتا تھا وہ رہ رہ کے
زد سے یہ بچتے تھے یا شیرِ الٰہی کہہ کے

(۶۰)

گرمی اس قہر کی وہ دھوپ وہ بھڑکی ہوئی پیاس
میل چتون پہ ذرا بھی نہیں اللہ رے حواس
ہوشیار اپنے عقب سے نگراں تھے چپ و راس
جاں بلب ہے وہ لعیں کہتا ہے چہرہ کا ہراس
ختم منصوبے تھے جتنے دلِ سفاک میں تھے
اُن کو موقع نہیں ملتا تھا جو سب تاک میں تھے

(۶۴)

مثل ضیغم یہ بڑھے جب صفِ اعدا کی طرف
فتح ان کی تو ہزیمت ہوئی اعدا کی طرف
ڈر سے بھاگے جو لعیں چھپنے کو صحرا کی طرف
گھوڑا ڈالے ہوئے یہ بڑھ گئے دریا کی طرف
ہو کا عالم تھا بیابان میں سناٹا تھا
رخ کئے نہر کا اک شیر چلا جاتا تھا

(۶۵)

منہ چھپائے ہوئے سرہنگِ پشیماں بھاگے
جنگجو لڑنے کے دل میں لئے ارماں بھاگے
ڈر سے زہرے جو ہوئے آپ بد ایماں بھاگے
پہرے اٹھ اٹھ گئے دریا کے نگہباں بھاگے
نہر پر تشنہ دہن رشکِ سکندر پہونچا
بن کے سقا خلفِ ساقیٔ کوثر پہونچا

(۶۶)

خضر کہتے تھے خضرِ راہِ وفا کا آیا
پیاسے دو روز کے معصوموں کا سقا آیا
کیا قیامت ہے ارے وقت یہ کیسا آیا
میرِ کوثر کا خلف نہر پہ پیاسا آیا
عالم ایسا شہِ بیکس کے علمدار کا تھا
شور اک فاعتبرو یا اولی الابصار کا تھا

(۶۱)

مسکرانے لگے آپ اور یہ فرمایا کہ ہاں
جتنی چوٹیں ہیں تنی کرلے یہی ہے میداں
وار خالی گئے سب کہتے ہیں لشکر کے جواں
کس لئے تجھکو ہے خفت کہ عیاں راز نہاں
زخمی اک ہم نہ سہی دیکھ تو کئی گھائل ہیں
سانس پھولی ہے ترے قلب و جگر بسمل ہیں

(۶۲)

دم ہے اُکھڑا ہوا اب سانس کا تیری ہے شمار
مشکل آسان ہو اب ہاں دیکھ ہمارا اک وار
اُس کی تیغ آئی یہ سنتے ہی جو سر پر اک بار
دے کے خالی اُسے عباس نے ماری تلوار
ہو کے دو حصے برابر جو فرس گر تڑپا
تڑپا یوں خاک پہ ثابت ہوا اژدر تڑپا

(۶۳)

نزدِ اسپ آتے ہی پھرتی سے یہ بیٹھے زیں پر
رخش بجلی ہوا تلوار سے اُڑنے لگے سر
تہلکہ چار طرف تھا وہ پڑی تھی بھگدڑ
ٹکڑے تھے لاش کے اُچھل سے اِدھر اور اُدھر
غل تھا کیا شکل تھی اب دیکھیے کیا ہوتی ہے
کیوں نہ ہو بے ادبی کی یہ سزا ہوتی ہے

(۶۷)

موجیں تھیں ماہیٔ بے آب کی صورت بیتاب
پانی اک جا نہ ٹھہرتا تھا بہ شکلِ سیماب
پھاڑ کر آنکھیں نظر کرتے تھے عبرت سے حباب
لب جو آنے میں ہوتے تھے حیا سے آب آب
تھا عیاں جب کوئی موجہ لبِ ساحل آیا
اب امنڈتا ہوا دریا صفتِ دل آیا

(۶۸)

درد شانوں میں ہے تا دیر جو کی ہے پیکار
تمتمائے ہوئے ہیں دھوپ کی شدت سے عذار
تر پسینے میں ہے رخ زلف پہ ہے گرد و غبار
خون کے دھبّے قبا پر ہیں کہ ہے چشمِ نگار
ہونٹ پپڑائے زباں خشک یہ حد پیاس کی ہے
ڈبڈبائے ہوئے آنسو ہیں نظر یاس کی ہے

(۶۹)

عقب حضرتِ عباسؑ ہے لشکر کا خروش
باگ روکے ہوئے یہ ہیں لبِ ساحل خاموش
مشک پیاسوں کی ہے پہلو میں علم ہے سر دوش
آتشِ غیظ سے خوں کھانے لگا جوش پہ جوش
پانی پانی ہوئے جاتے ہیں حیا آتی ہے
دل میں ہوک اٹھتی ہے ٹھنڈی جو ہوا آتی ہے

(۷۰)

گھر میں دو دن سے جو تھے ماہیٔ بے آب اطفال
دیکھا بہتا ہوا دریا تو بڑھا رنج و ملال
ٹپکے اشک آیا جونہی پیاسے شہیدوں کا خیال
آہ کے ساتھ بھری مشک بصد استعجال
منہ بھی دھویا نہیں چھڑکا نہ زرہ پر پانی
نہر سے گھاٹ پہ جلد آ گئے لے کر پانی

(۷۱)

بڑھتے ہی دیکھا کہ لاکھوں ہیں مسلّح بے پیر
کھینچے تلواریں ہے تا حدِ نظر جمِ غفیر
قدر انداز کمانوں میں ہیں جوڑے ہوئے تیر
بڑھی حملے کو سواروں کی پیادوں کی بھیڑ
پھیلی گرد اڑ کے تگ و دو سے زمیں ہلنے لگی
طبقِ خاک سے شکلِ فلکی ملنے لگی

(۷۲)

اس طرف باگ کسی آپ نے روکا رہوار
آئی ابرو پہ شکن غیظ میں کھینچی تلوار
اُن کو للکارا کہ بس آگے نہ بڑھنا زنہار
ہمہ تن گوش ہو سن لو میری باتیں دو چار
دل ہلے ہیبتِ ضیغم ہوئی طاری ٹھہرے
سامنے باندھ کے اک حلقہ وہ ناری ٹھہرے

(۷۳)

تن کے فرمایا کہ بچّوں کا تمھیں کچھ نہیں پاس
راہ کھوٹی نہ کرو توڑو نہ معصوموں کی آس
پیاسی بچّی کا ہے مشکیزہ امانت میرے پاس
دے کے پانی ابھی آیا ابھی آیا عبّاسؑ
وہ چھٹے مجھ سے کہ داغوں سے بھرا سینہ ہے
مرنا آسان ہے دشوار مجھے جینا ہے

(۷۴)

حالِ اطفال اگر دیکھو تو ہو دل پانی
ایسے بسمل ہیں کہ روکے گا نہ قاتل پانی
دیکھ لو ایک سبو ہوگا بمشکل پانی
تم کو ریتی پہ بہا دینے سے حاصل پانی
بھوک اور پیاس سے معصوموں کے حال ابتر ہوں
حلق اُن کے رہیں خشک اور یہ ذرّے تر ہوں

(۷۵)

حیف صد حیف ہے پانی کے لئے یہ نرغہ
یہ حمیت یہ عرب کی یہ چلن مردوں کا
فرض مشکیزہ ہے پہونچانا کہ وعدہ ہو وفا
تشنہ کاموں کے لئے آب ہے یہ آبِ بقا
جان ہونٹوں پہ ہے وہ پیاس کی طغیانی ہے
زندگی آس امید اُن کی بھی پانی ہے

(۷۶)

چاہیئے رحم یہ ہیں ایسے گھرانے کے صغیر
سیر و سیراب ہوئے یہاں سے یتیم اور اسیر
روزہ پہ روزہ رکھے در سے نہ پلٹائے فقیر
دیکھ سکتے نہیں دشمن کو بھی اپنے دلگیر
دی قطار اونٹوں کی اک نان کے سائل کو کوئی
سرد شربت کبھی پلوائے گا قاتل کو کوئی

(۷۷)

سُن کے تقریر یہ بولا بن سعد بے دیں
پانی لے جانے نہ دیں گے کہ ہمیں حکم نہیں
کھینچ لی آپ نے تلوار ہوئے چیں بہ جبیں
تن کے فرمایا کہ یہ آب ہے ہاں چھین لعیں
یاد رکھ چھیدنے مشکیزہ جو تیر آئے گا
اسی پانی کی طرح خون بھی بہہ جائے گا

(۷۸)

غیظ میں حکم دیا اُس نے بڑھے ظلم شعار
اڑ دی آپ نے پھرتی سے بڑھایا رہوار
راہیں سب بند ہوئیں ٹوٹ پڑے یوں خونخوار
چل گیا ہائے غضب نوفلِ مردود کا وار
تیغ تھی جس میں اُسی ہاتھ پہ آفت آئی
کٹ گیا دستِ یمیں ہائے قیامت آئی

(۷۹)

پانی پہونچانے کی کوشش میں تھے ملتی نہ تھی راہ
اُسی ملعون نے تلوار لگائی ناگاہ
دوسرا ہاتھ کٹا ہوگیا صدمہ جانکاہ
تسمہ مشکیزہ کا دانتوں میں دبایا بصد آہ
نہ رہا زیست کا سقّے کی سہارا پانی
ناگہاں تیر لگا بہہ گیا سارا پانی

(۸۰)

ضعف اور غیظ یہ ہے کانپ رہے ہیں تھر تھر
ہے چھدی مشک کہ ناسور ہے دل کے اندر
ہاتھ کٹنے کا نہ خوں بہنے کا اب کوئی ڈر
خاک پر پانی ہے پانی پہ ہے مایوس نظر
ہے جو بچوں کے تڑپنے کا سماں آنکھوں میں
آہیں بھرتے ہیں ہے اندھیر جہاں آنکھوں میں

الوداع

اے مسافر تشنہ لب تو دن کے مہماں الوداع
شاہِ بے سر حاملِ اندوہ و حرماں الوداع
اک اُداسی چھا رہی ہے ہر در و دیوار پر
تعزیہ خانے کئے جاتے ہیں ویراں الوداع
باغِ عالم میں ہے سبزہ صف بچھائے ماتمی
کہتے ہیں گل پھاڑ کر اپنا گریباں الوداع
وہ شہیدِ ظلم ہو ٹکڑے جگر عالم کا ہے
کہتے ہیں رو رو کے سب ہندو مسلماں الوداع
عاصیوں کی دست گیری کی مگر بیعت نہ کی
بھوکے پیاسے ہوگئے اُمت پہ قرباں الوداع
کربلا کا ماجرا پیشِ نظر ہے آہ آہ
بے کس و بے یار اے فخرِ سلیماں الوداع
زیرِ خنجر اُمتِ عاصی کی بخشش کی دعا
صابر و وعدہ وفا شاہِ شہیداں الوداع
سر سناں پر بیبیاں ناقوں پہ عابدؑ ساربان
جاتے ہو پڑھتے ہوئے نیزہ پہ قرآں الوداع

مرثیہ

اصغرؑ کو دفن کر کے جو آئے بحالِ زار

درحالِ حضرت علی اصغرؑ

سنہ تصنیف

1931

اصغرؑ کو دفن کر کے جو آئے بحالِ زار

اصغرؑ کو دفن کر کے جو آئے بحالِ زار
وا اکبراہ کی ہوئی برچھی جگر کے پار
عصمت سرا کا قصد جو کرتے ہیں بار بار
اٹھتی ہے دل میں ہوک کہ ہے بہن بے قرار
بڑھتے نہیں قدم کہ خیالِ ربابؑ ہے
بے شیر گود میں نہیں شرم و حجاب ہے

(۲)

ماتم کی صف پہ روتی ہیں سیدانیاں تمام
سر پیٹتی ہیں پیاسے شہیدوں کا لے کے نام
ضد بہرِ آب کرتے ہیں معصوم تشنہ کام
رلوا رہے ہیں شہؑ کو سکینہؑ کے یہ کلام
بابا جو چھوٹے بھائی کو پانی پلائیں گے
دو گھونٹ میرے واسطے بھی لیتے آئیں گے

(۳)

اکبرؑ کے غم میں روتی ہیں زینبؑ جگر کباب
بھائی کو دیر کیوں ہوئی یہ بھی ہے اضطراب
بے شیر کے خیال میں مدہوش ہیں ربابؑ
جیسے خبر ہو دل کو ہے صدمے سے یوں خراب
باتیں ہیں دل سے اب نہ فغاں اور نہ آہ ہے
جھولے کے پاس ہیں تو سوئے در نگاہ ہے

(۴)

زینبؑ سے گاہ کہتی ہے وہ غم کی مبتلا
کیا جانیں پانی اُس کو ملا یا نہیں ملا
کانٹے زبان میں تھے تو سوکھا ہوا گلا
حالت یہ اور دشت کی لو دھوپ میں گیا
سن کیا بساط کیا چھ مہینہ کی جان ہے
اُس کو یہی بہت ہے ابھی پھول پان ہے

(۵)

سرکش ہے فوج دیکھیے ہوتا ہے کیا مآل
دل میں مرے برے ہی برے آتے ہیں خیال
زینبؑ یہ بولیں آتا ہی ہوگا تمہارا لال
اور اُس کے دشمنوں کا بھی بیکا نہ ہوگا بال
پھر اپنے گھر میں خیر سے اللہ لائے گا
پانی اگر ملا ہے تو ہشیار آئے گا

(۶)

زلفوں پہ گرد غم ہے کمر صورتِ کماں
حلقے پڑے ہیں آنکھوں میں ہونٹوں پہ پپڑیاں
رخسار پر بہے ہوئے اشکوں کے ہیں نشاں
چہرے پہ ریش پاک پہ ہے خونِ بے زباں
اک ہوک اُٹھ رہی ہے دلِ چاک چاک سے
آلودہ ہاتھ تربتِ اصغرؑ کی خاک سے

(۷)

ناداں سکینہؑ کو جو گلے تھے بڑے بڑے
تھی منتظر کہ باپ کی مجھ پر نظر پڑے
دیکھا نہ جب تو خارِ الم دل میں تھے گڑے
گھبرا کے آئی تھک جو گئی تھی کھڑے کھڑے
شفقت سے سر پہ ہاتھ جو پھیرا امامؑ نے
شکوے شروع کر دیئے اُس تشنہ کام نے

(۸)

رو کر لپٹ کے باپ سے بولی وہ نیم جاں
فریاد میری کوئی بھی سنتا نہیں یہاں
جلتا ہے سینہ پھنکتا ہے دل اُٹھتا ہے دھواں
خود آپ دیکھ لیجیے شق ہے مری زباں
رگ رگ میں سنسنی ہے نہیں جی سنبھلتا ہے
چٹکا لگا ہے پیاس سے اب دم نکلتا ہے

(۹)

آتے ہیں غش پہ غش مجھے ایسا ہے جی نڈھال
روئی تو آنکھیں سوج کے ہو ہوگئی ہیں لال
چلنے میں لڑکھڑاتی ہوں ہے بھوک سے یہ حال
کس سے کہوں جب آپ کو میرا نہیں خیال
بابا یہ دکھ کبھی نہ اُٹھائے کہیں رہے
یاں آکے ہم وہ پیاری سکینہؑ نہیں رہے

(۱۰)

اصغرؑ کو لے کے نہر پہ پانی پلانے جائیں
جن کے تھے چاہ پیار وہ اک گھونٹ بھی نہ پائیں
سر پٹکیں روئیں دھوئیں پچھاڑیں زمیں پہ کھائیں
اُس کو پلائیں اور ہمارے لئے نہ لائیں
در کی طرف نگاہیں ہوں پانی کی آس میں
پائی نہ ایک گھونٹ بھی دو دن کی پیاس میں

(۱۱)

پہلا سا وہ دلار ہے میرا نہ چاہ پیار
پوچھا نہ مجھ کو آئے گئے گھر میں بار بار
پانی نہ مانگے اس سے نہیں ہے نظر بھی چار
چاہا جسے پلایا میں ہی تھی قصوروار
ہونٹوں پہ میرا دم ہے خبر اب تو لیجیے
اصغرؑ کا صدقہ مجھ کو بھی دو گھونٹ دیجیے

(۱۲)

اچھا میں خوش ہوں مجھ کو نہ پانی پلایئے
بھیّا کو چھوڑ آئے کہاں یہ بتایئے
جس کے کیا حوالے اُسی پاس جایئے
اُس پیارے پیارے ننھے مسافر کو لایئے
بہلائے کوئی لاکھ وہ جاں اپنی کھوئے گا
بھوکے گا جی کڑھائے گا بے میرے روئے گا

(۱۳)

شہؑ ضبط کر رہے ہیں کہ آنسو نہ اب بہیں
منہ کو کلیجہ آتا ہے جب کس طرح رہیں
شکوے جگر خراش ہیں غم تاب کے سے
اصغرؑ کو پوچھتی ہے سکینہؑ سے کیا کہیں
پڑتے تھے یہ جو تیر دلِ چاک چاک پر
شہؑ روئے اور بیٹھ گئے فرشِ خاک پر

(۱۴)

کہتی تھی بیکسی شہنشاہِ دیں پناہ
بے بس ہیں ورنہ عشق وہی اور وہی ہے چاہ
اصغرؑ گئے بہشت میں طے کر کے حق کی راہ
پوچھو نہ حالِ صورتِ مظلوم ہے گواہ
بچپن ہے اس سبب سے یہ بے جا گلا نہیں
چلو بھرے ہیں خون سے پانی ملا نہیں

(۱۵)

روتے تھے شاہؑ اہلِ حرم سب تھے نوحہ خواں
سر چوبِ گاہوارہ پہ ٹکرا رہی تھی ماں
کہتی تھی ٹھیک ہوگیا لوگوں مرا گماں
میں لٹ گئی شہید ہوا ہائے بے زباں
یا مصطفیٰؐ یہ ظلم ہے امّت کا آپ کی
بچّے کو میرے مارا ہے گودی میں باپ کی

(۱۶)

کس طرح دیکھوں شاہؑ کے چہرہ پہ یہ لہو
اس خوں سے میرے بچے کی صاف آ رہی ہے بو
چھیدا کسی شریر نے کیا نازنیں گلو
تھا نیم جاں تڑپ نہ سکا ہوگا ماہ رو
بازو کا زخم کہتا ہے ہوں زخم تیر کا
ہے ہے اسی طرف تو گلا تھا صغیر کا

(۱۷)

نظروں میں پھر رہے ہیں جھنڈلے جھنڈلے بال
مکھڑا وہ چاند چاند سا وہ گورے گورے گال
الفت میں باپ کی نہ کیا ماں کا کچھ خیال
دو دن کے بھوکے پیاسے گئے ہائے میرے لال
تکتے چتوں گی خاک بسر اب رہوں گی میں
جب تک جیوں گی تیری کہانی کہوں گی میں

(۱۸)

سمجھا نہ کوئی ہائے غضب بے زباں ہو تم
آنکھیں ہیں بند ضعف سے یہ ناتواں ہو تم
دو دن کی بھوک پیاس میں خود نیم جاں ہو تم
حد بیکسی وقت کی ہو گو بے نشاں ہو تم
ایسا ستم ہوا ہے نہ ہوگا جہاں میں
کس ہاتھ سے وہ تیر چڑھا تھا کماں میں

(۱۹)

آغوش میں دلہن سے تو آئے تھے رستہ بھر
خالی ہے گود روٹھ کے ماں سے گئے کدھر
اب سمجھی کربلا کی ہوا میں تھا یہ اثر
اتنا بڑا سفر کیا مادر کو چھوڑ کر
بابا کے استغاثہ نے رکھا نہ ہوش میں
گزرے جہاں سے باپ کی الفت کے جوش میں

(۲۰)

اتنے میں شور کرنے لگے رن سے اہلِ شر
آیا یہ وقت صبح سے باندھے ہوئے کمر
حیدرؑ نہیں تو کاٹیں گے اُس کے پسر کا سر
کٹوا کے فوج چھپ گئے شبیرؑ خود کدھر
کشتے نظر میں پھرتے ہیں بدر و حنین کے
لینا عوض ہے پیاسے ہیں خونِ حسینؑ کے

(۲۱)

غصے میں تھرتھراتے بہ عجلت اُٹھے امامؑ
فرمایا بس علاقۂ دنیا ہے اب تمام
زینبؑ ذرا یہ بے ادبی کے سنو کلام
لاؤ لباس کہنہ کہ رخصت ہو تشنہ کام
سر دیں گے کھا کے تیر و سناں رن میں سوئیں گے
سب روئیں ہم نہ اصغرؑ و اکبرؑ کو روئیں گے

(۴۲)

کبریٰ کو پھر طلب کیا شہؑ نے بصد الم
کاغذ دیا وصیتیں جس میں کہ تھیں رقم
دے کر صحیفہ ایک یہ بولے بہ چشمِ نم
دے دینا غش سے چوکے جو عابدؑ اسیرِ غم
کہنا کہ سر کٹانے گئے کچھ نہ کہہ سکے
چھوٹو تم اتنی دیر بھی گھر میں نہ رک سکے

(۴۳)

ہم کو شہید سمجھو بُھلا دو ہماری یاد
ہشیار ہو شروع تمہارا ہے اب جہاد
وہ یوں کہ نفس مارو رہو درد و غم میں شاد
ہمت ستم اُٹھانے کی ہوتی رہے زیاد
امید تم سے سب ہے ہو کس خاندان سے
جھیلو مصیبتوں کو اماموں کی شان سے

(۴۴)

مختار کائنات امامؑ خدا بھی ہو
ہے فرض اب کہ حاملِ جور و جفا بھی ہو
دینے گناہ گاروں کے حاجت روا بھی ہو
مرے تباہ سفینے کے تم ناخدا بھی ہو
قرآں کی طرح آلِ محمدؐ کا ساتھ ہے
بس اب تمہارے ہاتھ میں اُمت کا ہاتھ ہے

(۴۵)

گو ہو مریض ایسے کہ ہے سخت امتحاں
قیدی بنائیں گے تو نہ گھبراؤ میری جاں
پہنو تم اپنے کانپتے ہاتھوں سے بیڑیاں
لوہے کا تپتا بار بھی دل پر نہ ہو گراں
معنی یہ ہیں شفاعتِ اُمت کے شوق کے
صابر رہو جو خوں بہے کانٹوں سے طوق کے

(۴۶)

ہر اک بلا پہ صبر کرو رنج و غم سہو
دادا کی طرح مرضیٔ خالق پہ تم رہو
گردن بندھے تو شیرِ خدا حملہ ور نہ ہو
کیا تھا بجز رضائے الٰہی تمہیں کہو
بابا کے اختیار میں سب کچھ تھا کیا نہ تھا
کھینچی نہ ذوالفقار کہ حکمِ خدا نہ تھا

(۴۷)

اتنے میں آگئیں حضرتِ زینبؑ بصد بکا
شہؑ نے لباس لے کے کیا چاک جا بجا
کپڑوں کے نیچے مثلِ کفن زیبِ تن کیا
سر پر رکھا بہ فخر عمامہ رسولؐ کا
تھے اشکبار سب حرم مستطاب میں
حیدرؑ کی ذوالفقار رکھی شہؑ نے ڈاب میں

(۲۸)

محمل بغیر ناقوں پہ گر ہوں حرم سوار
اور سارباں بنائیں تمھیں یہ ستم شعار
پکڑے ہیں دامن آج کروڑوں گناہ گار
اُمت کے دستگیر رہو تم تمام کے مہار
تلووں میں خار چبھتے ہوں طے حق کی راہ ہو
دُرّے لگائیں جب میرے سر پہ نگاہ ہو

(۲۹)

جانے کو قتل گاہ میں تھے سرورِ امم
لیکن قدم نہ اُٹھتے ہیں روتے رہے حرم
سب کی زباں پہ تھا کہ سلامت رہے یہ دم
فرمایئے تو کس کے سہارے رہیں گے ہم
ڈھارس بڑی ہے آپ جو ہر دم کفیل ہیں
بچے ہیں چھوٹے چھوٹے سے عابدؑ علیل ہیں

(۳۰)

اپنا کوئی نہیں سبھی غدار ہیں یہاں
ہے بند آب و دانہ گرفتار ہیں یہاں
سب قاتلانِ عترتِ اطہارؑ ہیں یہاں
چھوڑا نہ شیر خوار وہ خونخوار ہیں یہاں
حضرتؑ کا دم عزیز ہے جب اپنی جان سے
اچھا سدھاریئے کہیں ہم کس زباں سے

(۳۱)

فرمایا سچ ہے کاہشِ جاں ہیں یہ غم تمام
کیونکر مگر شریک ہو مجبور تشنہ کام
دل سے بھلاؤ یاد میری لو خدا کا نام
سب مل کے آج ساتھ دو اُمت کا ہے یہ کام
بے کس کی فاقہ کش کی مدد بھی ضرور ہے
ہوگا کفیل وہ جو قدیر و غفور ہے

(۳۲)

سر دیں گے جس کی راہ میں حافظ ہے اُس کی ذات
عاجز ہیں ہم قدیر ہے خلاقِ کائنات
فاقوں میں ذبح ہو گئے ہے آج ہی کی بات
کام آئی کس کے بے کس و مظلوم کی حیات
پیاسے اُٹھے جہاں سے خبر ہم نہ لے سکے
اکبرؑ کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ دے سکے

(۳۳)

یہ کہتے ہی اک آہ کی آنسو ہوئے رواں
پھرنے لگا نظر میں غم انگیز وہ سماں
آلہ تھا زخم دل میں کھٹکنے لگی سناں
فرمایا الوداع ہے رخصت یہ مہماں
کہرام بیبیوں میں ہوا غم کہیں بڑھے
بس اشکبار در کی طرف شاہؑ دیں بڑھے

(۳۴)

تھے پیچھے پیچھے اہلِ حرم سب برہنہ سر
بانوؑ یہ کہتی تھیں کہ لٹا ہائے میرا گھر
زینبؑ پچھاڑیں کھاتی تھیں گر گر کے خاک پر
کبریٰؑ یہ کہہ رہی تھیں کہ بابا چلے کدھر
دامن سکینہؑ پکڑے تھی حالت تباہ تھی
تھم جاتے تھے پہاڑ وہ اتنی سی راہ تھی

(۳۵)

سمجھاتے جا رہے تھے سکینہؑ کو بار بار
اور ہاتھ سر پہ پھیرتے تھے ہو کے بے قرار
بے کس کے دم کے ساتھ جو رخصت تھا چاہ پیار
روتی تھی وہ مچل کے یہ ہوتے تھے اشکبار
اشکوں کی سیل آنکھوں سے دونوں کی بہہ گئی
باہر یہ آئے در پہ تڑپتی وہ رہ گئی

(۳۶)

دیکھا کھڑا ہے ڈیوڑھی پر دلدل جھکائے سر
ہے تھوتھنی بہے ہوئے اشکوں سے تر بتر
گردن تھپک کے ہاتھ جو پھیرا اِدھر اُدھر
قدموں پہ آنکھیں ملنے لگا اسپ خوش سیر
سمجھا کہ آخری یہ سعادت حصول ہے
مجھ سے وداع راکبِ دوشِ رسولؐ ہے

(۳۷)

حضرتؑ نے بار بار بصد لطف کی نگاہ
دامن سمیٹے نزدِ رکاب آئے بڑھ کے شاہؑ
کی آبدیدہ ہو کے جگر سوز ایک آہ
بیٹھے سمند پر کہ ہوا طور جلوہ گاہ
خورشید مانند چرخ سے اُن کی ضیا سے تھا
روشن جہاں تجلّیٔ نورِ خدا سے تھا

(۳۸)

شورِ فغاں زیادہ ہوا لیتے ہی لگام
شہؑ سمتِ قتل گاہ چلے از سوئے خیام
غربت میں ایسے بے کس و مظلوم تھے امامؑ
آوازِ الوداع بھی نہ پہونچی تھی چند گام
رنگت یہ کہہ رہی تھی زمیں آسمان کی
اُڑتی ہے خاک جاتی ہے رونق جہان کی

(۳۹)

جاتا ہے کربلا کا نمازی جہاد پر
جتنے تھے کام آ گئے غازی جہاد پر
کی چرخ نے یہ تفرقہ سازی جہاد پر
تنہا چلا ہے شاہِؑ حجازی جہاد پر
مونس نہ ساتھ ہے نہ مددگار ساتھ ہے
دینِ نبیؐ کی آبرو اب ان کے ہاتھ ہے

(۴۰)

مثلِ نسیم رخش کی آہستہ چال ہے
بیٹھا ہوا ہے دل قدم اُٹھنا وبال ہے
اچھا ہے دیر راہ میں ہو یہ خیال ہے
سمجھے ہیں یہ کہ شہؑ کا پلٹنا محال ہے
ہوگی نہ جاں بری سپہ بد شعار سے
چھوٹا ہوں آج دوشِ نبیؐ کے سوار سے

(۴۱)

چاؤش اُدھر صدائیں یہ دیتے تھے بار بار
آتا ہے غازیوں اسدِ شیر کردگار
ہوں جن کے پاس دور کے حربے وہ ہوشیار
ہے پنجۂ اجل نے کماندار نیزہ دار
بیشہ اُجڑ گیا ہے تو جینے سے سیر ہے
دو بچے جس کے مار لئے ہیں وہ شیر ہے

(۴۲)

آتا ہے خوں برسنے میں وقفہ نہ جاننا
قہار ساتھ ساتھ ہے تنہا نہ جاننا
بھوکا نہ جاننا اسے پیاسا نہ جاننا
اس سے لڑائی منہ کا نوالہ نہ جاننا
فاقہ ہے تیسرا مگر ایسی اُمنگ ہے
غازی ہے ایک اور پھر لاکھوں سے جنگ ہے

(۴۳)

اتنے میں آپ آئے قریبِ سپاہِ شام
آہستہ اور سمند ہوا کھنچتے ہی لگام
بے چینیاں قدم سے عیاں تھیں ہر ایک گام
کہتا ہی بس کہ ہو گیا تصویرِ خوش خرام
اس ٹھاٹھ سے رُکا کہ نگاہوں پہ جڑ گیا
جو شہؑ سوار تھا صفِ لشکر سے بڑھ گیا

(۴۴)

فرمایا شاہؑ نے پسرِ سعد ہے کدھر
یوں آیا روبروئے شہؑ دیں وہ خیرہ سر
ہمراہ پہلوان کئی تھے اِدھر اُدھر
زنگی غلام سر پہ لگایا تھا چترِ زر
ظاہر تھا کبر شکل سے اُس بد نہاد کی
تیوری چڑھی تھی بانیٔ مکر و فساد کی

(۴۵)

فرمایا سر سے پاؤں تک کر کے اک نگاہ
کرتا ہے قتل بے کس و تنہا کو بے گناہ
تو چھوڑ دے تو ناناؐ کے روضہ پہ لوں پناہ
ہوگا نہ اے حسینؑ یہ بولا وہ رو سیاہ
دکھلا دیا شہؑ نے محمدؐ کی شان کو
دیکھا کبھی زمیں کو کبھی آسماں کو

(۴۶)

بولے اک آہ کر کے شہِؑ آسماں جناب
منظور اگر نہیں یہ تو دے مجھ کو تھوڑا آب
سوزِ عطش سے قلب و جگر ہے مرا کباب
یہ بھی نہ ہوگا کہنے لگا خان و ماں خراب
شہؑ چپ رہے لہو میں مگر جوش آگیا
غصہ بڑھا تو منہ سے نہ کچھ بھی کہا گیا

(۴۷)

کہتا تھا غیظ شاہؑ کا کھینچتی ہے اب حسام
ضبط امامؑ پاک نے کی بڑھ کے روک تھام
بولے یہ سر جھکا کے شہنشاہِ خاص و عام
مطلب اگر یہی ہے کہ ہوں قتل تشنہ کام
نرغہ نہ ہو نہ فوج ستم کی چڑھائی ہو
ایک ایک مجھ سے آ کے لڑے یوں لڑائی ہو

(۴۸)

اُس نے کہا مضائقہ کیا ہو یونہی وغا
یہ کہتے ہی بڑھا سوئے لشکر وہ بے حیا
اُس کے اک اشارہ پہ جنگی دہل بجا
جڑنے لگے خدنگ کمانوں میں جا بجا
یہ چپ کھڑے رہے نہ کہا کچھ زبان سے
بل ابروؤں پہ آ گئے حیدرؑ کی شان سے

(۴۹)

نعرہ کیا علیؑ ہیں پدر اشجع العرب
جعفرؑ چچا کا نام ہے طیّار ہے لقب
کافی ہے فخر کے لئے اپنا حسب نسب
ماں فاطمہؑ ہیں جد ہیں محمدؐ رسول رب
ہیں اشرف النساء دو عالم بتولؑ وہ
کونین میں جو سب سے ہیں اکرم رسولؐ وہ

(۵۰)

ہادیٔ خلق راہبر انس و جاں ہیں ہم
رحمتِ خدا کی اور خدا کی اماں ہیں ہم
جن پہ کہ وحی آئی ہے وہ رازداں ہیں ہم
حق بات تو یہ ہے کہ خدا کی زباں ہیں ہم
آئی کتاب حضرتؐ ہوئے جس کی راہ کے
معنی بیاں کئے ہیں کلامِ الٰہ کے

(۵۱)

پہچان لو کہ سبطِ پیمبرؐ ہے سامنے
سمجھو اگر تو شافعِ محشر ہے سامنے
عبرت کرو وہ بے کس و بے پر ہے سامنے
لب تشنہ ابنِ ساقیٔ کوثر ہے سامنے
پیاسے محبت جو حشر کے میداں میں آئیں گے
ہم ساغرِ رسولؐ سے کوثر پلائیں گے

(۵۲)

پڑھ کر رجز یہ چپ جو ہوئے شاہ عرش جاہ
ایک ایک کر کے آنے لگے لڑنے وہ سپاہ
دکھلائی ذوالفقار علی نے عدم کی راہ
ہر ضرب بے اماں تھی ہر اک وار بے پناہ
خالی ہوئے سپاہیوں کے دل امنگ سے
حیرت تھی تین روز کے پیاسے کی جنگ سے

(۵۳)

حیراں تھا ابن سعد جو یہ رنگ دیکھ کر
باندھے عہد کو توڑا کسی ظلم پر کمر
لشکر کو دی صدا کہ نہ یوں ہوگی جنگ سر
منظور فتح ہے تو ہو کل فوج حملہ ور
رکھے ہے سر ہتھیلی پہ ایسا دلیر ہے
قتال جو عرب میں تھا اُس کا یہ شیر ہے

(۵۴)

جنبش ہوئی سپاہ کی سنتے ہی یہ سخن
پیدل سوار بڑھتے جو تھے ہل رہا تھا رن
وہ جتھے مہیب وہ گردان چپل تن
لاکھوں کا حملہ اور اکیلے شہِ زمن
غصے میں ابروؤں پہ جو بل تھے پڑے رہے
تلوار کھینچ آپ جہاں تھے کھڑے رہے

(۵۵)

موجیں ہیں یا صفیں ہیں رواں بجد و کد
کثرت وہ شل ہو پائے نظر پا سکے نہ حد
پیدل ہیں بے شمار تو اسوار لا تعد
طوفاں ہے قہر کا ہے سمندر میں جزر و مد
ہر سمت سے گھرے شہؑ عالی مقام ہیں
کشتی پہ نوحؑ ہیں کہ فرس پر امامؑ ہیں

(۵۶)

خالق کی بارگاہ میں ہوتا ہے باریاب
سینہ ہے سر جو نذر تو رن میں ہے یا تراب
تیر آتے ہی اُدھر سے ہوا تازہ انقلاب
پیری دبی امنگ سے رنگت ہوئی شباب
وہ شان ہے کہ دھیان یہ اعدائے دیں کا ہے
غصہ نہیں شباب بہشتِ بریں کا ہے

(۵۷)

آئے قریب تر جو سپاہِ ستم شعار
جھونکا ہوا کا رخش تھا بجلی تھی ذوالفقار
ڈھالوں کا ابر اُٹھا لہو کی پڑی پھوار
ساقی عطا ہو جام کہ ہے موسم بہار
ہونٹوں پہ دم ہے جام و صبو پر نگاہ ہے
پیتا ہوں اس لئے کہ نہ پینا گناہ ہے

(۵۸)

کہتے ہیں جو کہ بادۂ عرفاں بھی تو ہے
پیتے تھے جس کو بوذرؓ و سلماںؓ بھی تو ہے
وجہ بناء کعبۂ ایماں بھی تو ہے
جس کے سبب ہے وقعتِ قرآں بھی تو ہے
وہ رنگ و بو کہ گلشنِ جنت نثار ہے
پیتا اسی کا معرفتِ کردگار ہے

(۵۹)

ہے فخر سے پرستوں میں میرا بھی نام ہے
کوثر سے بڑھ کے میرے لئے دُرد جام ہے
ساقی اسی کے پینے میں توبہ حرام ہے
پیتا ہے میرا کام عطا تیرا کام ہے
دل کو بڑا سہارا ہے اس انبساط کا
طے ہوگا جھوم جھوم کے رستہ صراط کا

رومیں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی مصحف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سعیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (یوپی) ہندوستان
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا)
		ایم ایس (برطانیہ)
		ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ)
		ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کینیڈا
شریکِ حیات	:	نجمی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصومہ اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف	:	شہید (1982ء)، جوشِ مودت (1999ء)
		گلشنِ رویا (2000ء)، رموزِ شاعری (2000ء)
		عروسِ سخن (2000ء)، اقبال کے عرفانی زاویے (2001ء)
		انشاء اللہ خاں انشا (2001ء)، تجزیہ یادگارِ انیس (2002ء)
زیر تالیف	:	ذکرِ دُر باران۔ تجزیہ شکوہ جواب شکوہ
		دبیر کی مثنویات۔ مصحفِ تاریخ گوئی